فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین
ماہنامہ
جہلم
السنۃ
شمارہ نمبر
55 تا 60
جمادی ثانیہ 1433 تا ذی قعدہ 1434ھ،
الموافق مئی 2013 تا اکتوبر 2013ء
مدیر
غلام مصطفی ظہیر امن پوری
مولودِ کعبہ
قدم بوسی کی شرعی حیثیت!
باغِ فدک
نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ تیمم
ہم اہلحدیث کیوں؟
صفاتِ باری تعالیٰ کی معرفت
قارئین کے سوالات
سیدہ امِ کلثوم بنتِ علی کا نکاح
تقلید کی شرعی حیثیت ۲
نکاحِ متعہ تا قیامت حرام ہے
مجالِد بن سعید اور محدثین
اولیاء اللہ کے نام کی نذر و نیاز
دار التخصص والتحقیق، جہلم، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

ماہنامہ السنۃ جہلم

دار التخصص والتحقیق، جہلم، پاکستان

جلد نمبر ۵ | جمادی ثانیہ 1433 تا ذی قعدہ 1434ھ، الموافق مئی 2013 تا اکتوبر 2013ء | شمارہ نمبر: ۵۵ تا ۶۰

مدیر

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

0300-5482125

نائب مدیر

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

ایم۔ اے

Ejaz_saqi@hotmail.com

0301.6808274

قیمت 200 روپے || سالانہ: 350 روپے || پاکستان مع محصول ڈاک

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
ہم اہلحدیث کیوں؟	حافظ ابو یحییٰ نورپوری	02
اولیاء اللہ کے نام کی نذر و نیاز	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	45
صفاتِ باری تعالیٰ کی معرفت	حافظ ابو یحییٰ نورپوری	65
نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ تیمم	ابن الحسن محمدی	90
تقلید کی شرعی حیثیت (۲)	ابو عبداللہ صارم	108
باغِ فدک	ابو سعید سلفی	131
مولودِ کعبہ	حافظ ابو یحییٰ نورپوری	177
مُجالِد بن سعید اور محدثین	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	179
قارئین کے سوالات	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	188
سیدہ ام کلثوم بنتِ علی کا نکاح	ابن الحسن محمدی	234
نکاحِ متعہ تا قیامت حرام ہے	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	244
قدم بوسی کی شرعی حیثیت!	ابو عبداللہ صارم	277

خط کتابت

شوکت نصیب خان

ریلوے ہسپتال روڈ، مشین محلہ نمبر ۲

جہلم، پاکستان

مقام اشاعت

دار التخصص والتحقیق

جہلم، پاکستان

ناشر

محمد اشرف الحنفی

0300-5133346

اہل حدیث ہی اہل حق ہیں۔لقبِ اہل حدیث گمراہی کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔اسی لیے جو بھی گمراہ ہو جاتا ہے،وہ اہل حدیث سے نفرت کرنے لگتا ہے۔تب ہی تو ہر ظالم اور گمراہ فرقے کی کوشش ہوتی ہے کہ دنیا میں اہل حدیث کہنے،کہلوانے والا کوئی نہ ہو۔ ان کا یہ خواب نہ کبھی شرمندۂ تعبیر ہوا، نہ ہو گا۔ **إن شاء الله!**

دراصل یہ بُری خواہش کرنے والے وہ لوگ ہیں جو سلف صالحین،ائمہ دین اور محدثین کے منہج وعقیدے کے مخالف اور دشمن ہیں۔وہ ان کے عقیدہ وعمل کو مٹانے کے درپے ہیں، نیز یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ سلف صالحین کا دین ناقابل اتباع ہے۔

حالانکہ دنیا میں محدثین کرام ہی وہ لوگ تھے، جو اہل حق تھے۔یہی گروہ قرآن وسنت کو کماحقہ سمجھتا اور اس پر عمل کرتا تھا۔اسی لیے یہ طائفہ منصورہ اہل حدیث کہلایا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے بھی اپنے آپ کو اہل حدیث ہی کہتے ہیں۔

اہل حدیث ہی اہل حق کیوں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الأعراف 7 :181)

''جو لوگ ہم نے پیدا کیے،ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے، جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اسی کے مطابق عدل وانصاف کرتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کا مصداق وہ اہل حق ہیں،جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی یہ متواتر و مشہور حدیث ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهُ» .

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور غالب رہے گا، یہاں تک کہ (قیامت کی صورت میں) اللہ کا حکم آ جائے گا۔''

(قطف الأزهار المتناثرة في الأحاديث المتواترة للسيوطي : 81، لقط اللآلي المتناثرة في الأحاديث المتواترة للزبيدي : 20، نظم المتناثر من الحديث المتواتر : 145)

اس حدیث کی تشریح میں ائمہ اہل سنت، محدثین کرام بالاتفاق فرماتے ہیں کہ اس طائفہ منصورہ سے مراد اہل حدیث ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :

① **امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) فرماتے ہیں :**

إِنْ لَّمْ تَكُنْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ الْمَنْصُورَةُ أَصْحَابَ الْحَدِيثِ، فَلَا أَدْرِي مَنْ هُمْ .

''اگر یہ طائفہ منصورہ اہل حدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں۔''

(معرفة علوم الحديث للحاكم، ص : 2، وسندهٗ صحيحٌ)

② **امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ (118-181ھ) فرماتے ہیں :**

هُمْ عِنْدِي أَصْحَابُ الْحَدِيثِ .

''میرے نزدیک وہ (طائفہ منصورہ) اہل حدیث ہی ہیں۔''

(شرف أصحاب الحديث للخطيب البغدادي، ص : 42، وسندهٗ صحيحٌ)

③ **امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا: میں نے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (161-234ھ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا :**

هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ . **''وہ (طائفہ منصورہ) اہل حدیث ہی ہیں۔''**

(سنن الترمذي : 4/504، 505، ح : 2229، مطبوعة إحياء التراث العربي، بيروت)

④ **امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ (117-206ھ) فرماتے ہیں :**

إِنْ لَّمْ يَكُونُوا أَهْلَ الْحَدِيثِ وَالْأَثَرِ، فَلَا أَدْرِي مَنْ هُمْ.

''اگر وہ (طائفہ منصورہ) اہل حدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟''

(مسألة الاحتجاج بالشافعیؒ للخطیب، ص: 33، وسندہٗ صحیحٌ)

⑤ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (194-256ھ) فرماتے ہیں:

يَعْنِي أَهْلَ الْحَدِيثِ. ''اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔''

(مسألة الاحتجاج بالشافعیؒ، ص: 33، وسندہٗ صحیحٌ)

⑥ امام حاکم رحمہ اللہ (321-405ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

وَفِي مِثْلِ هٰذَا قِيلَ: مَنْ أَمَّرَ السُّنَّةَ عَلٰى نَفْسِهٖ قَوْلًا وَّفِعْلًا نَطَقَ بِالْحَقِّ، فَلَقَدْ أَحْسَنَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فِي تَفْسِيرِ هٰذَا الْخَبَرِ أَنَّ الطَّائِفَةَ الْمَنْصُورَةَ الَّتِي يُرْفَعُ الْخِذْلَانُ عَنْهُمْ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ؛ هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ، وَمَنْ أَحَقُّ بِهٰذَا التَّأْوِيلِ مِنْ قَوْمٍ سَلَكُوا مَحَجَّةَ الصَّالِحِينَ، وَاتَّبَعُوا آثَارَ السَّلَفِ مِنَ الْمَاضِينَ، وَدَحَضُوا أَهْلَ الْبِدَعِ وَالْمُخَالِفِينَ سُنَنَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى آلِهٖ أَجْمَعِينَ.

''ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر قولاً وفعلاً سنت کو لاگو کر لیتا ہے، وہ حق کے مطابق ہی بولتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بہت اچھی تفسیر کی ہے کہ طائفہ منصورہ، جن سے قیامت تک ذلت ورسوائی دور کر دی گئی ہے، وہ اہل حدیث ہی ہیں۔ اس تفسیر کا ان لوگوں سے بڑھ کر مصداق ہو بھی کون سکتا ہے، جو نیک لوگوں کے منہج پر گامزن ہوئے، سلف صالحین کے آثار کی پیروی کی، نیز اہل بدعت اور رسولِ کریم ﷺ کی سنت کے مخالفین کو لاجواب کیا؟'' (معرفة علوم الحدیث للحاکم، ص: 2)

نیز فرماتے ہیں: وَعَلٰى هٰذَا عَهِدْنَا فِي أَسْفَارِنَا وَأَوْطَانِنَا كُلَّ مَنْ يُّنْسَبُ إِلٰى نَوْعٍ مِّنَ الْإِلْحَادِ وَالْبِدَعِ؛ لَا يَنْظُرُ إِلَى الطَّائِفَةِ الْمَنْصُورَةِ إِلَّا بِعَيْنِ الْحَقَارَةِ، وَيُسَمِّيهَا الْحَشَوِيَّةَ ---.

''ہم نے اپنے سفر وحضر میں اسی طرح دیکھا ہے کہ جس شخص میں کوئی گمراہی اور بدعت ہوتی ہے، وہ طائفہ منصورہ کو حقارت ہی کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کو حشویہ (گمراہ فرقہ) کا نام دیتا ہے۔'' (معرفة علوم الحديث للحاكم، ص: 4)

⑦ **امام، قوام السنہ، اسماعیل بن محمد اصفہانی (457-535ھ) فرماتے ہیں:**

ذِكْرُ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَإِنَّهُمُ الْفِرْقَةُ الظَّاهِرَةُ عَلَى الْحَقِّ إِلٰى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةِ.

''اہل حدیث کا بیان، وہی قیامت تک حق پر غالب رہنے والا گروہ ہے۔''

(الحجّة في بيان المحجّة: 262/1)

⑧ **امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (392-463ھ) فرماتے ہیں:**

فَقَدْ جَعَلَ رَبُّ الْعَالَمِينَ الطَّائِفَةَ الْمَنْصُورَةَ حُرَّاسَ الدِّينِ، وَصَرَفَ عَنْهُمْ كَيْدَ الْمُعَانِدِينَ، لِتَمَسُّكِهِمْ بِالشَّرْعِ الْمَتِينِ، وَاقْتِفَائِهِمْ آثَارَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، فَشَأْنُهُمْ حِفْظُ الْآثَارِ وَقَطْعُ الْمَفَاوِزِ وَالْقِفَارِ، وَرُكُوبُ الْبَرَارِيِّ وَالبِحَارِ، فِي اقْتِبَاسِ مَا شَرَعَ الرَّسُولُ الْمُصْطَفٰى، لَا يُعَرِّجُونَ عَنْهُ إِلٰى رَأْيٍ وَّلَا هَوًى، قَبِلُوا شَرِيعَتَهُ قَوْلًا وَّفِعْلًا، وَحَرَسُوا سُنَّتَهُ حِفْظًا وَّنَقَلًا، حَتّٰى ثَبَّتُوا بِذٰلِكَ أَصْلَهَا، وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا، وَكَمْ مِّنْ مُّلْحِدٍ يَّرُومُ أَنْ يَّخْلِطَ بِالشَّرِيعَةِ مَا لَيْسَ مِنْهَا، وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَذُبُّ بِأَصْحَابِ الْحَدِيثِ عَنْهَا، فَهُمُ الْحُفَّاظُ لِأَرْكَانِهَا، وَالْقَوَّامُونَ بِأَمْرِهَا وَشَأْنِهَا، إِذَا

صَدَفَ عَنِ الدِّفَاعِ عَنْهَا، فَهُمْ دُونَهَا يُنَاضِلُونَ ﴿أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة 58 : 22).

''اللہ رب العالمین نے طائفہ منصورہ کو دین کا محافظ بنایا اور ان کو مخالفین کی سازشوں سے محفوظ کیا، کیونکہ انہوں نے شریعتِ مطہرہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے اور صحابہ وتابعین کے آثار کی پیروی کی ہے۔وہ ہر وقت آثار کو یاد کرتے،(حدیث کے لیے) صحراؤں و بیابانوں کا سفر کرتے اور پیغمبر مصطفی ﷺ کی دی ہوئی شریعت کو سمجھنے کے لیے بحر وبر میں گھستے نظر آتے ہیں۔ وہ حدیث کو چھوڑ کر کسی رائے یا خواہش کی پیروی نہیں کرتے۔انہوں نے آپ ﷺ کی شریعت کو قولاً وفعلاً قبول کیا ہے اور آپ ﷺ کی سنت کی حفظ ونقل کے اعتبار سے حفاظت کر کے اس کی جڑ مضبوط کر دی ہے۔یہی لوگ اس کام کے لائق اور اہل تھے۔کتنے ہی ملحدین شریعت میں وہ چیزیں ملا دینا چاہتے ہیں،جو اس میں شامل نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اہل حدیث کے ذریعے شریعت کا دفاع کرتا ہے۔اہل حدیث ہی شریعت کے ارکان کے محافظ اور اس کی ساکھ کو مضبوط کرنے والے ہیں۔جب شریعت کے دفاع کی راہ میں رکاوٹیں حائل کی جائیں تو وہ اس کی خاطر لڑائی بھی کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں، خبردار!اللہ تعالیٰ کے گروہ(کے لوگ)ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

(شرف أصحاب الحديث، ص: 39)

اہلِ حدیث کا عقیدہ ومنہج :

اہل حدیث کا وہی عقیدہ ومنہج ہے،جو محدثین کرام کا تھا۔ہم سرمو بھی اس سے منحرف نہیں ہیں۔اس لیے کہ ہمارے نزدیک محدثین کرام سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ اہل حدیث ،قرآن وحدیث،اجماعِ امت اور اجتہادِ شرعی کو حق مانتے ہیں۔ہمارے نزدیک

قرآن وسنت کا وہی فہم معتبر ہے، جو محدثین کا اتفاقی فہم ہے۔دنیا میں محدثین سے ثابت ایک بھی اجماع ایسا نہیں، جس کے اہل حدیث منکر ہوں۔ہم دینی مسائل میں اسلافِ امت اور محدثین کرام کے اجتہادات کو مقدم رکھتے ہیں، جیسا کہ اہل حدیث کے اسلاف:

امام عبدالرحمٰن بن عمرو،اوزاعی رحمہ اللہ (م:157ھ) فرماتے ہیں:

عَلَيْكَ بِآثَارِ مَنْ سَلَفَ وَإِنْ رَّفَضَكَ النَّاسُ، وَإِيَّاكَ وَرَأْيِ الرِّجَالِ وَإِنْ زَخْرَفُوهُ بِالْقَوْلِ، فَإِنَّ الْأَمْرَ يَنْجَلِي وَأَنْتَ عَلٰى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ.

''تو سلف (محدثین) کے آثار کو لازم پکڑ،اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں۔تو (بدعتی) لوگوں کی آرا سے بچ،اگرچہ وہ ان کو مزین کر کے پیش کریں،کیونکہ بلاشبہ ایسا کرنے سے تیرا معاملہ صاف ہو جائے گا اور تو صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے گا۔''

(شرف أصحاب الحديث للخطيب: 6، الشريعة للآجري: 127، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ابوزرعہ رازی (200-264ھ) اور امام ابوحاتم رازی (240-327ھ) رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''نیز ہم اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں، شذوذ، اختلاف اور تفرقہ بازی سے اجتناب کرتے ہیں۔۔۔''(كتاب أصل السنّة واعتقاد الدين)

علامہ ابوالمظفر سمعانی رحمہ اللہ (426-489ھ) فرماتے ہیں:

وَشِعَارُ أَهْلِ السُّنَّةِ اتِّبَاعُهُمُ السَّلَفَ الصَّالِحَ، وَتَرْكُهُمْ كُلَّ مَا هُوَ مُبْتَدَعٌ مُّحْدَثٌ. ''اہل سنت (اہل حدیث) کا شعار سلف صالحین کی پیروی کرنا اور ہر بدعت کو چھوڑ دینا ہے۔''(الحجّة في بيان المحجّة للاصبهاني :395/1)

سوال یہ ہے کہ اگر محدثین کرام کا منہج وعقیدہ درست تھا اور وہ اہل حق تھے تو ان کے ہم عقیدہ وہم منہج اہل حق کیوں نہیں؟

اعتراضات کا منصفانہ تجزیہ

اہل حدیث لقب پر مختلف قسم کے لوگ کئی قسم کے اعتراضات کرتے ہیں،آیئے اختصار کے ساتھ ان سب کا جائزہ لیتے ہیں:

① ہمارا نام صرف مسلمان!

بعض لوگوں کو لفظ اسلام اور مسلم کا ہیضہ ہو گیا ہے۔یہ لوگ کسی کافر و مشرک اور بدعتی سے اتنی نفرت نہیں کرتے،جتنی اہل حدیث سے روا رکھتے ہیں۔انہوں نے مسلمانوں کو کافر بنانے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام صرف مسلمان رکھا ہے۔جو کوئی اپنے آپ کو اہل سنت یا اہل حدیث کہتا ہے،وہ کافر و مشرک ہو جاتا ہے۔اس بات سے کسی مسلمان کو انکار نہیں کہ اللہ نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے اور ہم مسلمان ہی ہیں،لیکن اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ تمہارا نام صرف مسلمان ہے۔اس سلسلے میں جو آیتِ کریمہ پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے:

﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا﴾ (الحجّ 22 : 78)

''اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا،اس سے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی۔''

اس آیت میں کوئی کلمہ حصر استعمال نہیں کیا گیا،جس سے یہ ثابت ہو کہ ہمارا نام صرف مسلمان ہے یا اللہ نے ہمارا نام صرف مسلمان رکھا ہے،اس کے علاوہ کوئی نام رکھنا جائز ہی نہیں رہا اور جو اپنا کوئی اور نام رکھ لے گا،وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔

خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کے اور بھی نام رکھے ہیں،جیسا کہ:

سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَادْعُوا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ، الْمُؤْمِنِينَ، عِبَادَ اللّٰهِ».

''تم اللہ کی پکار کے ساتھ پکارو،جس نے تمہارا نام مسلمان،مؤمن اورعباداللہ رکھا ہے۔''
(سنن الترمذي : 2863، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمارے تین نام رکھے ہیں؛ مسلمان،مؤمن اور عباداللہ۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جو مؤمن کے سوا اپنا کوئی نام رکھ لے گا،وہ مؤمن نہیں رہے گا اور جو عبداللہ کے علاوہ اپنا کوئی نام رکھ لے،وہ اللہ کا بندہ نہیں رہے گا اور جو ان تینوں میں سے کسی نام کو چھوڑے گا،وہ دائرۂ اسلام وایمان سے خارج ہو جائے گا؟

ہمارا ایسے لوگوں سے سوال ہے کہ اللہ نے جب مؤمن اورعباداللہ نام بھی رکھا ہے تو آپ لوگ مؤمن اورعباداللہ کے نام کیوں نہیں رکھتے؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دورِنبوت کے مسلمانوں کے دو نام''مہاجرین'' اور''انصار'' بھی ذکر کیے،جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (التوبة 9 : 117)
''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اورمہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی۔''

نبی اکرم ﷺ نے بھی جس طرح مسلمانوں کو [يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ] (اے مسلمانوں کی جماعت!) کہہ کر پکارا(صحيح البخاري : 4141، صحيح مسلم : 2770)،اسی طرح ان کو[يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ] (اے مہاجرین کی جماعت!)(صحيح البخاري : 6830) اور [يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ] (اے انصار کی جماعت!)(صحيح البخاري : 4330، صحيح مسلم : 1059) کہہ کربھی یادفرمایا۔

نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو کئی اور ناموں سے بھی پکارا اور یاد فرمایا،لیکن ہم نے خصوصاً مہاجرین اور انصار کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اسلام کے بعض ٹھیکیداروں کو جب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا نام صرف مسلمان رکھا ہے تو تمہارا نام مسعود،حنیف،شمیم وغیرہ

کیوں ہے؟ تو وہ یہ جواب دے کر بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ پابندی صرف مذہبی نام پر ہے،یعنی مسلم کے سوا کوئی مذہبی نام نہیں رکھا جا سکتا،مثلاً اہل سنت اور اہل حدیث وغیرہ مذہبی نام ہیں، یہ نام ناجائز ہیں،ان کی وجہ سے مسلمان مشرک اور فرقہ پرست بن جاتا ہے۔

حالانکہ اہل سنت اور اہل حدیث دونوں اسی طرح کے مذہبی نام ہیں،جس طرح کے مذہبی نام مہاجرین اور انصار ہیں۔مہاجرین کو ہجرت جیسے مذہبی فریضے کی بجا آوری پر مہاجرین کا نام دیا گیا اور ان بے یارومددگار مہاجرین کی نصرت جیسے دینی کارنامے کی بنا پر مدینہ کے مسلمانوں کو انصار کا نام دیا گیا۔جب کسی مذہبی کارنامے کی بنا پر کوئی نام جائز ہے تو قرآن و سنت پر عمل جیسے مذہبی کارنامے کی بنا پر اہل سنت یا اہل حدیث کہلوانا کیونکر شرک و کفر بن گیا؟

اگر اب بھی کسی کی سمجھ میں بات نہیں آئی تو ہم ایک اور طرح سے سمجھائے دیتے ہیں۔اسلام اور مسلمان کوئی نئی اصطلاح نہیں، بلکہ پہلی امتوں میں بھی دین اسلام ہی تھا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 3 : 19)

''بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔''

اسی لیے سیدنا ابراہیم اور سیدنا یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی :

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ 2 : 132)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین (اسلام) پسند کیا ہے،لہٰذا تم نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔''

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے بلقیس اور اس کی رعایا کو خط لکھا تھا :

﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ (النمل 27 : 31)

''میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔''

یعنی پہلے انبیا کا دین بھی اسلام ہی تھا اور پہلی امتوں کو بھی مسلمان ہی ہونے کا حکم تھا، لیکن اس کے باوجود اپنے انبیا کے پیروکار یہودی کہلاتے تھے یا نصرانی،اگر وہ اہل توحید تھے،تو جنت میں جائیں گے،جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرة 2 : 62)

''بلاشبہ جو لوگ (محمد ﷺ پر) ایمان لائے اور جو یہودی،نصرانی اور صابی (آبا و اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین قبول کرنے والے) بنے،ان میں سے جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے،ان کے لیے ان کے ربّ کے ہاں اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا ،نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یعنی یہود و نصاریٰ کہلانے والے مؤمنوں کو بھی جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے پہلے دورِ جاہلیت میں بھی اہل توحید تھے،جنہوں نے بت پرستی چھوڑ کر توحید کو اپنا لیا تھا۔ان کا دین نصرانیت تھا۔مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسے لوگ جنتی ہیں۔ورقہ بن نوفل سے کون واقف نہیں؟یہ انہی لوگوں میں سے تھے۔ذرا ان کا تعارف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ، فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّكْتُبَ .

''ورقہ بن نوفل دورِ جاہلیت میں بت پرستی چھوڑ کر نصرانی ہوئے تھے،وہ عبرانی زبان

لکھنا جانتے تھے، چنانچہ جس قدر انہیں توفیق ملتی عبرانی زبان میں انجیل لکھتے رہتے۔''

(صحيح البخاري : 3، صحيح مسلم : 160)

یعنی موحّد ہونے کے ساتھ ساتھ ورقہ بن نوفل کا مذہب نصرانیت تھا۔

نصرانیت کی وجہ تسمیہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

تُسُمُّوا بِقَرْيَةٍ يُّقَالُ لَهَا نَاصِرَةٌ، كَانَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَنْزِلُهَا .

''ان کا یہ نام ایک بستی [ناصرہ] کی بنا پر پڑا جس میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تشریف لایا کرتے تھے۔''(تفسير الطبري : 2/145، وسندهٗ صحيحٌ)

یعنی پہلی امتوں کو بھی مسلمان ہونے کا حکم تھا اور ان سے بھی صرف دین اسلام ہی کا مطالبہ تھا۔ پہلے انبیا نے اسلام ہی کی دعوت دی اور انبیائے کرام کے پیروکار مسلمان ہی تھے،لیکن مسلمان ہونے کے ساتھ کوئی اہل توحید یہودی یا نصرانی بھی کہلایا،تو اللہ کی جنت کا وارث قرار پایا۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہوتے ہوئے کوئی ایسا دینی، مذہبی، تنظیمی و تحریکی اورمسلکی نام کفر وشرک نہیں ہوتا،جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

اصل بات تو عقیدہ و منہج کی ہے۔اگر عقیدہ و منہج سلامت نہیں،تو لاکھ دفعہ مسلمان کہلائے اور کروڑ دفعہ اسلام کا دعویٰ کرے،نجات ممکن نہیں اور اگر عقیدہ و منہج درست ہے تو مسلمان ہونے کے ساتھ مہاجر کہلائے یا انصاری،اہل سنت کہلائے یا اہل حدیث،نجات سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

نصرانیت ایک مذہبی نام تھا،جو ایک بستی کی بنا پر پڑا تھا۔ جب مسلمان ہوتے ہوئے ایک بستی کی طرف منسوب مذہبی نام ورقہ بن نوفل کی نجات میں رکاوٹ نہیں بن سکا، تو قرآن وسنت کی طرف منسوب نام ہم اہل توحید کے لیے کفر وشرک کیسے بن گیا؟

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی کفریہ وشرکیہ اور باطل عقیدہ و منہج کی طرف نسبت

کرنے کے لیے رکھے جانے والے جماعتی نام اپنے منسوب الیہ عقیدہ ومنہج کی بنا پر ناجائز ہیں،اس لیے نہیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے کوئی دوسرا جماعتی نام نہیں رکھا جا سکتا۔

② اہل حدیث تو محدثین تھے!

اس سلسلے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اہل حدیث صرف محدثین تھے۔ان کے بعد کوئی اہل حدیث نہیں ہوسکتا۔دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ ان کے خیال کے مطابق محدثین کرام کو ماننے والا دنیا میں کوئی رہا ہے نہ ان کے عقیدہ وعمل کو کسی نے سمجھا اور اپنایا ہے اور محدثین کرام سے محبت کرنے والا کوئی دنیا میں تھا، نہ ہے،نیز ان کے منہج کی دعوت دینے والا کوئی تھا،نہ ہے۔اگر خدانخواستہ واقعی ایسا ہو جائے،تو اہل باطل کی دلی مراد پوری ہو جائے، گمراہ فرقوں کو پنپنے کا موقع مل جائے اور دینِ محمد ﷺ کے دشمنوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے۔

حالانکہ کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہندوستان کے شہر دیوبند میں ''دارالعلوم دیوبند'' قائم کرنے والے ہی دیوبندی تھے،ان کے بعد کوئی دیوبندی نہیں ہوسکتا اور ہندوستان کے شہر ''بریلی'' کے باشندے،جناب احمد رضا خان ہی بریلوی تھے،ان کے بعد کوئی بریلوی نہیں ہو سکتا۔اہل حدیث کے بدخواہوں کی طرف سے کبھی یہ سوال نہیں کیا گیا کہ پاکستان اور دیگر ممالک کے باشندے ہندوستان کے شہر دیوبند اور بریلی کی طرف کیسے منسوب ہو گئے؟

جن لوگوں نے دیوبند میں 1866ء کو قائم ہونے والے''دارالعلوم'' کا دیا ہوا طریقہ کار اختیار کیا،وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں اور کسی بھی وقت دیوبندی کہلا سکتے ہیں اور جنہوں نے بریلی کے باشندے جناب احمد رضا خان (1865-1921ء) کا دیا ہوا دین اپنایا،وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں اور کسی بھی وقت بریلوی کہلا سکتے ہیں،تو جن خوش نصیبوں نے اسلام کے دورِ اوّل میں صحابہ کرام سے لے کر تدوین حدیث تک کے،حدیث پڑھنے پڑھانے والے،محدثین کرام کا منہج اختیار کیا، وہ اہل حدیث کیوں نہیں کہلا سکتے؟

دراصل اہل حدیث کی دو قسمیں ہیں؛ ایک قسم ان محدثین کرام پر مشتمل ہے، جنھوں نے حدیث کو روایت کیا، جمع کیا اور اس کے معنیٰ ومفہوم کو بجا طور پر سمجھا۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے، جنھوں نے محدثین کرام کے فہم دین کو لیا، شریعت کے متعلق محدثین کرام کی تعبیرات کو کافی جانا اور ہر دور میں انہی کے عقیدہ ومنہج اور عمل کو اپنایا۔

شیخ الاسلام، تقی الدین، احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَنَحْنُ لَا نَعْنِي بِأَهْلِ الْحَدِيثِ الْمُقْتَصِرِينَ عَلٰى سَمَاعِهٖ، أَوْ كِتَابَتِهٖ، أَوْ رِوَايَتِهٖ، بَلْ نَعْنِي بِهِمْ كَلَّ مَنْ كَانَ أَحَقَّ بِحِفْظِهٖ، وَمَعْرِفَتِهٖ، وَفَهْمِهٖ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا، وَاتِّبَاعِهٖ بَاطِنًا وَّظَاهِرًا، وَكَذٰلِكَ أَهْلُ الْقُرْآنِ، وَأَدْنٰى خَصْلَةٍ فِي هٰؤُلَاءِ مَحَبَّةُ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ، وَالْبَحْثُ عَنْهُمَا وَعَنْ مَّعَانِيهِمَا، وَالْعَمَلُ بِمَا عَلِمُوهُ مِنْ مُّوجِبِهِمَا .

''اہل حدیث سے ہماری مراد صرف وہ لوگ نہیں، جو حدیث سننے، لکھنے یا روایت کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک ہر وہ شخص اہل حدیث ہے، جو حدیث کو یاد کرتا ہو، اس کی معرفت رکھتا ہو، ظاہری و باطنی طور پر حدیث کو سمجھتا اور اس پر عمل کرتا ہو۔ اسی طرح قرآنِ کریم کو یاد کرنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے بھی اہل حدیث ہیں۔ اہل حدیث کی کم سے کم خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے محبت رکھتے ہیں، ان کی نصوص اور معانی کی جستجو میں رہتے ہیں اور ان کی جو تعلیمات معلوم ہو جائیں، ان پر عمل کرتے ہیں۔''

(مجموع الفتاوٰی: 95/4)

یعنی جس طرح قرآن وسنت کو یاد کرنے، سمجھنے اور آگے بیان کرنے والے محدثین کرام اہل حدیث تھے، اسی طرح ان سے قرآن وسنت کو سن کر عمل کرنے والے بھی اہل حدیث ہیں۔

قابل غور بات تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی فقہی خدمات کو یاد کرنے، نقل کرنے اور امام

صاحب کے اقوال میں سے صحیح و غلط کی تمیز کرنے والے ائمہ احناف بھی حنفی تھے اور ان کے بعد میں آنے والے فقہ حنفی کے ایسے اَن پڑھ پیروکار بھی حنفی کہلائے، جن کو فقہ کی تعریف تک نہیں آتی۔ اگر یہ طرزِ عمل درست تھا تو یہ کیسے غلط ہو گیا کہ قرآن و سنت کو یاد کرنے، سمجھنے، نقل کرنے اور صحیح وضعیف احادیث میں تمیز کرنے والے محدثین بھی اہل حدیث ہوں اور بعد میں قیامت تک آنے والے وہ لوگ بھی اپنے آپ کو اہل حدیث کہلائیں جو محدثین سے قرآن و سنت کا علم لے کر اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہوں؟

③ اہل سنت ہونا چاہیے، اہل حدیث نہیں!

بعض لوگ تو ایسے عقل کے دشمن ہیں کہ لقب اہل سنت پر انہیں کوئی اعتراض نہیں، بلکہ وہ اپنے تئیں اہل سنت کہلاتے بھی ہیں، لیکن لقب اہل حدیث سے انہیں خاص قسم کی دشمنی ہے، حالانکہ ان دونوں القاب میں کوئی خاص فرق نہیں، اگر سنت اور حدیث میں فرق کرنے کی کوشش کی جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ حدیث، سنت سے زیادہ جامع لفظ ہے، کیونکہ حدیث کا اطلاق قرآن (الکھف 18 : 6، الزمر 39 : 23، القلم 68 : 44) پر بھی ہوا ہے اور اسوۂ رسول پر بھی، جبکہ سنت کے لفظ کا قرآنِ کریم پر کبھی اطلاق نہیں ہوا، اس کا اطلاق صرف اسوۂ رسول پر ہوتا ہے۔ یوں اہل حدیث کا معنیٰ ہو گا ؛ ایسے لوگ جو قرآن اور اسوۂ رسول کو اپنا دستورِ زندگی سمجھتے ہیں اور اہل سنت کا معنیٰ ہو گا ؛ ایسے لوگ جو اسوۂ رسول کو اپنا ضابطہ حیات قرار دیتے ہیں۔

یہ فرق صرف ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کیا گیا ہے، جو اہل سنت کے نام کو تسلیم کرتے ہیں اور اہل حدیث کے نام سے چڑتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت اور اہل حدیث دونوں ایک ہی گروہ کے دو نام ہیں۔ جب اہل اسلام نے اسلام کے نام لیوا دشمنانِ اسلام روافض سے جداگانہ تشخص اختیار کرنا چاہا تو اپنے آپ کو اتفاقی طور پر اہل

سنت کہا اور جب اہل سنت نے اپنے آپ کو اہل سنت کہنے والے اہل بدعت سے جداگانہ تشخص بنانا چاہا تو اتفاقی طور پر اپنے آپ کو اہل حدیث کہا۔حقیقت میں اہل سنت و اہل حدیث ایک ہی گروہ اور ایک ہی جماعت ہے،جیسا کہ:

امام اندلس،حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ)فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُهُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ لِلْجَارِيَةِ : «أَيْنَ اللّٰهُ ؟» فَعَلٰى ذٰلِكَ جَمَاعَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَهُمْ أَهْلُ الْحَدِيثِ .

''اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لونڈی سے سوال کرنا کہ اللہ کہاں ہے؟(اور اس کا جواب کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے)،اسی کے مطابق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور اہل سنت والجماعت اہل حدیث ہی ہیں۔''(الاستذکار : 337/7)

نیز فرماتے ہیں: وَيَحْتَجُّ بِهِ أَهْلُ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ، وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ .

''اس حدیث سے اہل حدیث و فقہ دلیل لیتے ہیں اور یہی لوگ اہل سنت ہیں۔''

(الاستذکار : 258/8)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (471-561ھ)فرماتے ہیں:

إِنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ لَا اسْمَ لَهُمْ إِلَّا اسْمٌ وَّاحِدٌ، وَهُوَ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ .

''بلاشبہ اہل سنت کا ایک ہی نام ہے اور وہ اہل حدیث ہے۔''

(الغنيّة لطالبي طريق الحقّ :71/1، طبعة دار المعرفة، بيروت)

معلوم ہوا کہ اہل سنت اور اہل حدیث ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں۔محدثین کرام ایک ہی وقت میں اہل سنت اور اہل حدیث کہتے،کہلاتے تھے،آج بھی اہل سنت اپنے آپ کو اہل حدیث کہلائیں تو اس میں آخر مضائقہ کیا ہے؟

اس بات کو مثال سے یوں سمجھیں کہ پاکستان میں رہنے والے سارے لوگ ہی پاکستانی

ہیں، لیکن جب لاہور میں رہنے والا کوئی پاکستانی، پشاور میں رہنے والے پاکستانی سے ملتا ہے تو ایک کی شناخت لاہوری اور دوسرے کی پشاوری ہوتی ہے۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک پاکستانی اپنے آپ کو لاہوری تو کہہ سکتا ہے، پشاوری نہیں کہہ سکتا؟ جب یہ درست نہیں تو یہ کہنا کیسے مناسب ہے کہ مسلمان روافض کے مقابلے میں اہل سنت کہلا سکتے ہیں، لیکن اہل بدعت کے مقابلے میں اہل حدیث نہیں کہلا سکتے؟

ہاں، اگر کوئی شخص یا گروہ اہل سنت و اہل حدیث کے منہج وعمل کا مخالف ہے، تو اسے بجا طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ اہل سنت و اہل حدیث کے منہج کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے آپ کو اہل سنت یا اہل حدیث کیوں کہہ رہے ہیں؟

❁ اصلی اہل سنت کون؟

اصطلاحِ اہل سنت کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے؛ ایک عام اور دوسرے خاص۔عام اطلاق شیعہ کے مقابلے میں ہوتا ہے، یعنی شیعہ کے علاوہ ہر وہ فرقہ جو اسلام کی طرف منسوب ہو، اہل سنت کہلاتا ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَلَفْظُ أَهْلِ السُّنَّةِ يُرَادُ بِهِ مَنْ أَثْبَتَ خِلَافَةَ الْخُلَفَاءِ الثَّلَاثَةِ، فَيَدْخُلُ فِي ذٰلِكَ جَمِيعُ الطَّوَائِفِ إِلَّا الرَّافِضَةَ .

''لفظِ اہل سنت سے مراد وہ لوگ ہیں، جو خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم) کی خلافت کو حق سمجھتے ہیں۔اس میں سوائے روافض کے تمام اسلامی گروہ شامل ہیں۔''

(منهاج السنة النبويّة في نقض كلام الشيعة القدريّة : 221/2)

جبکہ اہل سنت کا خاص اطلاق تمام اہل بدعت و ضلالت، مثلاً شیعہ، خوارج، جہمیہ، معتزلہ، مرجیہ، اشاعرہ وغیرہ کے مقابلے میں ہوتا ہے اور اس خاص اطلاق کے مطابق اہل سنت سے مراد صرف وہ فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہے، جو ہر قسم کی گمراہی سے پاک ہے اور جسے محدثین

کرام کے بقول اہل حدیث کہا جاتا ہے،جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

وَقَدْ يُرَادُ بِهٖ أَهْلُ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ الْمَحْضَةِ، فَلَا يَدْخُلُ فِيهِ إِلَّا مَنْ يُّثْبِتُ الصِّفَاتِ لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَيَقُولُ: إِنَّ الْقُرْآنَ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُرٰى فِي الْآخِرَةِ، وَيُثْبِتُ الْقَدْرَ، وَغَيْرَ ذٰلِكَ مِنَ الْأُصُولِ الْمَعْرُوفَةِ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ.

''کبھی لفظِ اہل سنت سے مراد اہل حدیث ہوتے ہیں،جو اصلی اہل سنت ہیں۔ایسی صورت میں اہل سنت میں صرف وہ لوگ شامل ہوں گے،جو تمام صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم مخلوق نہیں،اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (مؤمنوں کو)اپنا دیدار کرائے گا،نیز وہ تقدیر اور اہل حدیث و اہل سنت کے ہاں معروف دیگر اصولِ دین پر ایمان لاتے ہوں۔''(منهاج السنّة النبويّة: 221/2)

اس بنا پر اہل سنت کا لقب اپنانا اہل حدیث کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔احناف مقلدین عقائد کے باب میں صرف سات صفاتِ باری تعالیٰ (سمع،بصر،علم،کلام،قدرت، ارادہ،حیات) کا اثبات کرتے ہیں،باقی سب میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف تاویل کرتے ہیں،جبکہ اہل حدیث ہر دور میں اللہ رب العزت کی تمام صفات کو بغیر تمثیل و تکییف اور تحریف و تاویل کے تسلیم کرتے رہے ہیں۔اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت کر دی ہے یا اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہمیں بتا دی ہے،وہ جیسے اللہ تعالیٰ کے لائق و مناسب ہے اور جیسے اس کے شایانِ شان ہے،اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جو لوگ عقیدۂ توحید،یعنی اسماء و صفات میں سلف صالحین کے مخالف ہوں،کیا وہ حقیقی سنی ہو سکتے ہیں اور کیا ان کے لیے اہل سنت کہلانا

روا ہے؟الحمد للہ! ہم اہل حدیث،سلف صالحین کے منہج وعقیدہ سے سرِ مُو بھی منحرف نہیں۔جو لوگ سلف کے عقیدے کے مخالف ہوں،ہم ان کے مخالف ہیں۔اہل حدیث دراصل سلف صالحین ومحدثین کرام کی یادگار ہیں اور سلف جن کو اہل بدعت اور اہل کلام کہہ کر پکارتے تھے،ان میں سے اکثر گروہ آج اہل سنت ہونے کے دعویدار ہیں۔جو لوگ ہر دور میں محدثین کرام کے دشمن اور مخالف رہے ہیں،ان کو اہل سنت کہلوانے کا کیا حق ہے؟

اہل سنت والجماعت سے مراد وہ جماعت ہے جو سلف صالحین کے منہج وعقیدہ کی پابند ہو اور ان کے اجماع کو شرعی حجت مانتی ہو۔اہل بدعت وتقلید کبھی ائمہ سلف کے عقیدہ ومنہج پر کاربند نہیں ہو سکتے،نہ ہی وہ ان کے اجماع کو شرعی حجت تسلیم کر سکتے ہیں۔ایسے اہل بدعت وضلالت کو ہرگز ہرگز اہل سنت والجماعت کا لیبل استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ يُخْبِرُ عَنْ هٰذِهِ الْفِرَقِ بِحُكْمِ الظَّنِّ وَالْهَوٰى، فَيَجْعَلُ طَائِفَتَهٗ وَالْمُنْتَسِبَةَ إِلٰى مَتْبُوعِهِ الْمُوَالِيَةَ لَهٗ هُمْ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَيَجْعَلُ مَنْ خَالَفَهَا أَهْلَ الْبِدَعِ، وَهٰذَا ضَلَالٌ مُّبِينٌ، فَإِنَّ أَهْلَ الْحَقِّ وَالسُّنَّةِ لَا يَكُونُ مَتْبُوعُهُمْ إِلَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي لَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى، فَهُوَ الَّذِي يَجِبُ تَصْدِيقُهٗ فِي كُلِّ مَا أَخْبَرَ، وَطَاعَتُهٗ فِي كُلِّ مَا أَمَرَ، وَلَيْسَتْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْأَئِمَّةِ، بَلْ كُلُّ أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَيُتْرَكُ، إِلَّا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ جَعَلَ شَخْصًا مِّنَ الْأَشْخَاصِ غَيْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛

مَنْ أَحَبَّهُ وَوَافَقَهُ كَانَ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَمَنْ خَالَفَهُ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالْفُرْقَةِ ــ كَمَا يُوجَدُ ذٰلِكَ فِي الطَّوَائِفِ مِنْ أَتْبَاعِ أَئِمَّةٍ فِي الْكَلَامِ فِي الدِّينِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ ــ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ وَالضَّلَالِ وَالتَّفَرُّقِ، وَبِهٰذَا يَتَبَيَّنُ أَنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِأَنْ تَكُونَ هِيَ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ أَهْلُ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ؛ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ مَّتْبُوعٌ يَّتَعَصَّبُونَ لَهُ إِلَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُمْ أَعْلَمُ النَّاسِ بِأَقْوَالِهِ وَأَحْوَالِهِ، وَأَعْظَمُهُمْ تَمْيِيزًا بَيْنَ صَحِيحِهَا وَسَقِيمِهَا، وَأَئِمَّتُهُمْ فُقَهَاءُ فِيهَا وَأَهْلُ مَعْرِفَةٍ بِمَعَانِيهَا، وَاتِّبَاعًا لَّهَا تَصْدِيقًا وَّعَمَلًا وَحُبًّا، وَّمُوَالَاةً لِّمَنْ وَّالَاهَا وَمُعَادَاةً لِّمَنْ عَادَاهَا، الَّذِينَ يَرُدُّونَ الْمَقَالَاتِ الْمُجْمَلَةَ إِلٰى مَا جَاءَ بِهٖ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ، فَلَا يَنْصِبُونَ مَقَالَةً وَّيَجْعَلُونَهَا مِنْ أُصُولِ دِينِهِمْ وَجُمَلِ كَلَامِهِمْ إِنْ لَّمْ تَكُنْ ثَابِتَةً فِيمَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ بَلْ يَجْعَلُونَ مَا بُعِثَ بِهِ الرَّسُولُ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ، هُوَ الْأَصْلَ الَّذِي يَعْتَقِدُونَهُ وَيَعْتَمِدُونَهُ، وَمَا تَنَازَعَ فِيهِ النَّاسُ مِنْ مَّسَائِلِ الصِّفَاتِ وَالْقَدَرِ وَالْوَعِيدِ وَالْأَسْمَاءِ وَالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ يَرُدُّونَهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ، وَيُفَسِّرُونَ الْأَلْفَاظَ الْمُجْمَلَةَ الَّتِي تَنَازَعَ فِيهَا أَهْلُ التَّفَرُّقِ وَالِاخْتِلَافِ، فَمَا كَانَ مِنْ مَّعَانِيهَا مُوَافِقًا لِّلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَثْبَتُوهُ، وَمَا كَانَ مِنْهَا مُخَالِفًا لِّلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَبْطَلُوهُ، وَلَا يَتَّبِعُونَ الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ، فَإِنَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ جَهْلٌ، وَاتِّبَاعُ هَوَى النَّفْسِ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ظُلْمٌ، وَجِمَاعُ الشَّرِّ الْجَهْلُ وَالظُّلْمُ.

''ان گمراہ فرقوں کے بارے میں بہت سے لوگ اپنے ظن وتخمین اور ہوائے نفس سے حکم لگاتے ہیں،چنانچہ اپنے گروہ اور اس کے پیروکاروں کو اہل سنت والجماعت قرار دیتے ہیں،جبکہ مخالفین کو گمراہ،اہل بدعت و اہل تفرقہ کہتے ہیں۔یہ بہت واضح گمراہی ہے۔اہل حق ،یعنی اہل سنت صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں،جو اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے تھے،آپ کا قول وحیِ الٰہی پر مبنی ہوتا تھا۔آپ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں،جن کی ہر خبر کی تصدیق اور جن کے ہر حکم کی تعمیل ضروری ہے۔آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی امام کی یہ شان نہیں۔رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر شخص کی بات (قرآن وسنت کے موافق ہونے کی صورت میں) لی بھی جا سکتی ہے اور (قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی بنا پر) چھوڑی بھی جا سکتی ہے۔جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص کو (پیروی کے لیے) معین کر لیتے ہیں،پھر جو اس سے محبت کرے اور اس کی موافقت کرے،اسے اہل سنت والجماعت کہتے ہیں،جبکہ اس کے مخالفین کو اہل بدعت قرار دیتے ہیں،ایسے لوگ خود بدعتی اور گمراہ ہیں۔علم کلام وغیرہ میں بعض ائمہ کے پیروکار گروہ ایسی کارروائیوں میں ملوث ہیں۔اس بحث سے معلوم ہوا کہ فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ مستحق اہل حدیث واہل سنت ہیں۔یہ ایسے لوگ ہیں،جن کے اکلوتے پیشوا و مقتدا رسول اللہ ﷺ ہیں۔یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اقوال واحوال کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں،انہی لوگوں کو صحیح اور ضعیف احادیث کی سب سے بڑھ کر معرفت ہے۔اہل حدیث کے ائمہ کرام ہی حدیث میں فقاہت رکھتے ہیں اور اس کے معانی کی حقیقی پہچان کے حامل ہیں۔تصدیق،عمل اور محبت میں یہی لوگ حقیقی طور پر حدیث کی پیروی کرتے ہیں۔جو لوگ حدیثِ رسول کے محبّ ہیں،اہل حدیث ان سے محبت کرتے ہیں اور جو لوگ حدیثِ رسول سے عداوت رکھتے ہیں،اہل حدیث ان کے دشمن ہیں۔اہل حدیث مجمل باتوں (جن میں ایک سے زائد احتمالات ہوں،

ان)کو کتاب وسنت کی نصوص پر پیش کرتے ہیں۔کوئی بات اگر تعلیماتِ نبوی سے ثابت نہ ہوتو یہ لوگ اسے اپنے دین کا اصول اور اپنا تکیہ کلام نہیں بناتے، بلکہ اپنے اعتقاد و اعتماد کا مرکز ومحور صرف کتاب و سنت کو بناتے ہیں۔صفاتِ باری تعالیٰ،تقدیر،وعید،اسماءِ باری تعالیٰ،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کے ایسے معاملات جن میں اختلاف ہوگیا ہے،وہ انہیں اللہ ورسول (قرآن وسنت) کی طرف لوٹاتے ہیں۔اسی طرح وہ مجمل الفاظ جن کے استعمال میں اہل بدعت اختلاف ہوگیا ہو،ان کی توضیح وتشریح کرتے ہیں؛ان میں سے جن الفاظ کے معانی کتاب وسنت کے موافق ہوں، ان کا اثبات کرتے ہیں اور جن الفاظ کے معانی کتاب وسنت سے متصادم ہوں،ان کو باطل قرار دیتے ہیں۔ وہ(کسی دینی معاملے) میں ظن وتخمین اور ہوائے نفس کے پیروکار نہیں بنتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظن وتخمین کی پیروی جہالت ہے،جبکہ ہوائے نفس کی پیروی ظلم ہے اور یہی جہالت وظلم ہر برائی کی جڑ ہے۔(مجموع الفتاوٰی: 3/346-348)

❁❁ کیا لفظِ اہل حدیث دعوت میں رکاوٹ ہے؟

بعض لوگ اہل حدیث نام کو درست اور حق تسلیم کرتے ہیں،لیکن ان کی یہ خام خیالی ہے کہ لوگ ''اہل حدیث'' نام سے دُور بھاگتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ دعوت دینے کے لیے یہ کہنا چاہیے کہ ہم قرآن وسنت کے پیروکار ہیں،لفظِ اہل حدیث استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

ہمارے خیال میں ایسے لوگ دراصل محدثین کرام اور سلف صالحین سے معارضہ کرتے ہیں۔محدثین کرام جو سب سے بڑھ کر علم وحکمت اور ورع وتقویٰ کے حامل تھے،وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے تھے۔اس کے باوجود ان کے دَور میں حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوا اور دین اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔محدثین کرام کے نزدیک اہل حق کا لقب اہل

حدیث تھا۔اس وقت بھی لوگ اس نام سے چڑتے تھے۔اہل حدیث کو بُری نظر سے دیکھنا ہر دور کے اہل بدعت کا شیوا رہا ہے۔پھر بھی محدثین کرام اپنے آپ کو اجماعی و اتفاقی طور پر اہل حدیث ہی کہتے اور کہلاتے تھے۔

رہی بات لوگوں کے دُور بھاگنے کی،تو جو لوگ اپنے آپ کو مصلحت کی خاطر صرف مسلمان کہتے ہیں،بہت سے لوگ ان سے بھی نفرت کرتے ہیں،ان کو بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے،ان کی دعوت میں بھی رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں۔ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ ایسے لوگوں کو کافر،بے دین اور زہریلا سانپ تک کہا جاتا ہے،نیز ان کی مجلسوں میں شریک ہونے سے لوگوں کو روکا جاتا ہے۔

❁❁❁ اہل حدیث نام کی ضرورت و اہمیت :

اہل حدیث نام سے اہل حق اور اہل باطل ممتاز ہوتے ہیں۔یہ نام اس بات کا غماز اور عکاس ہے کہ یہ شخص قرآن و حدیث کو صحابہ کرام اور محدثین عظام کے منہج وفہم کے مطابق سمجھنے والا ہے،انہی کے عقیدہ وعمل کو اپنانے والا ہے،جبکہ اہل الرائے و اہل التقلید سے بری ہے اور سلف صالحین کا ساتھی ہے،نہ کہ مقلدین و متکلمین کا۔اس نام کے بغیر حق کی تلاش و پہچان ناممکن ہے،کیونکہ ہر گمراہ فرقہ بھی قرآن وسنت کا دعویٰ کرتا ہے،لیکن اپنے آپ کو اہل حدیث صرف اہل حق ہی کہتے ہیں۔اس نام کے بغیر حق پر قائم رہنا بھی محال ہے،کیونکہ جو اپنے آپ کو اہل حدیث نہیں کہتا،وہ سلف صالحین اور محدثین کرام کے منہج وفہمِ دین کا پابند نہیں رہتا۔

اہل حدیث نام اہل حق کے لیے ثبات و یقین کا باعث ہے،کیونکہ محدثین عظام اور سلف صالحین کے اہل حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں،وہ نام اور منہج وعمل ہر اعتبار سے اہل

حدیث تھے۔اگر وہ اہل حق ہیں اور یقیناً اہل حق ہیں،تو ان کے پیروکاروں کے اہل حق ہونے میں شبہ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سلف صالحین تو حق پر ہوں لیکن ان کے ماننے والے اور ان کے منہج وفہم پر عمل کرنے والے حق پر نہ ہوں؟ اگر سلف صالحین کے پیروکار حق پر نہیں تو اس کا سیدھا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں کوئی بھی حق پر نہیں، کیونکہ سلف کے مخالفین قطعاً حق پر نہیں ہو سکتے۔

اہل حدیث نام ہی وحدتِ امت کا واحد معتبر ذریعہ ہے،اس کے بغیر امت حق پر مجتمع نہیں ہوسکتی، کیونکہ بقولِ محدثین فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ کا نام اہل حدیث ہی تو ہے۔لقبِ اہل حدیث میں دینِ اسلام کی منقبت ہے اور یہی غلبۂ حق کی علامت ہے، کیونکہ اس نام کے ذریعے ائمہ ہدیٰ سے رشتہ استوار ہوتا ہے۔اس سے ایوانِ ظلم وکفر میں بھونچال آتا ہے اور اسی کی وجہ سے اہل حق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے،جبکہ اہل باطل کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

جو شخص سلف صالحین کے اجماع کو حق مانتا ہے،وہ اپنا نام اہل حدیث رکھ کر یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ محدثین کرام کے اجماع کو حجت سمجھتا ہے۔اسی لیے ہر دور میں اہل حق اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے تھے اور لوگ انہیں اہل حدیث نام ہی سے پہچانتے تھے۔اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ باطل پرستوں نے اپنے آپ کو اہل حدیث کہا ہو۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ اہل حدیث نام کا انکار کرتے ہوئے اسے علم وحکمت کے منافی اور تکلفِ محض قرار دیتے ہیں،وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ علم وحکمت میں محدثین کرام سے فائق ہیں۔ان کی ایسی باتیں سراسر محدثین کرام کی گستاخی پر مبنی ہیں۔

اہل حدیث کے دلوں میں بشاشت و اطمینان اور چہروں پر رونق ہوتی ہے۔ان میں اختلاف شاذ و نادر ہوتا ہے۔اگر ان میں تھوڑا بہت اختلاف ہو بھی تو وہ عقیدے و منہج کا

نہیں، بلکہ فروعی ہوتا ہے، جو کہ صحابہ کرام کے دور میں بھی موجود تھا۔جو لوگ اہل حدیث کہلانا ضروری نہیں سمجھتے، وہ ہمیشہ بے یقینی کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں۔ایسے لوگ عموماً کسی جاہل اور ظالم شخص کو اپنا بڑا سمجھ بیٹھتے ہیں اور اس کے مرنے کے بعد تتر بتر ہو جاتے ہیں اور شدید اختلافات میں مبتلا ہو کر گمراہ کن نظریات اپنا لیتے ہیں۔یوں ایسے لوگ حق سے کوسوں دور ہو جاتے ہیں۔اہل حدیث نام ہی سلف کے عقیدے اور منہج پر قائم رکھتا ہے۔ اس طرح اہل حدیث ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔سلف صالحین کا فہم و منہج راہِ حق پر چلانے کا ضامن ہے۔

بعض لوگ یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ اہل حدیث نام نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ اس سے فرقہ بندی کو ہوا ملتی ہے، جبکہ دوسری طرف وہ خود اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت، جو اہل حدیث ہی کا دوسرا نام ہے، کہتے ہیں۔وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ سلف صالحین اور ائمہ دین کا اجماعی لقب اہل حدیث تھا۔ان کا یہ اعتراض براہِ راست سلف صالحین پر ہے۔سلف پر اعتراض کرنے والا کبھی بامراد نہیں ہو سکتا۔دوسری بات یہ ہے کہ اہل حدیث یا اہل سنت والجماعت کا لقب اختیار کرنے سے فرقہ بندی کو ہوا کیسے ملتی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نعوذ باللہ محدثین عظام اور ائمہ سلف بے خبری میں فرقہ بندی میں مبتلا تھے۔حقیقت یہ ہے کہ محدثین فرقہ ضرور تھے، لیکن فِرقہ ناجیہ تھے، فُرقہ (حق اور دین اسلام سے علیحدگی اختیار کرنے والے) نہیں تھے۔اہل بدعت نے سلف صالحین کے مقابلے میں عقائد و اصول وضع کیے اور اپنی اس فرقہ پرستی پر لیبل اہل سنت والجماعت کا لگا لیا، اس وجہ سے کیا سلف صالحین کے پیروکاروں کا اپنے آپ کو اہل سنت کہلانا ناجائز ہو جائے گا؟

ہمارے نزدیک محض گمراہ لوگوں کی باتوں میں آ کر سلف صالحین، جو ہمارے مقتدا ہیں،

کا نام ترک کر دینا کوئی جرأت مندانہ اقدام نہیں۔ جو شخص اپنا تشخص برقرار نہ رکھ سکے، وہ بزدل اور نالائق ہوتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو تو مسلمان بھی نہیں کہلانا چاہیے، کیونکہ مسلمان نام پر بھی بعض کفار معترض ہوتے ہیں، جو اتحاد بین المذاہب کا درس دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ خود کو مسلمان اور ہمیں کافر کہتے ہیں۔

اہل حدیث نام قرآن و حدیث کے خلاف نہیں، ورنہ سلف کبھی اپنا نام اہل حدیث نہ رکھتے، کیونکہ وہ بعد والوں سے بڑھ کر قرآن و حدیث کا علم رکھتے تھے۔ ان کے بعد ہر دور میں ان کے پیروکار اپنا یہی نام پکارتے تھے، جیسا کہ:

امام، قوام السنہ، اسماعیل بن محمد اصفہانی (457-535ھ) فرماتے ہیں:

وَالْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَأَصْحَابُ الْحَدِيثِ، وَهُوَ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ. ''فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت، اہل حدیث ہیں اور یہی لوگ سوادِ اعظم ہیں۔'' (الحجّة في بيان المحجّة: 409/2)

شیخ الاسلام، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِأَنْ تَكُونَ الْفِرْقَةَ النَّاجِيَةَ أَهْلُ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ.

''فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ حق دار اہل حدیث و اہل سنت ہیں۔''

(مجموع الفتاویٰ: 347/3)

ہر گمراہ فرقے کی یہ کوشش رہتی ہے کہ محدثین کرام اور سلف صالحین سے لوگوں کا محبت و عقیدت کا رشتہ و ناطہ ٹوٹ جائے۔ وہ اس کوشش میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اہل حدیث نام نہ رکھا جائے۔ یوں سادہ لوح لوگوں کو بآسانی شکار کر کے اپنی خواہشات کا پیروکار بنا لیتے ہیں۔ جو لوگ اہل حدیث نام کو ناپسند کرتے ہیں اور اسے فرقہ

واریت کے معنیٰ میں لیتے ہیں،فطری طور پر ان کے دلوں میں اہل حدیث کے بارے میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سراسر ہلاکت و بربادی ہے۔

❁❁❁❁ اہل حدیث سے عداوت اور ان پر بہتان طرازی!

بعض لوگ اہل حدیث کو بدنام کرنے کی کوشش میں جھوٹے عقائد و اعمال ان کی طرف منسوب کرتے ہیں،غلط اور قبیح باتیں ان کے نام لگاتے ہیں یا اہل حدیث جن چیزوں سے بَری ہیں،وہ ان پر تھوپ دیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ڈر جانا چاہیے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (الأحزاب 33 : 58)

''وہ لوگ جو مؤمن مردوں اور عورتوں کو کسی جرم کے بغیر تکلیف دیتے ہیں،وہ بہتان اور صریح گناہ (کا بوجھ اپنے کندھوں پر) اٹھاتے ہیں۔''

مؤمنوں کی طرف یوں غلط باتیں منسوب کرنا کافروں اور رافضیوں کا شیوا ہے،جیسا کہ سنی امام،حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَهٰذَا هُوَ الْبُهْتُ الْكَبِيرُ أَنْ يُّحْكٰى أَوْ يُنْقَلَ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مَا لَمْ يَفْعَلُوهُ عَلٰى سَبِيلِ الْعَيْبِ وَالتَّنَقُّصِ لَهُمْ، وَمِنْ أَكْثَرِ مَنْ يَّدْخُلُ فِي هٰذَا الْوَعِيدِ الْكَفَرَةُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ، ثُمَّ الرَّافِضَةُ الَّذِينَ يَتَنَقَّصُونَ الصَّحَابَةَ ، وَيَعِيبُونَهُمْ بِمَا قَدْ بَرَّأَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ، وَيَصِفُونَهُمْ بِنَقِيضِ مَا أَخْبَرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَخْبَرَ أَنَّهٗ قَدْ رَضِيَ عَنِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَمَدَحَهُمْ، وَهٰؤُلَاءِ الْجَهَلَةُ الْأَغْبِيَاءُ يَسُبُّونَهُمْ وَيَتَنَقَّصُونَهُمْ، وَيَذْكُرُونَ

عَنْهُمْ مَّا لَمْ يَكُنْ وَلَا فَعَلُوهُ أَبَدًا، فَهُمْ فِي الْحَقِيقَةِ مَنْكُوسُو الْقُلُوبِ، يَذُمُّونَ الْمَمْدُوحِينَ وَيَمْدَحُونَ الْمَذْمُومِينَ .

''یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ مؤمنوں کی عیب جوئی اور تنقیص کے لیے ان کے بارے میں ایسی بات بیان یا نقل کی جائے جس کا انہوں نے ارتکاب نہ کیا ہو۔سب سے بڑھ کر یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔کافروں کے بعد اس کام میں رافضیوں کا نمبر ہے، جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص کرتے ہیں اور ان پر ایسی عیب جوئی کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بَری فرما دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ ان کے بارے میں اس کے برعکس بیان کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار سے راضی ہو گیا ہے اور اللہ نے ان کی تعریف بھی فرمائی ہے، لیکن یہ جاہل اور بے وقوف لوگ ان کو بُرا بھلا کہتے ہیں، ان کی گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ایسی باتیں بیان کرتے ہیں، جو کبھی معرضِ وجود میں آئی ہی نہیں اور جن کا ارتکاب انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں۔درحقیقت ان لوگوں کی عقل و شعور اُلٹ ہو گئی ہے، اسی لیے یہ ممدوح لوگوں کی مذمت اور مذموم لوگوں کی مدح میں مصروف ہیں۔''

(تفسير ابن كثير :1/480-481، بتحقيق سلامة)

قیامت کے دن خسارہ پانے والے لوگ جہنم سے نکلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکاریں گے، تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا :

﴿قَالَ اخْسَئُوْا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۞ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۞ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ۞

﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ (المؤمنون 23 : 108-111)

''اسی میں ذلیل وخوار ہوتے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ بلاشبہ میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، ہمیں معاف فرما دے، ہمارے حال پر رحم فرما اور تُو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ تم نے انہیں مذاق بنا لیا تھا، یہاں تک کہ انہوں (ان سے بغض) نے تمہیں میرا ذکر بھلا دیا اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ ان کو میں نے ان کے صبر کی بنا پر آج یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ قَالَ تَعَالٰى مُذَكِّرًا لَّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فِي الدُّنْيَا، وَمَا كَانُوا يَسْتَهْزِئُونَ بِعِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوْلِيَائِهِ، فَقَالَ : ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ❁ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ أَيْ فَسَخِرْتُمْ مِّنْهُمْ فِي دُعَائِهِمْ إِيَّايَ وَتَضَرُّعِهِمْ إِلَيَّ، ﴿حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ﴾، أَيْ حَمَلَكُمْ بُغْضُهُمْ عَلٰى أَنْ نَّسِيتُمْ مُّعَامَلَتِي، ﴿وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴾، أَيْ مِنْ صَنِيعِهِمْ وَعِبَادَتِهِمْ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ❁ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ (المطففين 83 : 29، 30)، أَيْ يَلْمُزُونَهُمُ اسْتِهْزَاءً، ثُمَّ أَخْبَرَ عَمَّا جَازٰى بِهِ أَوْلِيَائَهٗ وَعِبَادَهُ الصَّالِحِينَ، فَقَالَ : ﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا﴾، أَيْ عَلٰى أَذَاكُمْ لَهُمْ وَاسْتِهْزَائِكُمْ مِّنْهُمْ، ﴿اَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾، أَيْ جَعَلْتُهُمْ هُمُ الْفَائِزِينَ بِالسَّعَادَةِ وَالسَّلَامَةِ

وَالْجَنَّةِ، النَّاجِينَ مِنَ النَّارِ.

''پھر اللہ تعالیٰ نے ان (مجرموں) کو ان کے دنیاوی گناہ اور اپنے مؤمن بندوں اور اولیاء سے مذاق یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ میرے بندوں کا ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے،ہمیں معاف فرما دے،ہمارے حال پر رحم فرما،تُو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے،تُم نے ان لوگوں کو مذاق بنا لیا تھا۔یعنی ان کے مجھے پکارنے اور میری طرف گریہ وزاری کرنے کوتم نے مذاق کا ذریعہ بنا لیا تھا۔پھر یہ ہوا کہ ان سے بغض رکھنے کی وجہ سے تمہیں میرا معاملہ بالکل بھول گیا اورتم بس ان کی عبادت کا تمسخر اڑانے میں مگن رہنے لگے۔ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ❊ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ (المطففين 83 : 29، 30)(مجرم لوگ ایمان والوں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو مذاق میں ان کی عیب جوئی کرتے تھے)۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو دی جانے والی جزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری تکلیفوں اور مذاق پر صبر کی بنا پر میں نے آج ان کو یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔میں نے ان کو سعادت،سلامتی اور جنت سے ہمکنار کرتے ہوئے جہنم سے بچا لیا۔''

(تفسیر ابن کثیر : 499/5، بتحقیق سلامة)

معلوم ہوا کہ اہل حدیث کی عیب جوئی کرنا،ان کے بُرے القابات بنانا،ان کے عقائد و اعمال کا تمسخر اُڑا کر ان کو اذیت و دُکھ پہنچانا اور ان کی تضحیک وتحقیر مجرمانہ کارروائی ہے۔ ایسے لوگوں کو اہل حق مؤمنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہیے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الروم 30 : 47)

''مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارے اوپر لازم ہے۔''

امام، ابوبکر، عبد اللہ بن سلیمان، ابن ابو داؤد رحمہ اللہ (230-316ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا تَكُ مِنْ قَوْمٍ تَلَهَّــــوْا بِدِينِهِمْ
فَتَطْعَنَ فِيْ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَتَقْدَحُ

''(اے مسلمان!) تُو اہل حدیث پر طعن و تشنیع کر کے ان لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کے ساتھ کھیل تماشا کیا۔''(الشريعة للآجري: 2562/5، بتحقيق الدميجي)

امام، ابوجعفر، احمد بن سنان، واسطی رحمہ اللہ (م: 259ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مُبْتَدِعٌ إِلَّا وَهُوَ يُبْغِضُ أَهْلَ الْحَدِيثِ، فَإِذَا ابْتَدَعَ الرَّجُلُ نُزِعَ حَلَاوَةُ الْحَدِيثِ مِنْ قَلْبِهِ .

''دنیا میں کوئی بدعتی ایسا نہیں، جو اہل حدیث سے بغض نہ رکھتا ہو۔ جب کوئی بندہ بدعتی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے حدیث کی حلاوت کھینچ لیتا ہے۔''

(شرف أصحاب الحديث للخطيب، ص: 73، معرفة علوم الحديث للحاكم، ص: 40، وسندهٗ صحيحٌ)

حکم بن ابوفتیلہ نامی شخص کے پاس اہل حدیث کا ذکر ہوا تو وہ بکنے لگا:

أَصْحَابُ الْحَدِيثِ قَوْمُ سَوءٍ .

''اہل حدیث بُرے لوگ ہیں۔''

ابن ابوفتیلہ کی یہ جسارت امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) سے ذکر کی گئی تو بھلا کیا ہوا؟ ثقہ امام محمد بن اسماعیل ترمذی رحمہ اللہ کا بیان سنیں:

فَقَامَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ، وَهُوَ يَنْفُضُ ثَوْبَهٗ، فَقَالَ: زِنْدِيقٌ، زِنْدِيقٌ، زِنْدِيقٌ .

''آپ رحمہ اللہ اپنے کپڑے کو جھاڑتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: یہ بے دین شخص ہے، یہ بے دین شخص ہے، یہ بے دین شخص ہے۔''

(معرفة علوم الحديث للحاكم، ص: 4، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ، ابوعبداللہ، حاکم، نیشاپوری، المعروف بہ ابن البیّع رحمہ اللہ (321-405ھ) فرماتے ہیں:

وَعَلٰی هٰذَا عَهِدْنَا فِي أَسْفَارِنَا وَأَوْطَانِنَا كُلَّ مَنْ يُّنْسَبُ إِلٰى نَوْعٍ مِّنَ الْإِلْحَادِ وَالْبِدَعِ، لَا يَنْظُرُ إِلَى الطَّائِفَةِ الْمَنْصُورَةِ إِلَّا بِعَيْنِ الْحَقَارَةِ، وَيُسَمِّيهَا الْحَشْوِيَّةَ . ''ہم نے اپنے سفر وحضر میں ہر گمراہ و بدعتی شخص کو اسی طرح طائفہ منصورہ کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے پایا ہے۔یہ لوگ طائفہ منصورہ کا نام حشویہ (ایک گمراہ فرقے کا نام) رکھتے ہیں۔''(معرفة علوم الحديث، ص : 4)

نیز موصوف خود اہل حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَأَهْلُ السُّنَّةِ قَاطِبَةً إِخْوَانُهُمْ، وَأَهْلُ الْإِلْحَادِ وَالْبِدَعِ بِأَسْرِهَا أَعْدَائُهُمْ .

''اہل سنت سارے کے سارے ان کے بھائی ہیں، جبکہ گمراہ و بدعتی تمام کے تمام ان کے دشمن ہیں۔''(معرفة علوم الحديث، ص : 3)

امام، ابومحمد، عبداللہ بن مسلم، ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ (213-276ھ) فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ يَدْفَعُ أَصْحَابَ الْحَدِيثِ عَنْ ذٰلِكَ إِلَّا ظَالِمٌ، لِأَنَّهُمْ لَا يَرُدُّونَ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِ الدِّينِ، إِلَى اسْتِحْسَانٍ، وَلَا إِلٰى قِيَاسٍ وَّنَظَرٍ، وَلَا إِلٰى كُتُبِ الْفَلَاسِفَةِ الْمُتَقَدِّمِينَ، وَلَا إِلٰى أَصْحَابِ الْكَلَامِ الْمُتَأَخِّرِينَ .

''اہل حدیث کے اہل حق ہونے کا انکار کوئی ظالم شخص ہی کر سکتا ہے، کیونکہ اہل حدیث کسی بھی دینی معاملے کو (نصوصِ شرعیہ کی موجودگی میں) استحسان، قیاس یا رائے کی طرف نہیں لے کر جاتے، نہ وہ دینی معاملات میں متقدمین فلاسفہ اور متاخرین اہل کلام کی کتب سے رجوع کرتے ہیں۔''

(تأويل مختلف الحديث في الردّ على أعداء أهل الحديث، ص : 83)

علامہ،ابومحمد،حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی رحمہ اللہ (م:360ھ)فرماتے ہیں:

اعْتَرَضَتْ طَائِفَةٌ مِّمَّنْ يَّشْنَأُ الْحَدِيثَ وَيُبْغِضُ أَهْلَهُ، فَقَالُوا بِتَنَقُّصِ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ وَالْإِزْرَاءِ بِهِمْ، وَأَسْرَفُوا فِي ذَمِّهِمْ وَالتَّقَوُّلِ عَلَيْهِمْ، وَقَدْ شَرَّفَ اللّٰهُ الْحَدِيثَ وَفَضَّلَ أَهْلَهُ، وَأَعْلَى مَنْزِلَتَهُ، وَحَكَّمَهُ عَلٰى كُلِّ نِحْلَةٍ، وَقَدَّمَهُ عَلٰى كُلِّ عَلْمٍ، وَرَفَعَ مِنْ ذِكْرِ مَنْ حَمَلَهُ وَعُنِيَ بِهٖ، فَهُمْ بَيْضَةُ الدِّينِ وَمَنَارُ الْحُجَّةِ.

''ایک گروہ اٹھا ہے جو حدیث اور اہل حدیث سے بغض رکھتا ہے،انہوں نے اہل حدیث کی تنقیص اور گستاخی شروع کی ہوئی ہے ،یہ لوگ ان کی مذمت کرنے اور ان پر بہتان لگانے میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حدیث کوشرف بخشا اور اہل حدیث کو فضیلت عطا فرمائی،اس نے حدیث کا مرتبہ بلند کیا،اسے ہر ملت پر حاکم بنایا،اسے ہر علم پر فوقیت بخشی اور جو لوگ حدیث کو سیکھتے اور اس سے لگاؤ رکھتے ہیں،ان کو بھی ارفع مقام عطا فرمایا۔یہی لوگ دین کی بنیاد اور دلیل وحجت کے مینار ہیں۔''

(المحدّث الفاصل بين الراوي والواعي، ص: 4)

اہل حدیث ہی اہل حق ہیں

عقل صریح،نقل صحیح اور مقبول ومنصور دین صرف اہل حدیث کے پاس ہے۔ویسے تو ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پرست کہتا ہے،لیکن معیارِ حق پر پورا صرف اہل حدیث اترتے ہیں۔کوئی بجا طور پر پوچھ سکتا ہے کہ اہل حدیث ہی اہل حق ہیں،اس کی دلیل کیا ہے؟اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ،ابومظفر،منصور بن محمد،سمعانی رحمہ اللہ (426-489ھ)فرماتے ہیں:

إِنَّ كُلَّ فَرِيقٍ مِّنَ الْمُبْتَدِعَةِ إِنَّمَا يَدَّعِي أَنَّ الَّذِي يَعْتَقِدُهُ هُوَ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَنَّهُمْ كُلَّهُمْ مُّدَّعُونَ شَرِيعَةَ

الْإِسْلَامِ، مُلْتَزِمُونَ فِي الظَّاهِرِ شَعَائِرَهَا، يَرَوْنَ أَنَّ مَا جَاءَ بِهِ مُحَمَّدٌ(هُوَ الْحَقُّ)، غَيْرَ أَنَّ الطُّرُقَ تَفَرَّقَتْ بِهِمْ بَعْدَ ذٰلِكَ، وَأَحْدَثُوا فِي الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَزَعَمَ كُلُّ فَرِيقٍ أَنَّهُ هُوَ الْمُتَمَسِّكُ بِشَرِيعَةِ الْإِسْلَامِ، وَأَنَّ الْحَقَّ الَّذِي قَامَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ هُوَ الَّذِي يَعْتَقِدهُ وَيَنْتَحِلُهُ، غَيْرَ أَنَّ اللّٰهَ أَبٰى أَنْ يَكُونَ الْحَقَّ وَالْعَقِيدَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَّا مَعَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْآثَارِ، لِأَنَّهُمْ أَخَذُوا دِينَهُمْ وَعَقَائِدَهُمْ خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ، وَقَرْنًا عَنْ قَرْنٍ، إِلٰى أَنِ انْتَهَوْا إِلَى التَّابِعِينَ، وَأَخَذَهُ التَّابِعُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخَذَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا طَرِيقَ إِلٰى مَعْرِفَةِ مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ مِنَ الدِّينِ الْمُسْتَقِيمِ، وَالصِّرَاطِ الْقَوِيمِ، إِلَّا هٰذَا الطَّرِيقَ الَّذِي سَلَكَهُ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ، وَأَمَّا سَائِرُ الْفِرَقِ فَطَلَبُوا الدِّينَ لَا بِطَرِيقِهِ لِأَنَّهُمْ رَجَعُوا إِلٰى مَعْقُولِهِمْ، وَخَوَاطِرِهِمْ، وَآرَائِهِمْ، فَطَلَبُوا الدِّينَ مِنْ قِبَلِهِ، فَإِذَا سَمِعُوا شَيْئًا مِّنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ عَرَضُوهُ عَلٰى مِعْيَارِ عُقُولِهِمْ، فَإِنِ اسْتَقَامَ قَبِلُوهُ، وَإِنْ لَّمْ يَسْتَقِمْ فِي مِيزَانِ عُقُولِهِمْ رَدُّوهُ، فَإِنِ اضْطُرُّوا إِلٰى قُبُولِهِ حَرَّفُوهُ بِالتَّأْوِيلَاتِ الْبَعِيدَةِ، وَالْمَعَانِي الْمُسْتَكْرَهَةِ، فَحَادُوا عَنِ الْحَقِّ وَزَاغُوا عَنْهُ، وَنَبَذُوا الدِّينَ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ، وَجَعَلُوا السُّنَّةَ تَحْتَ أَقْدَامِهِمْ، تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُونَ، وَأَمَّا أَهْلُ الْحَقِّ فَجَعَلُوا

الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ إِمَامَهُمْ، وَطَلَبُوا الدِّينَ مِنْ قِبَلِهِمَا، وَمَا وَقَعَ لَهُمْ مِّنْ مَّعْقُولِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ، عَرَضُوهُ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَإِنْ وَّجَدُوهُ مُوَافِقًا لَّهُمَا قَبِلُوهُ، وَشَكَرُوا اللّٰهَ حَيْثُ أَرَاهُمْ ذٰلِكَ وَوَفَّقَهُمْ إِلَيْهِ، وَإِنْ وَّجَدُوهُ مُخَالِفًا لَّهُمَا تَرَكُوا مَا وَقَعَ لَهُمْ، وَأَقْبَلُوا عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَرَجَعُوا بِالتُّهْمَةِ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ، فَإِنَّ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ لَا يَهْدِيَانِ إِلَّا إِلَى الْحَقِّ، وَرَأْيُ الْإِنْسَانِ قَدْ يَرَى الْحَقَّ، وَقَدْ يَرَى الْبَاطِلَ.

''ہر گمراہ فرقہ یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا عقیدہ وہ ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ کاربند تھے، کیونکہ تمام فرقے شریعتِ اسلام ہی کے دعویدار ہیں اور ظاہری طور پر اسلام ہی کے شعائر پر عمل کرتے ہیں، نیز ان کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ کی تعلیمات ہی برحق ہیں۔لیکن اس کے باوجود ان کی راہیں (صراطِ مستقیم سے) جدا ہو گئیں اور انہوں نے دین میں وہ وہ چیزیں ایجاد کر لیں جن کی اللہ ورسول نے اجازت نہیں دی۔ ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ وہی شریعتِ اسلام پر کاربند ہے اور وہ حق جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اسی کے پاس ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے حق اور صحیح عقیدے کی دولت سے صرف اہل حدیث کو مالا مال کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل حدیث اپنا دین اور اپنے عقائد طبقہ در طبقہ سلف صالحین سے لیتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کا سلسلہ تابعین عظام تک پہنچ گیا۔تابعین نے دین وعقائد رسولِ اکرم ﷺ کے صحابہ کرام سے لیے اور صحابہ کرام نے رسولِ اکرم ﷺ سے یہ سب کچھ سیکھا۔آپ ﷺ نے جس مضبوط دین اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی تھی، اس کی معرفت صرف اسی طریقے سے ممکن ہے، جسے اہل حدیث نے اپنایا ہے۔باقی تمام فرقوں نے دین کو اس اصل طریقے سے نہیں، بلکہ اپنی عقل وشعور اور رائے سے اخذ کیا ہے۔چنانچہ

جب وہ کتاب وسنت کی کسی نص کو سنتے ہیں تو اسے اپنی عقلی کسوٹی پر پیش کرتے ہیں،اگر وہ اس معیار پر درست معلوم ہو تو اسے قبول کر لیتے ہیں،ورنہ ردّ کر دیتے ہیں۔اگر وہ کسی وجہ سے اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں تو بعید از کار تاویلات اور غلط معانی کے ذریعے اس میں تحریف پر اُتر آتے ہیں۔یوں یہ باقی فرقے حق سے دُور چلے گئے ہیں،انہوں نے دین کو پس پشت ڈال دیا ہے اور سنتِ رسول کو بے وقعت کر دیا ہے۔ان کے برعکس اہل حق نے کتاب وسنت کو اپنا پیشوا اور دین کا ماخذ بنایا ہے۔ان کی عقل اور رائے جو اختراع کرتی ہے،وہ اسے کتاب وسنت پر پیش کرتے ہیں،اگر اسے کتاب وسنت کے موافق پائیں تو اسے قبول کر کے اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے انہیں درست رائے قائم کرنے کی توفیق بخشی اور اگر وہ اپنی رائے کو کتاب وسنت کے مخالف پائیں تو اسے چھوڑ کر کتاب وسنت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو قصوروار ٹھہراتے ہیں،کیونکہ کتاب وسنت تو حق ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں،جبکہ عقلِ انسانی کبھی حق کو پاتی ہے اور کبھی باطل کو۔''

(الحجّة في بيان المحجّة لأبي القاسم الأصبهاني : 2/237-238)

نیز فرماتے ہیں : وَمِمَّا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ أَهْلَ الْحَدِيثِ هُمْ عَلَى الْحَقِّ، أَنَّكَ لَوْ طَالَعْتَ جَمِيعَ كُتُبِهِمُ الْمُصَنَّفَةَ مِنْ أَوَّلِهِمْ إِلٰى آخِرِهِمْ، قَدِيمِهِمْ وَحَدِيثِهِمْ مَعَ اخْتِلَافِ بُلْدَانِهِمْ وَزَمَانِهِمْ، وَتَبَاعُدِ مَا بَيْنَهُمْ فِي الدِّيَارِ، وَسُكُونِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُم قُطْرًا مِّنَ الْأَقْطَارِ، وَجَدتَّهُمْ فِي بَيَانِ الِاعْتِقَادِ عَلٰى وَتِيرَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّنَمْطٍ وَاحِدٍ، يَجْرُونَ فِيهِ عَلٰى طَرِيقَةٍ لَّا يَحِيدُونَ عَنْهَا، وَلَا يَمِيلُونَ فِيهَا، قَوْلُهُمْ فِي ذٰلِكَ وَاحِدٌ وَّنَقْلُهُمْ وَاحِدٌ، لَا تَرٰى بَيْنَهُمُ اخْتِلَافًا وَّلَا تَفَرُّقًا فِي شَيْءٍ مَّا وَإِنْ قَلَّ، بَلْ لَّوْ جَمَعْتَ جَمِيعَ مَا

جَرٰى عَلٰى أَلْسِنَتِهِمْ، وَنَقَلُوهُ عَنْ سَلَفِهِمْ، وَجَدْتَّهٗ كَأَنَّهٗ جَاءَ مِنْ قَلْبٍ وَّاحِدٍ، وَجَرٰى عَلٰى لِسَانٍ وَّاحِدٍ، وَهَلْ عَلَى الْحَقِّ دَلِيلٌ أَبْيَنُ مِنْ هٰذَا؟

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء 4 : 82)، وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾(آل عمران 3 : 103)، وَأَمَّا إِذَا نَظَرْتَ إِلٰى أَهْلِ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ، رَأَيْتَهُمْ مُتَفَرِّقِينَ مُخْتَلِفِينَ أَوْ شِيَعًا وَّأَحْزَابًا، لَا تَكَادُ تَجِدُ اثْنَيْنِ مِنْهُمْ عَلٰى طَرِيقَةٍ وَّاحِدَةٍ فِي الِاعْتِقَادِ، يُبَدِّعُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، بَلْ يَرْتَقُونَ إِلَى التَّكْفِيرِ، يُكَفِّرُ الِابْنُ أَبَاهُ، وَالرَّجُلُ أَخَاهُ، وَالْجَارُ جَارَهٗ، تَرَاهُمْ أَبَدًا فِي تَنَازُعٍ وَّتَبَاغُضٍ وَّاخْتِلَافٍ، تَنْقَضِيْ أَعْمَارُهُمْ وَلَمَا تَتَّفِقُ كَلِمَاتُهُمْ، ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾(الحشر 59 : 14)، أَوَ مَا سَمِعْتَ أَنَّ الْمُعْتَزِلَةَ مَعَ اجْتِمَاعِهِمْ فِي هٰذَا اللَّقَبِ يُكَفِّرُ الْبَغْدَادِيُّونَ مِنْهُمُ الْبَصَرِيِّينَ، وَالْبَصَرِيُّونَ مِنْهُمُ الْبَغْدَادِيِّينَ، وَيُكَفِّرُ أَصْحَابُ أَبِي عَلِيٍّ الْجَبَائِيِّ ابْنَهٗ أَبَا هَاشِمٍ، وَأَصْحَابُ أَبِي هَاشِمٍ يُكَفِّرُونَ أَبَاهُ أَبَا عَلِيٍّ، وَكَذٰلِكَ سَائِرُ رُؤُوسِهِمْ وَأَرْبَابُ الْمَقَالَاتِ مِنْهُم، إِذَا تَدَبَّرْتَ أَقْوَالَهُمْ رَأَيْتَهُمْ مُّتَفَرِّقِينَ يُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، وَيَتَبَرَّأُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ، كَذٰلِكَ الْخَوَارِجُ وَالرَّوَافِضُ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَسَائِرُ الْمُبْتَدِعَةُ بِمَثَابَتِهِمْ، وَهَلْ عَلَى الْبَاطِلِ دَلِيلٌ أَظْهَرُ مِنْ هٰذَا؟

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الأنعام 6 : 159)، وَكَانَ السَّبَبُ فِي اتِّفَاقِ أَهْلِ الْحَدِيثِ أَنَّهُمْ أَخَذُوا الدِّينَ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَطَرِيقِ النَّقْلِ، فَأَوْرَثَهُمُ الاتِّفَاقَ والائْتِلَافَ، وَأَهْلُ الْبِدْعَةِ أَخَذُوا الدِّينَ مِنَ الْمَعْقُولَاتِ وَالْآرَاءِ، فَأَوْرَثَهُمْ الافْتِرَاقَ وَالاخْتِلَافَ، فَإِنَّ النَّقْلَ وَالرِّوَايَةَ مِنَ الثِّقَاتِ وَالْمُتْقِنِينَ قَلَّمَا يَخْتَلِفُ، وَإِنِ اخْتَلَفَ فِي لَفْظٍ أَوْ كَلِمَةٍ، فَذٰلِكَ اخْتِلَافٌ لَّا يَضُرُّ الدِّينَ، وَلَا يَقْدَحُ فِيهِ، وَأَمَّا دَلَائِلُ الْعَقْلِ فَقَلَّمَا تَتَّفِقُ، بَلْ عَقْلُ كُلِّ وَاحِدٍ؛ يَّرٰى صَاحِبُهٗ غَيْرَ مَا يَرَى الْآخَرُ، وَهٰذَا بَيِّنٌ .

''اہل حدیث کے اہل حق ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اگر آپ ان کی اول و آخر اور قدیم و جدید تمام کتابوں کا مطالعہ کر لیں،تو باوجود ان کے علاقوں اور زمانوں کے مختلف ہونے اور ان کے باہمی فاصلوں اور دنیا کے مختلف کونوں میں رہائش پذیر ہونے کے،آپ ان کو ایک ہی طرز اور طریقے پر عقائد کا بیان کرتے پائیں گے، ان کا منہج ایک ہی ہوگا،جس سے وہ کبھی نہیں ہٹیں گے۔عقائد میں ان کا قول اور دلیل ایک ہی ہو گی،ان کے مابین کوئی معمولی سا اختلاف و انتشار بھی آپ تلاش نہیں کر سکتے۔اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہ اگر آپ ان کی زبانوں سے نکلی ہوئی اور ان کی اپنے سلف سے نقل کردہ تمام باتیں جمع کر لیں،تو آپ کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ ایک ہی دل سے نکل کر ایک ہی زبان پر جاری ہوئی ہیں۔کیا کسی کے حق ہونے پر اس سے بڑھ کر بھی کوئی دلیل ہوگی؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء 4 : 82)(کیا وہ قرآن پرغور نہیں کرتے، اگر وہ غیراللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے)۔نیز فرمایا : ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾(آل عمران 3 : 103)(اللہ کی رسی کومضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو)۔اس کے برعکس جب آپ اہل بدعت کو دیکھیں گے تو ان کوتفرقہ و اختلاف میں مبتلا اور گروہوں میں بٹے ہوئے پائیں گے۔عقائد کے معاملے میں ان میں سے کسی دو کوبھی آپ کسی ایک منہج پر متفق نہیں پائیں گے۔آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو بدعتی کہتا ہے، بلکہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ جاتے ہیں۔بیٹا اپنے باپ کو، بھائی اپنے بھائی کو اور پڑوسی اپنے پڑوسی کو کافر قرار دیتا نظر آتا ہے۔وہ ہمیشہ جھگڑے اور بغض وعناد میں مبتلا رہتے ہیں۔ان کی عمریں گزر جاتی ہیں،لیکن کسی ایک بات پر جمع نہیں ہو پاتے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾(الحشر 59 : 14) (آپ انہیں متفق سمجھتے ہیں،لیکن ان کے دل جدا جدا ہیں،اس لیے کہ یہ بےشعور قوم ہیں)۔کیا آپ کومعلوم نہیں کہ تمام معتزلہ لقب'اعتزال' میں متحد تھے،اس کے باوجود بغداد کے معتزلہ بصرہ کے معتزلہ کوکافر کہتے ہیں اور بصرہ والے بغداد والوں کو،ابو علی جبائی کے اصحاب اس کے بیٹے ابوہاشم کوکافر کہتے ہیں اور ابوہاشم کے اصحاب اس کے باپ ابوعلی کوکافر قرار دیتے ہیں۔یہی حال ان کے باقی اکابر اور اہل قلم کا ہے۔جب آپ گمراہ لوگوں کے اقوال پرغور کریں گے تو آپ کومعلوم ہوگا کہ وہ متفرق ہیں،ایک دوسرے کوکافر کہتے ہیں اور ایک دوسرے سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔خوارج ،روافض اور تمام اہل بدعت کی صورتِ حال ایسی ہی ہے۔کیا ان کے باطل ہونے پراس سے بھی بڑی کوئی

دلیل ہو گی؟اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الأنعام 6 : 159)(بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہوں میں بٹ گئے،آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں،ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے سپرد ہے)۔اہل حدیث کے متفق ہونے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین کتاب وسنت سے نقل درنقل کے ذریعے اخذ کیا ہے۔قرآن وسنت نے ان میں اتفاق واتحاد پیدا کر دیا،جبکہ اہل بدعت نے اپنا دین عقل اور رائے سے اخذ کیا اور عقل و رائے نے ان میں تفرقہ و اختلاف پیدا کیا۔کیونکہ ثقہ و بااعتماد راویوں کی نقل و روایت میں کم ہی اختلاف ہوتا ہے اور جو اختلاف ہوتا ہے،وہ بھی لفظی ہوتا ہے، جوکہ دین میں مضر اور قابل قدغن نہیں ہوتا۔اس کے بالمقابل عقلی دلائل کم ہی متفق ہوتے ہیں، بلکہ ہر شخص کی عقل وہ سوچتی ہے جو دوسرے نہیں سوچتے۔یہ بالکل واضح بات ہے۔“

(الحجّة في بيان المحجّة لأبي القاسم الأصبهاني : 2/239-241)

مشہور تابعی،امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ (61-118ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے :

وَلَعَمْرِي ! لَوْ كَانَ أَمْرُ الْخَوَارِجِ هُدًى لَّاجْتَمَعَ، وَلٰكِنَّهٗ كَانَ ضَلَالَةً فَتَفَرَّقَ .

”قسم ہے،اگر خوارج ہدایت پر ہوتے تو وہ متفق ہوتے،لیکن وہ گمراہی پر تھے،اس لیے تفرقے میں پڑ گئے۔“(تفسير عبد الرزّاق : 375، تفسير الطبري : 3/178، وسندهٗ صحيحٌ)

امام،ابومحمد،عبداللہ بن مسلم،ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ (213-276ھ) فرماتے ہیں :

وَلَوْ أَرَدْنَا ـ رَحِمَكَ اللّٰهُ ـ أَنْ نَّنْتَقِلَ عَنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ وَنَرْغَبَ عَنْهُمْ، إِلٰى أَصْحَابِ الْكَلَامِ وَنَرْغَبَ فِيهِمْ، لَخَرَجْنَا مِنِ اجْتِمَاعٍ إِلٰى تَشَتُّتٍ، وَعَنْ نِّظَامٍ إِلٰى تَفَرُّقٍ، وَعَنْ أُنْسٍ إِلٰى وَحْشَةٍ، وَعَنِ اتِّفَاقٍ إِلَى اخْتِلَافٍ .

''اگر (بالفرض) ہم اہل حدیث کو چھوڑ کر اہل کلام (اہل رائے) میں شامل ہو جائیں تو یقیناً ہم اجتماعیت کو چھوڑ کر انتشار میں، نظم کو چھوڑ کر تفرقے میں، محبت کو چھوڑ کر نفرت میں اور اتفاق کو چھوڑ کر اختلاف میں داخل ہو جائیں گے۔'' (تأويل مختلف الحديث، ص: 16)

شیخ الاسلام، تقی الدین، احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ فَالثَّبَاتُ وَالِاسْتِقْرَارُ فِي أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ أَضْعَافُ أَضْعَافِ أَضْعَافِ مَا هُوَ عِنْدَ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفَلْسَفَةِ .

''الغرض اہل حدیث ثبات و استقامت میں اہل کلام وفلسفہ سے کئی گنا زیادہ پختہ ہوتے ہیں۔'' (مجموع الفتاوٰی: 4/50-51)

نیز فرماتے ہیں: وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَنْصِبَ لِلْأُمَّةِ شَخْصًا يَدْعُو إِلٰى طَرِيقَتِهِ وَيُوَالِي وَيُعَادِي عَلَيْهِ غَيْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَنْصِبَ لَهُمْ كَلَامًا يُوَالِي عَلَيْهِ وَيُعَادِي غَيْرَ كَلَامِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَمَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ، بَلْ هٰذَا مِنْ فِعْلِ أَهْلِ الْبِدَعِ الَّذِينَ يَنْصِبُونَ لَهُمْ شَخْصًا أَوْ كَلَامًا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْأُمَّةِ يُوَالُونَ بِهِ عَلٰى ذٰلِكَ الْكَلَامِ أَوْ تِلْكَ النِّسْبَةِ وَيُعَادُونَ .

''کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ امت کے لیے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی ایک شخص کو متعین کرے اور اسی کے راستے کی دعوت دے، نیز اسی کو محبت و نفرت کا معیار بنائے۔ نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ و رسول کے قول اور اجماعِ امت کے علاوہ کسی اور کلام کو متعین کر کے اسے محبت و عداوت کا معیار بنائے۔ ایسا کرنا تو ان بدعتی لوگوں کا شیوا ہے جو کسی (امتی کی) کلام اور نسبت کی بنا پر محبت و عداوت کا اظہار کرتے ہیں۔''

(مجموع الفتاوٰی: 20/164، درء تعارض العقل والنقل: 1/272-273)

نیز فرماتے ہیں: شِعَارُ الطَّائِفَةِ النَّاجِيَةِ هُوَ السُّنَّةُ وَالْجَمَاعَةُ، دُونَ الْبِدْعَةِ وَالْفُرْقَةِ. **''نجات پانے والی جماعت کا شعار سنت اور اجتماعیت ہے، نہ کہ بدعت اور تفرقہ۔''**(بيان تلبيس الجهميّة : 310/2)

مزید فرماتے ہیں: اَلْبِدْعَةُ مَقْرُونَةٌ بِالْفُرْقَةِ، كَمَا أَنَّ السُّنَّةَ مَقْرُونَةٌ بِالْجَمَاعَةِ، فَيُقَالُ: أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، كَمَا يُقَالُ: أَهْلُ الْبِدْعَةِ وَالْفُرْقَةِ.

''بدعت اور تفرقہ لازم و ملزوم ہے،جیسا کہ سنت اور اجتماعیت لازم و ملزوم ہے۔ ویسے بھی اہل علم اہل سنت کے ساتھ [والجماعة] **کا لفظ بولتے ہیں اور اہل بدعت کے ساتھ** [والفرقة] **(تفرقہ بازی) کا اطلاق کرتے ہیں۔''**(الاستقامة : 42/1)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن و حدیث نے فِرقہ سے منع نہیں کیا،فُرقہ سے منع کیا ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران 3 : 103)

''اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں مت پڑو۔''

اسی طرح رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ ! لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ»، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ؟ قَالَ: «اَلْجَمَاعَةُ».

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ محمد (ﷺ) جان ہے! ضرور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ان میں سے ایک فرقہ جنتی اور باقی بہتر (72) جہنمی ہوں گے۔[آپ سے سوال

کیا گیا کہ اللہ کے رسول! وہ جنتی فرقہ کن لوگوں پر مشتمل ہوگا؟] فرمایا: وہ جماعت ہوں گے۔''

(سنن ابن ماجه: 3992، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تہتر فرقوں میں بٹنا اور ایک فرقے کا جنتی ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ فرقہ، گروہ یا جماعت مطلق ممنوع نہیں، ورنہ ایک فرقہ جنتی کیسے؟ بہتر فرقے کس جرم کی پاداش میں جہنمی بنیں گے؟ ناجی فرقے کا کیا منہج ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں:

امام، ابوحاتم، محمد بن حبان، ابن حبان، تمیمی رحمہ اللہ (م: 354ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَنْ وَّاظَبَ عَلَى السُّنَنِ، قَالَ بِهَا، وَلَمْ يُعَرِّجْ عَلٰى غَيْرِهَا مِنَ الْآرَاءِ مِنَ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ فِي الْقِيَامَةِ، جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ بِمَنِّهٖ.

''جو شخص سنت کی پابندی کرتا ہے، سنت ہی کے مطابق اپنا مذہب بناتا ہے اور سنت کو چھوڑ کر آراء پر عمل نہیں کرتا، وہ قیامت کے دن فرقہ ناجیہ میں سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس میں شامل فرمائے۔''(صحيح ابن حبّان: 180/1)

علامہ، ابراہیم بن موسیٰ، شاطبی رحمہ اللہ (م: 790ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْجَمَاعَةَ مَا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ وَأَصْحَابُهٗ وَالتَّابِعُونَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ.

''نجات پانے والی جماعت ان لوگوں پر مشتمل ہوگی، جو نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے بتائے ہوئے طریقے پر قائم رہے۔''(الاعتصام: 28/1)

شیخ الاسلام، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَإِذَا كَانَ وَصْفُ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ اتِّبَاعَ الصَّحَابَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذٰلِكَ شِعَارُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، كَانَتِ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ هُمْ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، فَالسُّنَّةُ مَا كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

هُوَ وَأَصْحَابُهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِهِ .

''جب (حدیث میں) فرقہ ناجیہ کی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے رسول اکرم ﷺ کے عہد میں اپنائے گئے طریقے کی پیروی کریں گے اور یہ طریقہ اہل سنت والجماعت ہی کا ہے، تو فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہی ہوئے۔ سنت اس طریقے کو کہتے ہیں، جس پر آپ ﷺ خود اور آپ ﷺ کے عہد میں صحابہ کرام کاربند تھے۔'' (منهاج السنّة : 457/3)

علامہ، عبیداللہ بن محمد عبدالسلام، مبارکپوری رحمہ اللہ (1327-1414ھ) فرماتے ہیں :

«وَهِيَ الْجَمَاعَةُ»، أَيِ الْمُوَافِقُونَ لِجَمَاعَةِ الصَّحَابَةِ الْآخِذُونَ بِعَقَائِدِهِمْ، الْمُتَمَسِّكُونَ بِطَرِيقَتِهِمْ، وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةُ، أَيْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ الَّذِينَ اجْتَمَعُوا عَلَى اتِّبَاعِ آثَارِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ، وَاتَّفَقُوا عَلَى الْأَخْذِ بِتَعَامُلِ الصَّحَابَةِ وَإِجْمَاعِهِمْ، وَلَمْ يَبْتَدِعُوا بِالتَّحْرِيفِ وَالتَّغْيِيرِ، وَلَمْ يُبَدِّلُوا بِالْآرَاءِ الْفَاسِدَةِ .

''حدیث نبوی کے مطابق کامیاب ہونے والی جماعت میں وہ لوگ شامل ہوں گے، جو صحابہ کرام کی جماعت کے پیروکار ہوں گے، یعنی انہی کے عقائد اپنائیں گے اور انہی کے منہج کو لازم پکڑیں گے۔ یہ لوگ اہل سنت والجماعت، یعنی اہل حدیث ہی ہیں، جو کہ ہر حال میں آپ ﷺ کی احادیث پر عمل کرنے پر متفق ہیں، نیز صحابہ کرام کے تعامل اور اجماع کو اپنانے پر بھی مجتمع ہیں۔ انہوں نے تحریف وتبدل کے ذریعے نہ کوئی بدعت اختیار کی ہے اور نہ فاسد آراء کے ذریعے دین میں کوئی تبدیلی کی ہے۔''

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : 278/1)

نذر و نیاز عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی جائز ہے۔مخلوق کے نام پر نذر کرنا حرام اور شرک ہے۔اگر کوئی انسان کسی بزرگ یا ولی کے نام پر منت یا نذر کرتا ہے، صالحین اور اولیاء اللہ کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے صاحبِ قبر کا تقرب حاصل ہو جائے گا، وہ اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرے گا یا اس کی فریاد رسی یا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سفارش کرے گا، یا وہ اس کی قبر سے فیض پائے گا۔بلاشک و شبہ یہ شرک فی العبادت ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾

(الأنعام 6 : 136)

''انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپائیوں میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ مقرر کیا، پھر بزعمِ خویش کہنے لگے: یہ اللہ کے لیے ہے، اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے ہے، پھر ان کے دیوتاؤں کا حصہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، لیکن اللہ کا حصہ ان کے دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، یہ لوگ کس قدر برا فیصلہ کرتے ہیں۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة 2 : 173)

''اور وہ چیز (بھی حرام ہے) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔''

مزاروں اور آستانوں پر نذر کے نام پر مشرکانہ و ہندوانہ رسومات اور نفسانی و حیوانی خواہشات کی تکمیل جس انداز میں ہوتی ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔اس کے باوجود بعض لوگوں نے عوام کا قیمتی مال ہڑپ کرنے کے لیے قبروں پر نذر و نیاز کا جواز پیش کیا ہے۔ایسی ہی کوشش کرتے ہوئے امامِ بریلویت جناب احمد یار خان نعیمی (1324-1391ھ) لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے، یہ نذر شرعی نہیں، نذر لغوی ہے، جس کے معنیٰ ہیں نذرانہ، جیسے کہ میں اپنے استاذ سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے، یہ بالکل جائز ہے۔ اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں، جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے۔اس لیے فرماتے ہیں تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ۔نذر شرعی عبادت ہے، وہ غیر اللہ کے لیے ماننا یقیناً کفر ہے۔''
(''جاء الحق'':307/1)

حالانکہ یہ کہنا کہ'' اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے، وہ نذر شرعی نہیں، لغوی ہے''، محض ناخواندہ حواریوں کو مطمئن کر کے اسبابِ شکم پروری کو دوام بخشنے کی نامراد کاوش ہے۔نذر کی لغوی اور اصطلاحی تقسیم ایسی قبیح بدعت ہے، جو اہل سنت والجماعت کی کتب میں کہیں مذکور نہیں۔کیا رسول اللہ ﷺ سے بھی کوئی بزرگ ہستی مخلوق میں موجود ہے؟ اور کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسولِ اکرم ﷺ سے اتنی بھی محبت نہیں رکھتے تھے، جتنی بعد کے لوگوں کو اپنے بعد والے بزرگوں سے ہے؟ کیا کبھی کسی قبر پرست نے غور کیا کہ اگر غیر اللہ اور فوت شدگان کے نام پر نذر و نیاز جائز ہوتی، تو صحابہ کرام اس کارِ خیر سے کبھی محروم نہ رہتے۔کیا کوئی شخص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کسی سے بھی ایسا کوئی عمل پیش کر سکتا ہے؟

عام لوگوں کا تحفہ اور ہدیہ کے لیے نذرانے کا لفظ استعمال کرنا اس کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ قبروں اور مردوں کے پجاری ان کے لیے جو نذر پیش کرتے ہیں، وہ اس عقیدے سے پیش کرتے ہیں کہ وہ دافع البلاء ہیں۔ان کے پیش نظر لغوی نہیں، شرعی اور

عرفی نذر ہوتی ہے۔تب ہی تو اس کے بارے میں ''نذر اللہ اور نیاز حسین'' کے الفاظ سننے کو ملتے ہیں۔اس سے بڑھ کر یہ بھی کہ اگر مجھے مقدمہ میں فتح یابی ہوئی یا مرض سے شفا ہوئی یا دشمن زیر ہو گیا یا مجھے اولادِ نرینہ مل گئی یا میرا کاروبار چمک گیا،تو فلاں مزار پر جا کر نذر ونیاز کا لنگر چڑھاؤں گا، ننگے پاؤں جا کر سلام کروں گا،مزار پر ٹا کی باندھوں گا،وغیرہ۔

منصف مزاج لوگ بتائیں کہ کیا یہ سب کچھ لغوی نذر و نیاز کے لیے کیا جاتا ہے؟یہ سب امور تعظیم وتقرب کے نقطۂ نظر سے کیے جاتے ہیں،جس میں نذر ماننے والا اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔تحفہ و ہدیہ میں ایسی صورت موجود نہیں ہوتی۔

شیخ الاسلام ثانی،عالمِ ربانی،علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (691-751ھ)فرماتے ہیں:

فَمَا أَسْرَعَ أَهْلُ الشِّرْكِ إِلَى اتِّخَاذِ الْأَوْثَانِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ، وَلَوْ كَانَتْ مَا كَانَتْ، وَيَقُولُونَ : إِنَّ هٰذَا الْحَجَرَ، وَهٰذِهِ الشَّجَرَةَ، وَهٰذِهِ الْعَيْنَ، تَقْبَلُ النَّذَرَ، أَيْ تَقْبَلُ الْعِبَادَةَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَإِنَّ النَّذَرَ عِبَادَةٌ وَّقُرْبَةٌ، يَتَقَرَّبُ بِهَا النَّاذِرُ إِلَى الْمَنْذُورِ لَهٗ.

''مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی چیز کو معبود ٹھہرانے میں کتنے جلد باز واقع ہوئے ہیں۔وہ کہتے ہیں: یہ پتھر، یہ درخت اور یہ شخص نذر و نیاز کے لائق ہے۔دوسرے لفظوں میں ان مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ شخص بھی عبادت کے لائق ہے،کیونکہ نذر ونیاز عبادت وتقرب ہے،جس کے ذریعے نذر دینے والا کسی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔''

(إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان :1/212)

علامہ،احمد بن عبدالرحیم،المعروف بہ شاہ ولی اللہ دہلوی(1114-1176ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُمْ يَسْتَعِينُونَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فِي حَوَائِجِهِمْ مِنْ شِفَاءِ الْمَرِيضِ وَغِنَاءِ

الْفَقِيرِ، وَيَنْذُرُونَ لَهُمْ، يَتَوَقَّعُونَ إِنْجَاحَ مَقَاصِدِهِمْ بِتِلْكَ النُّذُورِ، وَيَتْلُونَ أَسْمَائَهُمْ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا، فَأَوْجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِم أَنْ يَّقُولُوا فِي صَلَاتِهِمْ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾(الفاتحة 1 : 5)، وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾(الجنّ 72 : 18)، وَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الدُّعَاءِ الْعِبَادَةُ، كَمَا قَالَهُ الْمُفَسِّرُونَ، بَلْ هُوَ الِاسْتِعَانَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ﴾(الأنعام 6 : 41).

''مشرکین اپنی حاجات، مثلاً مرض میں شفا اور فقیری میں خوشحالی کے لیے غیراللہ سے مدد مانگتے ہیں اور ان کے نام کی نذر ونیاز دیتے ہیں۔ ان کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس نذر ونیاز کی وجہ سے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔ وہ برکت کی امید پر غیراللہ کے ناموں کا ورد بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر نماز میں یہ کہنا فرض کیا ہے کہ : ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ (الفاتحة 1 : 5)(ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں)۔ نیز فرمایا: ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (الجنّ 72 : 18) (تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو)۔ اس آیتِ کریمہ میں دعا سے مراد عبادت نہیں، جیسا کہ (عام) مفسرین نے کہا ہے، بلکہ یہاں استعانت مراد ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ﴾(الأنعام 6 : 41) (بلکہ تم [سخت مصیبت کے وقت] اسی [اللہ] کو پکارتے ہو، چنانچہ وہ تمہاری مصیبتوں کو دُور فرماتا ہے)۔''

(حجّة اللّٰه البالغة : 185/1، طبعة السلفيّة)

علامہ محمود بن عبداللہ، آلوسی، حنفی (1217-1270ھ) فرماتے ہیں :

وَفِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾(الحجّ 22 : 73)إلخ إِشَارَةٌ إِلٰى ذَمِّ الْغَالِينَ فِي أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى، حَيْثُ يَسْتَغِيثُونَ بِهِمْ فِي الشِّدَّةِ غَافِلِينَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَيَنْذُرُونَ لَهُمُ النُّذُورَ، وَالْعُقَلَاءُ مِنْهُمْ يَقُولُونَ : إِنَّهُمْ وَسَائِلُنَا إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، وَإِنَّمَا نَنْذُرُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَجْعَلُ ثَوَابَهٗ لِلْوَلِيِّ، وَلَا يَخْفٰى أَنَّهُمْ فِي دَعْوَاهُمُ الْأُولٰى أَشْبَهُ النَّاسِ بِعَبَدَةِ الْأَصْنَامِ، الْقَائِلِينَ : إِنَّمَا نَعْبُدُهُمْ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى، وَدَعْوَاهُمُ الثَّانِيَةُ لَا بَأْسَ بِهَا لَوْ لَمْ يَطْلُبُوا مِنْهُمْ بِذٰلِكَ شِفَاءَ مَرِيضِهِمْ أَوْ رَدَّ غَائِبِهِمْ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ، وَالظَّاهِرُ مِنْ حَالِهِمُ الطَّلَبُ، وَيُرْشِدُ إِلٰى ذٰلِكَ أَنَّهٗ لَوْ قِيلَ : انْذُرُوا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاجْعَلُوا ثَوَابَهٗ لِوَالِدَيْكُمْ، فَإِنَّهُمْ أَحْوَجُ مِنْ أُولٰئِكَ الْأَوْلِيَاءِ لَمْ يَفْعَلُوا، وَرَأَيْتُ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَسْجُدُ عَلٰى أَعْتَابِ حَجَرِ قُبُورِ الْأَوْلِيَاءِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّثْبِتُ التَّصَرُّفَ لَهُمْ جَمِيعًا فِي قُبُورِهِمْ، لٰكِنَّهُمْ مُّتَفَاوِتُونَ فِيهِ حَسَبَ تَفَاوُتِ مَرَاتِبِهِمْ، وَالْعُلَمَاءُ مِنْهُمْ يَحْصُرُونَ التَّصَرُّفَ فِي الْقُبُورِ فِي أَرْبَعَةٍ أَوْ خَمْسَةٍ، وَإِذَا طُولِبُوا بِالدَّلِيلِ قَالُوا : ثَبَتَ ذٰلِكَ بِالْكَشْفِ، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى، مَا أَجْهَلَهُمْ وَأَكْثَرَ افْتِرَائَهُمْ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّزْعَمُ أَنَّهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْقُبُورِ وَيَتَشَكَّلُونَ بِأَشْكَالَ مُخْتَلِفَةٍ، وَعُلَمَاؤُهُمْ يَقُولُونَ : إِنَّمَا تَظْهَرُ أَرْوَاحُهُمْ مُّتَشَكِّلَةً وَّتَطُوفُ حَيْثُ شَاءَ تْ، وَرُبَّمَا تَشَكَّلَتْ بِصُورَةِ أَسَدٍ أَوْ غَزَالٍ أَوْ نَحْوِهٖ، وَكُلُّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ لَّا أَصْلَ لَهٗ فِي

الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكَلَامِ سَلَفِ الْأُمَّةِ، وَقَدْ أَفْسَدَ هٰؤُلَاءِ عَلَى النَّاسِ دِينَهُمْ، وَصَارُوا ضِحْكَةً لِّأَهْلِ الْأَدْيَانِ الْمَنْسُوخَةِ فِي الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى، وَكَذَا لِّأَهْلِ النِّحَلِ وَالدَّهْرِيَّةِ، نَسْأَلُ اللّٰهُ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ .

''فرمانِ باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾(الحج 22 : 73)(بلاشبہ جن کو[اے مشرکو] تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے)۔اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے، جو اولیاء اللہ کے بارے میں غلوّ کا شکار ہو گئے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر مصیبت میں ان اولیاء سے مدد طلب کرتے ہیں اور ان کے نام پر نذر و نیاز دیتے ہیں۔ان میں سے 'دانشور' لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اولیاء تو ہمارے لیے اللہ کی طرف وسیلہ ہیں اور یہ نذر و نیاز تو ہم اللہ کے لیے دیتے ہیں،البتہ اس کا ثواب اس ولی کو پہنچاتے ہیں۔اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اپنے پہلے دعوے میں بالکل ان بت پرستوں جیسے ہیں جو کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔رہا دوسرا دعویٰ تو اس میں کوئی حرج نہ ہوتا اگر وہ بزرگوں سے اپنے مریضوں کے لیے شفاء اور غائب ہونے والوں کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ نہ کرتے[حالانکہ شرعاً یہ بھی ناجائز ہے۔ناقل]۔ان کی حالت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزرگوں سے مانگنے کے لیے ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر و نیاز دو اور اس کا ثواب (اولیاء) کی بجائے اپنے والدین کو پہنچاؤ، کیونکہ تمہارے والدین ان اولیاء سے بڑھ کر ثواب کے محتاج ہیں،تو یہ مشرکین ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے،[اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا مقصد بزرگوں سے مانگنا ہی ہوتا ہے]۔میں نے بہت سے مشرکین کو دیکھا

ہے کہ اولیاء کی قبروں کے پتھروں پر سجدہ کر رہے ہوتے ہیں۔بعض مشرکین تو سب اولیاء کے لیے ان کی قبروں میں تصرف (قدرت) بھی ثابت کرتے ہیں،البتہ مراتب کے اعتبار سے یہ تصرف مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ان مشرکین کے'اہل علم' قبروں میں اولیاء کے لیے چار یا پانچ قسم کا تصرف ثابت کرتے ہیں،لیکن جب ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ چیز کشف سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو تباہ وبرباد کرے،یہ کتنے جاہل اور جھوٹے لوگ ہیں!ان میں سے بعض یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اولیاء اپنی قبروں سے نکلتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں،جبکہ ان کے'اہل علم' کا کہنا ہے کہ اولیاء کی صرف روحیں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ان کے بقول بسااوقات اولیاء کی روحیں شیر، ہرن وغیرہ کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہیں۔یہ ساری باتیں جھوٹی ہیں،کتاب وسنت اور اسلافِ امت کے کلام میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ان مشرکین نے (سادہ لوح)لوگوں کا دین بھی برباد کر دیا ہے۔ایسے لوگ یہود ونصاریٰ ،دیگر ادیانِ باطلہ کے پیروکاروں اور بے دین لوگوں کے سامنے مذاق بن گئے ہیں۔ہم اللہ تعالیٰ سے (دین و دنیا کی)عافیت اورسلامتی کا سوال کرتے ہیں۔''(روح المعاني : 2/212-213)

نیز فرماتے ہیں: وَمِنْ أُولٰئِكَ عَبَدَةُ الْقُبُورِ، النَّاذِرُونَ لَهَا، الْمُعْتَقِدُونَ لِلنَّفْعِ وَالضَّرِّ، مِمَّنِ اللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ بِحَالِهِ فِيهَا، وَهُمُ الْيَوْمَ أَكْثَرُ مِنَ الدُّودِ .

''ان مشرکوں میں سے بعض وہ ہیں جو قبروں کے پجاری ہیں،ان پر نذرونیاز دیتے ہیں اور ان لوگوں سے نفع ونقصان کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ قبر میں جن کی حالت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔موجودہ دور میں ایسے مشرکین کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔''

(روح المعاني : 67/17)

علامہ، محمد بن علی، حصکفی، حنفی (1021-1088ھ) اپنے اکثر عوام کی اصلاح میں لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ النَّذَرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ، وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلٰى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ، فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ.

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام جو مُردوں کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور جو رقوم، چراغ اور تیل وغیرہ اولیائے کرام کی قبروں پر تقرب کی نیت سے لائے جاتے ہیں، وہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔'' (الدرّ المختار، ص: 155، ردّ المحتار: 439/2)

مشہور حنفی امام، محمد امین بن عمر، ابن عابدین، شامی (1198-1252ھ) اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں: كَأَنْ يَّقُولَ: يَا سَيِّدِي فُلَانُ! إِنْ رُّدَّ غَائِبِي أَوْ عُوفِيَ مَرِيضِي أَوْ قُضِيَتْ حَاجَتِي، فَلَكَ مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْفِضَّةِ أَوْ مِنَ الطَّعَامِ أَوِ الشَّمْعِ أَوِ الزَّيْتِ كَذَا، (قَوْلُهٗ: بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ) لِوُجُوهٍ: مِنْهَا أَنَّهٗ نَذَرَ لِمَخْلُوقٍ، وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهٗ عِبَادَةٌ، وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ، وَمِنْهَا أَنَّ الْمَنْذُورَ لَهٗ مَيِّتٌ، وَالْمَيِّتُ لَا يَمْلِكُ، وَمِنْهُ أَنَّهٗ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَاعْتِقَادُهٗ ذٰلِكَ كُفْرٌ.

''اولیاء کے لیے نذر و نیاز کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی کہے: اے میرے فلاں پیر! اگر میرا غائب رشتہ دار واپس آ گیا یا میرا مریض شفایاب ہو گیا یا میرا کام ہو گیا تو اتنا سونا، اتنی چاندی، اتنا کھانا یا چراغ یا اتنا تیل آپ کی نذر کروں گا۔ یہ نذر و نیاز کئی وجوہ سے باطل اور حرام ہے؛ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ مخلوق کے لیے نذر و نیاز ہے، حالانکہ نذر و نیاز عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کے لیے جائز نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جس کے نام کی نذر و نیاز دی جا

رہی ہوتی ہے،وہ مُردہ ہوتا ہے اور مُردہ کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔تیسری وجہ یہ کہ نذر و نیاز دینے والا اللہ کو چھوڑ کر اس ولی کے امور میں تصرف کرنے کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ اس کا اعتقاد کفر ہے۔''(ردّ المحتار المعروف به الفتاوى الشامي : 439/2)

مشہور حنفی،قاسم بن قطلو بغا (802-879ھ) لکھتے ہیں :

فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَغَيْرِهَا، وَيُنْتَقَلُ إِلٰى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ، مُحَرَّمٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ .

''جو رقوم،شمعیں اور تیل وغیرہ اولیائے کرام کی قبروں پر ان کے تقرب کے لیے لائی جاتی ہیں،ان کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

(البحر الرائق لابن نجيم : 298/2، الفتاوى الهنديّة المعروف به فتاوى عالمگيرى : 216/1، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص : 378)

حنفی مذہب کی معتبر و مستند کتاب میں لکھا ہے :

وَالنَّذْرُ الَّذِي يَقَعُ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ بِأَنْ يَّأْتِيَ إِلٰى قَبْرِ بَعْضِ الصُّلَحَاءِ، وَيَرْفَعَ سِتْرَهٗ قَائِلًا : يَا سَيِّدِي فُلَانٌ ! إِنْ قَضَيْتَ حَاجَتِي فَلَكَ مِنِّي مِنَ الذَّهَبِ مَثَلًا كَذَا، بَاطِلٌ إِجْمَاعًا .

''اکثر عوام جو اس طرح نذر مانتے ہیں کہ کسی نیک شخص کی قبر پر آ کر یوں فریاد کرتے ہیں: اے میرے فلاں پیر! اگر تُو میری یہ ضرورت پوری کر دے تو میری طرف سے اتنا سونا تیری نذر۔یہ اجماعی طور پر حرام ہے۔''(الفتاوى الهنديّة المعروف به فتاویٰ عالمگیری :216/1)

علامہ برکوی حنفی،علامہ ابوشامہ (م:665ھ) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ثُمَّ يَتَجَاوَزُونَ هٰذَا إِلٰى أَنْ يُّعَظِّمَ وَقْعَ تِلْكَ الْأَمَاكِنِ فِي قُلُوبِهِمْ،

فَيُعَظِّمُونَهَا، وَيَرْجُونَ الشِّفَاءَ لِمَرْضَاهُمْ وَقَضَاءَ حَوَائِجِهِمْ، بِالنَّذْرِ لَهُمْ، وَهِيَ مِنْ بَيْنِ عُيُونٍ وَّشَجَرٍ وَّحَائِطٍ وَّحَجَرٍ .

''پھر یہ مشرکین اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور اپنے دلوں میں ان مقامات کی تعظیم بٹھا لیتے ہیں۔وہ ان جگہوں کی تعظیم بھی کرتے ہیں اور ان پر نذر ونیاز چڑھا کر اپنے بیماروں کی شفا اور اپنی حاجات کی برآری کی امید بھی کرتے ہیں۔ایسی جگہیں درختوں، پتھروں، باغات اور چشموں پر واقع ہوتی ہیں۔''

(زيارة القبور، ص: 546-547، طبعة الكرديّة، وفي نسخة دار الإفتاء، ص: 52)

فقہ حنفی اور احمد یار خان نعیمی بریلوی:

قارئین کرام! اہل سنت کے علمائے کرام، کتبِ فقہ اور فقہائے احناف کے اقوال کی روشنی میں آپ نے بزرگوں کے نام کی نذر ونیاز کا حرام اور شرک ہونا ملاحظہ فرما لیا۔اتنی وضاحت وصراحت کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش اس نذر ونیاز کو جائز ثابت کرنے کے لیے سینہ زوری سے کام لیتے ہیں۔

اس کی ایک مثال جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک! آپ دُعا کریں،اگر میرا مریض اچھا ہو گیا،تو میں آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ میرے خدا ہیں،اس مریض کے اچھا ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کروں گا اللہ کے لیے۔اس پر جو ثواب ملے گا،آپ کو بخشوں گا، جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہو گیا تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا۔''

(''جاء الحق'': 307/1)

واہ کیا خوب فقاہت ہے، جو اپنی ہی فقہ حنفی کی دھجیاں اڑائے جا رہی ہے۔

اسی بارے میں جناب غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں :

''آج کل جس طرح اَن پڑھ عوام اپنی حاجات میں اولیاء اللہ کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور حاجات پوری ہونے کے بعد مزارات پر نذریں پیش کرتے ہیں۔اور بعض لوگ اس کو لغوی نذر کہہ کر سندِ جواز پیش کرتے ہیں،اس کا قرآنِ مجید،احادیثِ صحیحہ اور آثارِ صحابہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔کتبِ فتاویٰ میں اس نذر کو حرام کہا گیا ہے۔یہ ایک خالص فقہی مسئلہ ہے۔اس میں کتبِ فقہیہ کو چھوڑ کر بعض غیر معصوم اور غیر معروف صوفیوں کے اقوال اور احوال سے استدلال کرنا کوئی فقاہت نہیں ہے،بلکہ عدل وانصاف سے بعید ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : 543/4)

ایک بریلوی عالم نے ہی نعیمی صاحب کو ناانصاف اور غیرفقیہ قرار دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ قرآن وسنت،افعالِ صحابہ کرام اور فقہ حنفی کے رُو سے بزرگوں کے نام کی نذرونیاز حرام ہے۔

غوروفکر کا مقام ہے کہ جن افعال پر قرآن وحدیث نے کوئی نص قائم نہیں کی اور جن سے سلف صالحین،یعنی صحابہ وتابعین بے خبر تھے،ان کو شرعی جواز فراہم کرنا کتنی زبردست بددیانتی ہے۔غیر اللہ کے نام کی نذرونیاز دینا اہل بدعت اور اہل شرک کا وطیرہ ہے،اہل سنت اور اہل حق نہ کبھی ایسا کرتے تھے،نہ کرتے ہیں،نہ کریں گے۔عام لوگ جب شیخ عبد القادر جیلانی کے نام کی گیارہویں دیتے ہیں،ان کے قصدونیت میں ان کی نیاز پیش کرنا ہی ہوتا ہے۔اگر کوئی کہتا ہے کہ میں فلاں بزرگ کے نام کی دیگ پکاؤں گا تو اس کا واضح مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس کے نام کی نذرونیاز دے گا اور نذرونیاز عبادت ہے،جو غیر اللہ کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے۔

نعیمی صاحب صرف ''پلاؤ'' کے لیے غیر اللہ کی عبادت کو سندِ جواز دے رہے ہیں اور

دین میں نئے کام داخل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ان کے نزدیک ایک طبیب کو علاج معالجہ پر اجرت دینے اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام کی نیاز دینے میں کوئی فرق نہیں۔کیا کبھی کسی نے طبیب کے نام پر دیگ پکائی اور''پلاؤ''کا صدقہ کر کے اس کا ثواب طبیب کو پہنچایا؟

یہ لوگ مُردوں سے مانگنے اور ان کے متعلق مدد کرنے کا اعتقاد رکھتے ہیں،حالانکہ آج تک کسی صاحبِ قبر نے ان کو کچھ نہیں دیا،البتہ اس ڈھونگ سے انہوں نے اپنے جاہل عوام سے بہت کچھ لے لیا ہے۔

مُردوں کا تصرف!

ایک باطل اعتقاد یہ بھی ہے کہ مُردے سنتے،دیکھتے،اُمور میں تصرف کرتے،غیب جانتے،دعائیں سنتے اورنوازتے ہیں۔

امامِ بریلویت''اعلیٰ حضرت''احمد رضا خان بریلوی(1272-1340ھ) کہتے ہیں:

''سیدی عبدالوہاب اکابر اولیائے کرام میں سے ہیں۔حضرت سیدی احمد بدوی کبیر کے مزار پر ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی۔وہ آپ کو پسند آئی۔جب مزار شریف میں حاضر ہوئے تو صاحبِ مزار نے ارشاد فرمایا:عبدالوہاب!وہ کنیز تمہیں پسند ہے؟عرض کیا:ہاں!شیخ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہیے۔ارشاد فرمایا:اچھا ہم نے وہ کنیز تم کو ہبہ کی۔آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں۔وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزارِ اقدس کی نذر کی،خادم کو ارشاد ہوا۔انہوں نے آپ کی نذر کر دی۔(صاحبِ مزار نے)ارشاد فرمایا:اب دیر کاہے کی ہے؟فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔''

(ملفوظات احمد رضا،ص:275-276)

مفتی نعیمی صاحب تو''پلاؤ''پر رال ٹپکانے لگے ہیں،لیکن یہاں تو ماجرا ہی عجیب ہے کہ مزاروں پر جو کچھ ہوتا ہے،وہ بزرگوں کی ایما پر ہوتا ہے!مفتی صاحب اس نذر کو بھی

''لغوی نذر'' قرار دے کر زنا اور بدکاری کو عام کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

ان کے بقول اہلِ قبور سے ان کی گفتگو ہوتی ہے، وہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں، موج میلے میں اپنے مریدوں کو بھی شریک کرتے ہیں اور قبروں میں پڑے امورِ دنیا کی انجام دہی بھی کرتے ہیں۔ اس سارے جھوٹ اور ساری بے حیائی کو یہ لوگ ''خدائی عطا'' کا نام دیتے ہیں۔ کیا اب بھی یہ لوگ دینِ محمدی سے منحرف نہیں اور شرک و کفر کی دلدل میں پھنسے اور دھنسے نہیں ہوئے؟ کیا ایسے لوگ مشرکین مکہ سے بدتر عقیدہ نہیں رکھتے اور اہلِ سنت والجماعت کے سخت مخالف نہیں ہیں؟ قرآن وسنت کی من پسند تاویلات میں انہوں نے اہلِ کتاب کو بھی مات کر دیا ہے۔

ایک بے تکی تاویل!

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ''شامی (439/2) نے کتاب الصوم، بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا: بِأَنْ تَكُونَ صِيغَةُ النَّذْرِ لِلّٰهِ تَعَالٰى لِلتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ، وَيَكُونَ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًا بِهٖ فُقَرَائُهٗ . 'صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لیے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں' یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لیے، اس کے ثواب کا ہدیہ روحِ شیخ کے لیے، اس صدقہ کا مصرف مزارِ بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لیے نذر کرتی ہوں، جو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس۔''
(''جاء الحق'': 307/1)

کہاں وہ نذر جو سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے نام پر کی اور قرآنِ کریم نے بطور مدح اس کا ذکر کیا اور کہاں مُردوں کے نام کی وہ نذر ونیاز جو قرآن وسنت، اجماعِ امت، فقہائے

احناف اور سب مسلمانوں کے نزدیک باطل اور حرام ہے۔سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے جو نذر مانی تھی کہ میرے بطن میں جو بچہ ہے،میں نے اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔انہوں نے یہ نذر پوری کی،تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ﴾ (آل عمران 3 : 37)

''چنانچہ اس کے ربّ نے اسے بہت اچھی طرح قبول فرما لیا۔''

قبروں پر نذر و نیاز اور حدیثِ نبوی:

رہا اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مان کر اسے قبروں کے پجاریوں پر خرچ کرنا،تو یہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔یہ صریحاً شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزی ہے،جیسا کہ:

صحابیٔ رسول،سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ ؟» قَالُوا : لَا، قَالَ : «هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ ؟»، قَالُوا : لَا، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ».

''ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بُوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مان لی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس جگہ جاہلیت کے استھانوں

میں سے کوئی استھان تھا،جس کی عبادت کی جاتی ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں۔فرمایا: کیا اس جگہ اہل جاہلیت کا کوئی میلہ لگتا تھا؟ عرض کیا: نہیں۔فرمایا: اپنی نذر کو پورا کر لو۔ بلاشبہ اللہ کی نافرمانی میں کسی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں۔''

(سنن أبي داوٗد : 3313، المعجم الكبير للطبراني : 75/2، 76، ح : 340، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا کردم بن سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں نبوی الفاظ یہ ہیں:

«هَلْ بِهَا وَثَنٌ أَوْ عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِ الْجَاهِلِيَّةِ ؟» .

''کیا اس جگہ کوئی بت یا جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ تھا؟''

(سنن أبي داوٗد : 3315، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک صحابیہ نے عرض کیا: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا، مَكَانٌ كَانَ يَذْبَحُ فِيهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَ «لِصَنَمٍ ؟»، قَالَتْ : لَا، قَالَ «لِوَثَنٍ ؟»، قَالَتْ : لَا، قَالَ : «أَوْفِي بِنَذْرِكِ» .

''میں نے فلاں جگہ پر جانور ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔اس جگہ پر اہل جاہلیت جانور ذبح کیا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کسی بت کے لیے ذبح کرتے تھے؟ صحابیہ نے عرض کیا: نہیں۔فرمایا: کسی مورتی کے لیے ذبح کرتے تھے؟ عرض کیا: نہیں۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لو۔''(سنن أبي داوٗد : 3312، وسندهٗ حسنٌ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جن جگہوں پر شرک اور کفر ہوتا ہو، وہاں جائز نذر پوری کرنا بھی ممنوع اور حرام ہو جاتا ہے، بلکہ شرک تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ان احادیث میں کسی جگہ نذر کو پورا کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سوال پوچھے؛

① کیا وہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے؟

② کیا وہاں مشرکوں کا سالانہ اکٹھ یا میلہ ہوتا ہے؟

دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ملنے پر آپ ﷺ نے وہاں نذر پوری کرنے کی اجازت دی۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سوال کا جواب بھی اثبات میں مل جاتا تو اس صورت میں اجازت ممکن نہیں تھی، کیونکہ ایسا کرنا آپ ﷺ کی زبانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ کسی جگہ نذر پورا کرنے کے بارے میں یہی نبوی ضابطہ آج بھی برقرار ہے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ قبر پرست بزرگوں کی قبروں پر جو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، اسے وہ بزرگوں کی بجائے اللہ ہی کے نام کرتے ہیں، تو ایسا کرنا بھی شریعتِ اسلامیہ میں حرام اور ممنوع ہے، چہ جائیکہ ان کی نیت ہی غیر اللہ کی نذر و نیاز کی ہوتی ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

شیخ الاسلام، علامہ، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الذَّبْحَ بِمَكَانِ عِيدِهِمْ وَمَحَلِّ أَوْثَانِهِمْ مَعْصِيَةُ اللّٰهِ .

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی میلہ گاہوں اور ان کے استھانوں پر جانور ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم: 495/1)

نیز فرماتے ہیں: وَإِذَا كَانَ تَخْصِيْصُ بُقْعَةِ عِيدِهِمْ مَحْذُورًا، فَكَيْفَ بِنَفْسِ عِيدِهِمْ ؟ ''جب مشرکین کے میلے کی جگہ جانور ذبح کرنا ممنوع ہے، تو خاص ان کے میلے میں جانور ذبح کرنا کیسے جائز ہو گیا؟'' (أیضًا: 497/1)

تنبیہ ① : جناب احمد یار خان نعیمی نے مذکورۃ الصدر حدیث یوں ذکر کی ہے:

''مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح

کروں گا،تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت وغیرہ نہ ہو،تو نذر پوری کرو۔''

(''جاء الحق'':308/1)

یعنی اپنے مذہب کے خلاف پڑنے والے میلے کے الفاظ''مفتی'' صاحب نے ڈکار لیے!

تنبیہ ②: ''مفتی'' صاحب نے ایک حدیث یوں لکھی ہے:

''ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لیے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔''(''جاء الحق'':307/1-308)

لیکن یہ روایت ذخیرۂ حدیث میں موجود نہیں۔''مفتی''صاحب تو فوت ہو گئے ہیں، اب بریلوی حضرات ہی اس کا کوئی ثبوت اور ماخذ فراہم کر دیں،ورنہ مان لیں کہ۔۔۔

قبر پرستی کی بنیاد فقہ حنفی کا یہ گمراہ کن مسئلہ بنا ہے کہ تقرب الی اللہ کے لیے مزاروں اور قبروں پر نذر پوری کرنا جائز ہے۔اس حوالے سے ان کا دامن دلیل سے بالکل خالی ہے۔ اس سارے کاروبار کا اصل مقصود تو قبر اور صاحبِ قبر کی تعظیم ہوتا ہے۔باقی رہا مال تو اسے سجادہ نشین،مجاور اور ملنگ ڈکار جاتے ہیں۔مجاوری کون سا شرعی اقدام ہے؟ یہ بھی تو نری کفار کی نقالی ہے۔

نذر کی لغوی،عُرفی اور شرعی تقسیم!

جناب احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ''مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگِ اُحد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دَف بجاؤں گی۔یہ نذر بھی عُرفی تھی نہ کہ شرعی،یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔غرضیکہ لفظِ نذر کے دو معنیٰ ہیں؛ لغوی اور شرعی۔لغوی معنیٰ سے نذر بزرگانِ دین کے لیے جائز ہے،بمعنیٰ نذرانہ۔جیسے طواف کے دو معنیٰ ہیں؛ لغوی معنیٰ اس کے پاس گھومنا اور

شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے : ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ 'پرانے گھر کا طواف کریں'۔یہاں طواف شرعی معنیٰ میں ہے اور فرماتا ہے : ﴿يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ آنٍ﴾ یہاں طواف بمعنیٰ لغوی ہے۔آنا، جانا، گھومنا۔''(''جاءالحق'':1/308)

اس حدیث میں کسی سیاہ رنگ کی لونڈی کی طرف سے یہ نذر ماننے کا ذکر ہے، لیکن ''مفتی'' صاحب نے اس کا خودساختہ ترجمہ ''بعض بیویوں'' کر دیا ہے۔نیز اس حدیث کے الفاظ [بَعْض مَغَازِيهِ] کا ترجمہ ''جنگِ اُحد'' کرنا بھی غلط ہے۔

یہ روایت سنن ترمذی، مسند احمد وغیرہ میں آتی ہے۔اس کو ذکر کر کے امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) فرماتے ہیں : وَهٰذَا لِأَنَّهُ أَمْرٌ مُّبَاحٌ، وَفِيهِ إِظْهَارُ الْفَرَحِ بِظُهُورِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُجُوعِهِ سَالِمًا، فَأَذِنَ لَهَا فِي الْوَفَاءِ بِنَذْرِهَا، وَإِنْ لَّمْ يَجِبْ .

''آپ ﷺ نے اس نذر کو پورا کرنے کی اجازت اس لیے دی کہ یہ ایک جائز کام تھا۔اس سے مقصود رسول اللہ ﷺ کی جیت اور صحیح وسلامت واپسی پر خوشی کا اظہار تھا۔یہ نذر پوری کرنا اگرچہ ضروری نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ نے اسے پورا کرنے کی اجازت دے دی۔''

(السنن الصغير، تحت الحديث : 3209، السنن الكبرىٰ للبيهقي : 10/77)

شرعاً جائز نذر کو لغوی نذر قرار دے کر ناجائز اور حرام نذر کو جائز قرار دینا بہت بڑی بدبختی ہے۔حدیث کے بارے میں محدثین کرام کا فہم معتبر ہے۔صحابیہ کا مقصد یہ تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ صحیح وسلامت اور مظفر ومنصور واپس لوٹیں گے تو میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ جلیلہ پر نبی اکرم ﷺ کے سامنے دَف بجا کر خوشی کا اظہار کروں گی۔اس کا اولیاء اللہ کے نام کی نذر ونیاز اور منت منوتی سے کیا تعلق؟ ''مفتی'' صاحب کا اس حدیث سے ''حضور کی خدمت

میں خوشی کا نذرانہ' ثابت کرنا ان کی کوتاہ فہمی کی واضح دلیل ہے۔

رہا ''مفتی' صاحب کا یہ کہنا کہ طواف کے دو معنیٰ ہیں؛ ایک لغوی وعرفی اور دوسرا شرعی،تو دورِ حاضر کے مشرکین قبروں کا بھی طواف کرتے ہیں،شاید وہ لغوی طواف ہی کرتے ہوں۔اس طرح کل کلاں لغوی رکوع،لغوی سجدہ،لغوی نماز اور لغوی حج بھی مخلوق کے لیے جائز ہو جائے گا؟ لغت کا سہارا لے کر مخلوق کے لیے عبادات کو جائز قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

اہل حدیث کے ممتاز عالم،حافظ خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ (م:1997ء)فرماتے ہیں:

''مفتی صاحب کا یہ استدلال تب درست ہوسکتا ہے،اگر اولاً وہ یہ ثابت کر دیں کہ زندہ یا مردہ اولیاء کرام کی قبروں کا طواف لغوی معنوں میں جائز ہے یا لغوی معنوں میں انہیں سجدہ جائز ہے۔مفتی صاحب نے لغوی لغوی کی رَٹ لگا رکھی ہے۔بریلویوں کو چاہیے کہ اپنے عوام کو بتلا دیں کہ ان کے مذہب کا سارا تانا بانا لغوی ہے،شرعی نہیں۔عبادات اور شرعی اصطلاحات کو لغوی معنیٰ پہنا کر غیر اللہ کے لیے جائز کر دینے کو مذہبی تخریب کاری کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہ دین کی خدمت نہیں،ہندوانہ سازش ہے۔''(معرکہ حق و باطل،ص:635)

اسی سلسلے میں جناب غلام رسول سعیدی،بریلوی لکھتے ہیں:

''بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی حاجت کے وقت اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانے؛'اے داتا! اگر تو نے میری یہ حاجت پوری کر دی تو میں تیرے لیے ایک بکرا پیش کروں گا' تو یہ نذر جائز ہے،کیونکہ یہ نذر لغوی ہے۔اور جو نذر غیراللہ کی حرام ہے،وہ نذرِ فقہی یا نذرِ شرعی ہے۔اور نذرِ لغوی اور نذرِ شرعی میں ان لوگوں کے نزدیک صرف یہ فرق ہے کہ نذرِ شرعی میں اللہ کی نذر مانی جاتی ہے اور نذرِ لغوی میں اولیاء اللہ کی نذر مانی جاتی ہے۔لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے،کیونکہ اس طرح غیر اللہ کے لیے سجدہ،طواف،روزہ اور دیگر عبادات بھی جائز ہو جائیں گی،مثلاً کوئی شخص کسی ولی کو سجدہ کرے گا اور کہے گا کہ یہ لغوی

سجدہ ہے، کوئی شخص کسی ولی کی قبر کا طواف کرے گا اور کہے گا کہ یہ لغوی طواف ہے اور کوئی شخص کسی ولی کے لیے روزے رکھے گا اور کہے گا کہ یہ لغوی روزہ ہے اور اسی طرح لغت کے سہارے غیر اللہ کے لیے تمام عبادات کا دروازہ کھل جائے گا، کیونکہ جس طرح نذر بالاتفاق عبادت ہے، لیکن لغوی نذر غیراللہ کے لیے شرعاً مانی جاسکتی ہے، تو اسی طرح غیر اللہ کے لیے لغوی نماز پڑھی جاسکتی ہے، غیراللہ کے لیے لغوی روزے رکھے جاسکتے ہیں اور لغوی حج کیے جاسکتے ہیں۔ علی ہذا القیاس!'' (شرح صحیح مسلم: 4/541-542)

ایک اور دھوکہ!

''مفتی'' صاحب ایک اور طرح سے دھوکہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دیکھو! غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآنِ کریم اور نبی ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں؛ ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ * وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: أَفْلَحَ، وَأَبِيهِ (اس کے باپ کی قسم! وہ کامیاب ہو گیا)۔ مطلب یہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکامِ قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو، وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے، مگر لغوی قسم جو محض تاکیدِ کلام کے لیے ہو، وہ جائز۔ یہی نذر کا حال ہے۔'' (''جاء الحق'': 1/307)

اس کے ردّ میں جناب غلام رسول سعیدی، بریلوی کا جواب پیش خدمت ہے:

''یہ دلیل متعدد وجود سے صحیح نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ غیراللہ کے لیے قسم کا ذکر قرآن اور حدیث میں آ گیا، اس لیے اس میں تاویل کی ضرورت ہے اور غیر اللہ کے لیے نذر ماننے کا ذکر قرآن و حدیث میں نہیں ہے، اس لیے اس کو تاویل سے غیراللہ کے لیے جائز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' (شرح صحیح مسلم: 4/542)

❀❀❀❀❀❀❀

صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں چند اہم قواعد

اسم اور صفت کا معنیٰ اور ان میں فرق :

اسم: وہ لفظ ہے جو اپنا معنیٰ از خود بتا سکے۔(التعريفات للجرجاني، ص : 24)

ان الفاظ کو اسماء(نام) کہا جاتا ہے، جو چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔

(مجموع الفتاویٰ : 195/6)

ایک قول یہ ہے کہ اسم وہ لفظ ہے جو اپنے مسمّٰی کے بارے میں خبر دے، **فعل** وہ لفظ ہے جو مسمّٰی کی حرکت کے بارے میں بتائے اور حرف وہ لفظ ہے جو ایسا معنیٰ بتائے جو اسم و فعل نہ ہو۔(الكلّيّات لأبي البقاء الكفوي، ص : 83)

صفت : وہ اسم ہے جو کسی ذات کے بعض حالات کے بارے میں بتائے۔صفت اس موصوف کی لازمی علامت ہوتی ہے، جو اس کے ساتھ معروف ہوتا ہے۔

(التعريفات للجرجاني، ص : 133)

صفت وہ ہوتی ہے جس سے وصف (اسم صفت) مشتق ہوتا ہے اور اسم صفت، صفت پر دلالت کرتا ہے، جیسے علم و قدرت وغیرہ۔(الكلّيّات، ص : 546)

ابن فارس کہتے ہیں : ''کسی چیز کی لازمی علامت کو صفت کہتے ہیں۔''

(معجم مقاييس اللغة :448/5)

نیز کہتے ہیں : ''کسی چیز میں موجود خوبی کا بیان صفت کہلاتا ہے۔''

(أيضًا : 115/6)

اسم اور صفت میں فرق:

سعودیہ کی فتویٰ کمیٹی سے اسم اور صفت کا فرق پوچھا گیا تو یہ جواب دیا گیا:

''اللہ تعالیٰ کے اسماء سے مراد وہ تمام الفاظ ہیں جو باری تعالیٰ کی ذات پر اس کی کمال والی صفات کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ قادر، علیم، حکیم، سمیع، بصیر۔

یہ نام اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بھی بتاتے ہیں اور اس قدرت، علم، حکمت اور سمع و بصر کے بارے میں بتاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

جبکہ صفات وہ کمال والے اوصاف ہیں، جو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں، جیسا کہ علم و حکمت اور سمع و بصر وغیرہ۔

یوں اسم دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے اور صفت ایک چیز پر۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اسم، صفت کو متضمن ہوتا ہے اور صفت اسم کو مستلزم ہوتی ہے۔

(فتاوی اللجنة الدائمة : 116/3، الرقم : 8942)

اسم سے صفت کے اور صفت سے اسم کے فرق کو کئی طرح سے سمجھا جا سکتا ہے؛

① اسماء سے صفات بنائی جاتی ہیں، جبکہ صفات سے اسماء نہیں بنائے جا سکتے۔ مثلاً ہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی رحیم، قادر اور عظیم سے رحمت، قدرت اور عظمت والی صفات مشتق کر سکتے ہیں، لیکن ہم ارادہ، مجیئت اور مکر کی صفات سے اللہ تعالیٰ کے نام مرید، جائی اور ماکر نہیں بنا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ صفات پر مشتمل ہیں، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ قصیدۂ نونیہ میں فرماتے ہیں:

أَسْمَاءُ هُ أَوْصَافُ مَدْحٍ كُلُّهَا   مُشْتَقَّةٌ قَدْ حُمِّلَتْ لِمَعَانٍ

''اللہ تعالیٰ کے نام اوصافِ مدح ہیں اور سارے کے سارے مشتق ہیں، جو مختلف

معانی پر محمول کیے جاتے ہیں۔''

② اللہ تعالیٰ کے افعال سے اس کا کوئی نام مشتق نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبت، کراہت اور غضب کرنے کے افعال سے محب، مکرہ اور مغضب کی صورت میں اسما نہیں بنا سکتے، البتہ افعال سے صفاتِ باری تعالیٰ بنائی جا سکتی ہیں، لہٰذا ہم مذکورہ افعالِ باری تعالیٰ سے محبت، کراہت اور غضب کی صفات ثابت کریں گے۔ اسی لیے اہلِ علم نے کہا ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا دائرہ اسماءِ حسنیٰ کی نسبت وسیع ہے۔

(مدارج السالكين لابن القيّم: 415/3)

③ اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ سے پناہ بھی پکڑی جا سکتی ہے اور ان کی قسم بھی اٹھائی جا سکتی ہے، اس معاملے میں اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ مشترک ہیں۔ البتہ بندگی و دعا میں یہ مختلف ہیں کہ اسمائے حسنیٰ سے بندگی کا اظہار کیا جاتا ہے، چنانچہ ہم اپنا نام عبدالکریم، عبدالرحمٰن اور عبدالعزیز رکھ سکتے ہیں، لیکن عبدالکرم، عبدالرحمت، عبدالعزت نام رکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح اسمائے حسنیٰ کے ذریعے دُعا کی جا سکتی ہے، جیسا کہ اے رحیم! ہم پر رحم فرما، اے کریم! ہم پر کرم فرما، اے لطیف! ہم پر لطف فرما، لیکن ہم صفاتِ باری تعالیٰ کو پکار نہیں سکتے، چنانچہ اے اللہ کے کرم! اور اے اللہ کے لطف! نہیں کہا جا سکتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت کبھی موصوف نہیں ہوتی۔ اللہ کی رحمت اللہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کی صفت ہے، اسی طرح عزت اور دیگر صفات کا معاملہ ہے کہ یہ صفات ہیں، عین اللہ نہیں۔ عبادت صرف اللہ کی جائز ہے اور دُعا بھی صرف اللہ سے کی جا سکتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا﴾ (النور 24 : 55)

''وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کریں گے۔''

نیز فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر 40 : 60)
''تمہارے ربّ نے فرمایا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔''
دیگر کئی آیاتِ مبارکہ میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

(فتاوى الشيخ ابن عثيمين :26/1، بترتيب أشرف عبد المقصود)

صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں عمومی قواعد

① إِثْبَاتُ مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ لِنَفْسِهٖ فِي كِتَابِهٖ، أَوْ أَثْبَتَهٗ لَهٗ رَسُولُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَّلَا تَعْطِيلٍ، وَمِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَّلَا تَمْثِيلٍ.

''جو صفاتِ باری تعالیٰ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یا اس کے رسول ﷺ نے اپنے فرامین میں ثابت کی ہیں، بغیر تحریف و تعطیل اور تکییف و تمثیل ان سب کا اثبات کرنا ضروری ہے۔''(عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني، ص : 4، مجموع الفتاوٰى لابن تيميّة : 3/3، 182/4، 26/5، 38/6، 515/6)

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور اس کے رسول ﷺ ساری مخلوق سے بڑھ کر اپنے ربّ کی معرفت رکھتے تھے۔

② نَفْيُ مَا نَفَاهُ اللّٰهُ عَنْ نَّفْسِهٖ فِي كِتَابِهٖ، أَوْ نَفَاهُ عَنْهُ رَسُولُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَعَ اعْتِقَادِ ثُبُوتِ كَمَالِ ضِدِّهٖ لِلّٰهِ تَعَالٰى.

''اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جن چیزوں سے اپنی ذات کو منزہ و مبرا قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں جن چیزوں کی ذاتِ باری تعالیٰ سے نفی کر دی ہے، ان کی نفی کرنا اور ان کی کمال ضد کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ضروری ہے۔''

(العقيدة التدمريّة لابن تيميّة، ص : 58، الجواب الصحيح لمن بدّل دين المسيح لابن تيميّة : 139/3)

اللہ تعالیٰ سے موت کی نفی کرنے میں اس کی کمال حیات کا اثبات شامل ہے، اس سے ظلم کی نفی کرنے میں اس کے کمال عدل کا اثبات ہے اور اس سے نیند کی نفی کرنے میں اس کی کمال قیومیت کا اثبات ہے۔

③ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ تَوْقِيفِيَّةٌ، فَلَا يُثْبَتُ مِنْهَا إِلَّا مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ لِنَفْسِهِ، أَوْ أَثْبَتَهُ لَهُ رَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يُنْفٰى عَنْ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا مَا نَفَاهُ عَنْ نَّفْسِهِ، أَوْ نَفَاهُ عَنْهُ رَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات وحیٔ الٰہی پر موقوف ہے، یعنی صرف وہی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی جائیں گی، جو خود اللہ نے اپنے لیے ثابت کی ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے اس کے لیے ثابت کی ہیں۔اسی طرح صرف انہی چیزوں کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی جائے گی، جن چیزوں کی خود اللہ نے یا اس کے رسول ﷺ نے ذاتِ الٰہی سے نفی کی ہے۔''(مجموع الفتاوٰی لابن تیمیّة : 26/5)

④ اَلتَّوَقُّفُ فِي الْأَلْفَاظِ الْمُجْمَلَةِ الَّتِي لَمْ يَرِدْ إِثْبَاتُهَا وَلَا نَفْيُهَا، أَمَّا مَعْنَاهَا؛ فَيُسْتَفْصَلُ عَنْهُ، فَإِنْ أُرِيدَ بِهٖ بَاطِلٌ يُّنَزَّهُ اللّٰهُ عَنْهُ، رُدَّ، وَإِنْ أُرِيدَ بِهٖ حَقٌّ لَّا يَمْتَنِعُ عَلَى اللّٰهِ، قُبِلَ، مَعَ بَيَانِ مَا يَدُلُّ عَلَى الْمَعْنَى الصَّوَابِ مِنَ الْأَلْفَاظِ الشَّرْعِيَّةِ، وَالدَّعْوَةِ إِلَى اسْتِعْمَالِهٖ مَكَانَ هٰذَا اللَّفْظِ الْمُجْمَلِ الْحَادِثِ.

''ایسے مجمل الفاظ جن کا اثبات یا نفی ثابت نہیں، ان کے استعمال میں توقف کیا جائے۔رہا ان الفاظ کے معانی کا معاملہ، تو ایسے الفاظ استعمال کرنے والوں سے تفصیل طلب کی جائے۔اگر ان کی مراد ایسی باطل ہو جس سے اللہ تعالیٰ منزہ و مبرا ہے، تو انہیں ردّ کر دیا جائے اور اگر ان کی مراد ایسی ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں اطلاق ممتنع نہیں، تو

انہیں قبول کر لیا جائے، البتہ ساتھ ہی وہ شرعی الفاظ بھی بیان کر دیئے جائیں جو درست معنیٰ پر دلالت کرتے ہوں، نیز ان نئے مجمل الفاظ کی بجائے شرعی الفاظ کے استعمال کی ترغیب بھی دی جائے۔''

(التدمریّة لابن تیمیّة، ص: 65، مجموع الفتاوٰی لابن تیمیّة: 299/5، 36/6)

اس کی مثال لفظِ جہت ہے۔ہم اس کے اثبات یا نفی میں توقف کریں گے اور اس کا اطلاق کرنے والے سے یہ سوال کریں گے: آپ کی اس لفظ سے کیا مراد ہے؟ اگر وہ کہے کہ میری مراد ایسی جگہ ہے، جو ذاتِ باری تعالیٰ کو محیط ہے، تو ہم کہیں گے: یہ معنیٰ باطل ہے، اس سے اللہ تعالیٰ منزہ ومبرا ہے۔ہم اس معنیٰ کو ردّ کر دیں گے۔ البتہ اگر وہ کہے کہ میری مراد مطلق بلندی ہے، تو ہم کہیں گے: یہ معنٰی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ممتنع نہیں۔ہم اس معنیٰ کو قبول کر لیں گے، لیکن ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ اس طرح کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے: اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر یا بلندی میں ہے۔صحیح دلائل انہی الفاظ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔لفظِ جہت تو مجمل اور نیا لفظ ہے، جس کا ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں استعمال ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔

⑤ كُلُّ صِفَةٍ ثَبَتَتْ بِالنَّقْلِ الصَّحِيحِ، وَافَقَتِ الْعَقْلَ الصَّرِيحَ، وَلَا بُدَّ.

''ہر وہ صفت جو نقل صحیح سے ثابت ہو، ضروری طور پر عقل صریح کے بھی موافق ہوتی ہے۔''(مختصر الصواعق المرسلة لابن القيّم: 141/1، 253)

⑥ قَطْعُ الطَّمْعِ عَنْ إِدْرَاكِ حَقِيقَةِ الْكَيْفِيَّةِ.

''ضروری ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت کے ادراک کی خواہش نہ کی جائے۔''

(منهج ودراسات لآيات الأسماء والصفات للشنقيطي، ص: 26)

کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ (طٰهٰ 20 : 110)

''وہ اللہ کا علم کے ذریعے احاطہ نہیں کر سکتے۔''

⑦ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ تُثْبَتُ عَلٰى وَجْهِ التَّفْصِيلِ، وَتُنْفٰى عَلٰى وَجْهِ الْإِجْمَالِ.

''جب کسی صفت کو باری تعالیٰ کے لیے ثابت کیا جائے، تو تفصیل کی جائے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی چیز کی نفی کی جائے، تو اجمال سے کام لیا جائے۔''

(مجموع الفتاوٰى لابن تيميّة : 37/6، 515)

صفات کے اثبات میں تفصیل یوں ہوگی کہ سمع و بصر اور دیگر صفات کو الگ الگ ثابت کیا جائے، جبکہ نفی میں اجمال یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کی نفی کرتے ہوئے صرف یہ کہا جائے کہ:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشورٰى 42 : 11)

''اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں۔''

⑧ كُلُّ اسْمٍ ثَبَتَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؛ فَهُوَ مُتَضَمِّنٌ لِّصِفَةٍ، وَّلَا عَكْسَ.

''ہر وہ اسم جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے، اس میں کوئی نہ کوئی صفت ضرور موجود ہے، لیکن ہر صفت سے کوئی نام ثابت نہیں ہوتا۔'' (بدائع الفوائد لابن القيّم : 162/1، القواعد المثلٰى في صفات اللّٰه وأسمائه الحسنٰى لابن عثيمين، ص : 30)

اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام ''رحمٰن'' میں صفتِ رحمت موجود ہے، اسی طرح ''کریم'' میں صفتِ کرم اور ''لطیف'' میں صفتِ لطف موجود ہے، لیکن صفاتِ باری تعالیٰ

''ارادہ،اتیان،استواء''وغیرہ سے نام بنا کر ہم اللہ تعالیٰ کو''مرید،آتی،مستوی''نہیں کہہ سکتے۔

⑨ صِفَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى كُلُّهَا صِفَاتُ كَمَالٍ، لَا نَقْصَ فِيهَا بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوهِ .

''اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمال والی ہیں،ان میں کسی قسم کا کوئی نقص موجود نہیں۔''(مجموع الفتاوٰی لابن تیمیّة : 206/5، مختصر الصواعق المرسلة لابن القیّم : 232/1، بدائع الفوائد لابن القیّم :168/1)

⑩ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ذَاتِيَّةٌ وَّفِعْلِيَّةٌ، وَالصِّفَاتُ الْفِعْلِيَّةُ مُتَعَلِّقَةٌ بِأَفْعَالِهٖ، وَأَفْعَالُهٗ لَا مُنْتَهٰى لَهَا .

''اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی بھی ہیں اور فعلی بھی۔جو صفات فعلی ہیں،وہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے تعلق رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی انتہا (شمار)نہیں،(لہٰذا فعلی صفات بھی بے شمار ہیں)۔''

(القواعد المثلٰی في صفات اللّٰه وأسمائه الحسنٰی لابن عثيمين، ص : 30)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ﴾ (إبراهيم 14 : 27)

''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے،کرتا ہے۔''

⑪ دَلَالَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ عَلٰى ثُبُوتِ الصِّفَةِ؛ إِمَّا التَّصْرِيحُ بِهَا، أَوْ تَضَمُّنُ الِاسْمِ لَهَا، أَوِ التَّصْرِيحُ بِفِعْلٍ أَوْ وَصْفٍ دَالٍّ عَلَيْهَا .

''کتاب و سنت سے کسی صفتِ باری تعالیٰ کا ثبوت تین طرح سے ہوسکتا ہے ؛ایک اس کا واضح بیان آ جائے ،دوسرے کسی نام سے ثابت ہو جائے ،تیسرے کسی فعل و وصفِ

باری تعالیٰ سے اس کا اثبات ہو جائے۔‘‘

(القواعد المثلٰی في صفات اللّٰه وأسمائه الحسنٰی لابن عثيمين، ص : 38)

۱۔ تصریح کی مثال، جیسے رحمت، عزت، قوت، چہرہ، دو ہاتھ اور انگلیوں کی صفاتِ باری تعالیٰ صریح طور پر قرآن وسنت میں مذکور ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے کسی نام سے صفت کا ثبوت، جیسے اللہ تعالیٰ کے نام ’’بصیر‘‘ میں صفتِ بصر اور ’’سمیع‘‘ میں صفتِ سمع موجود ہے۔

۳۔ کسی فعل ووصفِ باری تعالیٰ سے صفت کا اثبات، جیسے صفتِ استوا اس فرمانِ باری تعالیٰ سے ثابت ہو رہی ہے :

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰهٰ 20 .5)

’’رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔‘‘

نیز اس فرمانِ باری تعالیٰ سے صفتِ انتقام ثابت ہو رہی ہے :

﴿إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾ (السجدة 32 : 22)

’’یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔‘‘

⑫ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يُسْتَعَاذُ بِهَا وَيُحْلَفُ بِهَا .

’’صفاتِ باری تعالیٰ کی پناہ پکڑی جا سکتی ہے اور ان کی قسم بھی اٹھائی جا سکتی ہے۔‘‘(مجموع الفتاوٰی لابن تيمية : 143/6، 229، 273/35)

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے :

«أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ» .

’’(اے اللہ!) میں تیرے غصے سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں۔‘‘(صحیح مسلم : 486)

اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الایمان والنذور'' میں یہ باب قائم فرمایا ہے:

بَابُ الْحَلِفِ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهِ وَكَلِمَاتِهِ .

''اللہ تعالیٰ کی عزت، اس کی دیگر صفات اور اس کے کلمات کی قسم اٹھانے کا بیان۔''

⑬ اَلْكَلَامُ فِي الصِّفَاتِ كَالْكَلَامِ فِي الذَّاتِ .

''صفاتِ باری تعالیٰ کا معاملہ بالکل ذاتِ باری تعالیٰ کی طرح ہے۔''

(الكلام على الصفات للخطيب البغدادي، ص: 20، الحجّة في بيان المحجّة لقوّام السنّة الأصبهاني: 174/1، التدمريّة لابن تيميّة، ص: 43، مجموع الفتاوٰى لابن تيميّة: 330/5، 355/6)

یعنی جس طرح اس کی ذات حقیقی ہے، لیکن مخلوق کی ذاتوں سے مشابہ نہیں، اسی طرح اس کی صفات بھی حقیقی ہیں، لیکن مخلوق کی صفات سے مشابہ نہیں۔ نیز جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں وجود کا اثبات کیا جاتا ہے، کیفیت کا نہیں، اسی طرح صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں بھی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔

⑭ اَلْقَوْلُ فِي بَعْضِ الصِّفَاتِ كَالْقَوْلِ فِي الْبَعْضِ الْآخَرِ .

''کچھ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو (اقراری) رویہ اختیار کیا جاتا ہے، وہ باقی تمام صفات کے بارے میں بھی اختیار کرنا ضروری ہے۔''

(التدمريّة لابن تيميّة، ص: 31، مجموع الفتاوٰى لابن تيميّة: 212/5)

یعنی جو شخص سمع و بصر اور ارادہ کی صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کرتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا، غضب اور کراہیت والی صفات کو بھی تسلیم کرے۔ کچھ صفات کا اقرار اور کچھ کا انکار عقلی طور پر بھی درست نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں فرق والی روش اختیار کرتا ہے، حالانکہ ساری صفات اسبابِ حقیقت ومجاز میں برابر ہیں، ایسے شخص کا قول متناقض ہے، اس کا مذہب بے تکا ہے اور وہ ان لوگوں کی روش اختیار کیے ہوئے ہے، جو کتاب کی بعض آیات پر ایمان لاتے اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔''(مجموع الفتاوٰی : 212/5)

⑮ مَا أُضِيفَ إِلَى اللّٰهِ مِمَّا هُوَ غَيْرُ بَائِنٍ عَنْهُ؛ فَهُوَ صِفَةٌ لَّهٗ غَيْرُ مَخْلُوقَةٍ، وَكُلُّ شَيْءٍ أُضِيفَ إِلَى اللّٰهِ بَائِنٌ عَنْهُ؛ فَهُوَ مَخْلُوقٌ، فَلَيْسَ كُلُّ مَا أُضِيفَ إِلَى اللّٰهِ يَسْتَلْزِمُ أَنْ يَّكُونَ صِفَةً لَّهٗ .

''جس چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور وہ چیز اللہ سے جدا نہیں ہے، وہ اللہ کی صفت ہے، مخلوق نہیں۔ اس کے برعکس جس چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، لیکن وہ اس سے جدا ہے، وہ مخلوق ہے۔ ہر وہ چیز جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، ضروری نہیں کہ وہ اللہ کی صفت ہی ہو۔''

(الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح لابن تیمیّة : 145/3، مجموع الفتاوٰی لابن تیمیّة : 290/9، مجموع فتاوٰی ورسائل ابن عثیمین :166/1)

جو چیز اللہ کی طرف منسوب ہے اور اس سے جدا نہیں، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر اور رضا وسخط (ناراضی) ہے۔ یہ اللہ کی صفات ہیں۔

اور جو چیز اللہ کی طرف منسوب ہے، لیکن اس سے جدا ہے، اس کی مثال بیت اللہ (اللہ کا گھر) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی)۔ بیت یا ناقہ کو اللہ کی صفت نہیں کہا جا سکتا۔

⑯ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسَائِرُ مَسَائِلِ الِاعْتِقَادِ تَثْبُتُ بِمَا ثَبَتَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ كَانَ حَدِيثًا وَّاحِدًا، وَإِنْ كَانَ آحَادًا .

''صفاتِ باری تعالیٰ اور تمام اعتقادی مسائل رسول اللہ ﷺ کی ایک ہی حدیث، چاہے وہ آحاد ہی ہو، سے ثابت ہو جاتے ہیں۔''

(مختصر الصواعق المرسلة لابن القيّم : 2/332، 412، 433)

⑰ مَعَانِي صِفَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الثَّابِتَةُ بِالْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ مَعْلُومَةٌ، وَتُفَسَّرُ عَلَى الْحَقِيقَةِ، لَا مَجَازَ وَلَا اسْتِعَارَةَ فِيهَا أَلْبَتَةَ، أَمَّا الْكَيْفِيَّةُ؛ فَمَجْهُولَةٌ .

''جو صفاتِ باری تعالیٰ کتاب وسنت سے ثابت ہیں، ان کے معانی معلوم ہیں، ان کا حقیقی معنیٰ ہی لیا جائے، ان کے معانی میں مجاز و استعارہ کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ رہی ان کی کیفیت تو وہ معلوم نہیں۔''(التدمريّة لابن تيميّة، ص : 43-44، مجموع الفتاوٰى لابن تيميّة : 5/36-42، مختصر الصواعق المرسلة لابن القيّم :2/1)

⑱ مَا جَاءَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ، وَجَبَ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ الْقَوْلُ بِمُوجَبِهٖ وَالْإِيمَانُ بِهٖ، وَإِنْ لَّمْ يَفْهَمْ مَعْنَاهُ .

''کتاب وسنت میں جو بات ذکر ہو جائے، اس کا معنیٰ سمجھ نہ بھی سکے، تو ہر مؤمن کے لیے اس پر ایمان لانا اور اسی کے مطابق اپنا مذہب بنانا فرض ہو جاتا ہے۔''

(التدمريّة لابن تيميّة، ص : 65، مجموع الفتاوٰى لابن تيميّة : 5/298، دقائق التفسير لابن تيميّة : 5/245)

⑲ بَابُ الْإِخْبَارِ أَوْسَعُ مِنْ بَابِ الصِّفَاتِ، وَمَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ مِنَ الْإِخْبَارِ؛ لَا يَجِبُ أَنْ يَّكُونَ تَوْقِيفِيًّا، كَالْقَدِيمِ، وَالشَّيْءِ ، وَالْمَوْجُودِ ـــ .

''اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سلسلے میں بیان، صفات کے دائرے سے بہت وسیع ہے۔ یہ

بیان توقیفی ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دینے کے لیے قدیم، شے اور موجود کے الفاظ استعمال کرنا۔'' (بدائع الفوائد لابن القيّم :162/1)

۲۰ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُقَاسُ عَلَيْهَا .

''صفاتِ باری تعالیٰ میں (ایک کو دوسری پر) قیاس کرنا جائز نہیں۔''

(شأن الدعاء للخطابي، ص :111)

مثلاً صفتِ ''سخاء'' کو ''جُود'' پر، ''ہمت'' کو ''قوت'' پر، ''استطاعت'' کو ''قدرت'' پر، ''رقت'' کو ''رحمت و رافت'' پر اور ''معرفت'' کو ''علم'' پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں نصوصِ شرعیہ سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

۲۱ صِفَاتُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا حَصْرَ لَهَا، لِأَنَّ كُلَّ اسْمٍ يَتَضَمَّنُ صِفَةً،_____، وَأَسْمَاءُ اللّٰهِ لَا حَصْرَ لَهَا، فَمِنْهَا مَا اسْتَأْثَرَ اللّٰهُ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَهٗ .

''اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار ہیں، کیونکہ ہر اسم میں کوئی نہ کوئی صفت موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا شمار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ نام تو ایسے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس علم غیب میں چھپائے ہوئے ہیں۔''

صفاتِ باری تعالیٰ کی اقسام

اللہ تعالیٰ کی صفات کو تین طرح سے تقسیم کیا جا سکتا ہے؛

۱ اثبات و نفی کے اعتبار سے۔

۲ ذاتِ الٰہی اور افعالِ باری تعالیٰ سے تعلق رکھنے کے اعتبار سے۔

۳ ثبوت و دلائل کے اعتبار سے۔

ان تینوں قسموں میں سے ہر قسم کی پھر دو قسمیں ہیں؛
آیئے تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں:

① اثبات ونفی کے اعتبار سے:

(ا) صفاتِ ثبوتیہ:

یہ وہ صفات ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اللہ کے لیے ثابت کیا ہے، مثلاً صفتِ استوا، نزول، وجہ (چہرہ)، ید (ہاتھ) وغیرہ۔ یہ ساری مدح و کمال پر مشتمل صفات ہیں۔ کتاب وسنت میں منقول اکثر صفاتِ باری تعالیٰ اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا اثبات ضروری ہے۔

(ب) صفاتِ سلبیہ:

یہ وہ صفات ہیں، جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے یا اس کے رسول ﷺ نے ذاتِ باری تعالیٰ سے نفی کیا ہے۔ یہ ساری نقص والی صفات ہیں، مثلاً موت، اونگھ، نیند، ظلم وغیرہ۔ عموماً کتاب و سنت میں ان صفات سے پہلے حرفِ نفی، جیسے لا، ما، لیس وغیرہ آتا ہے۔ ان صفات کی ذاتِ باری تعالیٰ سے نفی کرنا اور ان کی کمال والی ضد [جیسے موت کی ضد کمال حیات ہے] کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ضروری ہے۔

② ذاتِ الٰہی اور افعالِ باری تعالیٰ سے تعلق رکھنے کے اعتبار سے:

(ا) صفاتِ ذاتیہ:

یہ وہ صفات ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا، مثلاً علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، چہرہ، ہاتھ، وغیرہ۔

(ب) صفاتِ فعلیہ:

یہ وہ صفات ہیں، جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت وقدرت سے ہوتا ہے، اللہ چاہے تو

کرے،نہ چاہے تو نہ کرے،مثلاً مجیئت (آنا)،نزول،غضب،فرح (خوش ہونا)،ضحک (ہنسنا) وغیرہ۔انہیں صفاتِ اختیاریہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے افعال بھی دو طرح کے ہوتے ہیں:

① افعالِ لازمہ، جیسے استواء،نزول،اتیان وغیرہ۔

② افعالِ متعدیہ، جیسے خلق،عطاء وغیرہ۔

افعالِ باری تعالیٰ کا کوئی شمار نہیں۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ﴾ (إبراهيم 14 : 27)

''اور اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔''

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ کا بھی کوئی شمار نہیں۔

ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے کی بنا پر صفاتِ فعلیہ کو صفاتِ ذات بھی کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے صادر ہونے والے اقوال و افعال سے تعلق کی بنا پر انہیں صفاتِ افعال کا نام بھی دیا جاتا ہے۔اس کی مثال صفتِ کلام ہے کہ یہ صفت اپنی اصل اور نوع کے اعتبار سے صفتِ ذات ہے اور کلام کی اکائی اور فرد ہونے کے اعتبار سے صفتِ فعل ہے۔

③ ثبوت و دلائل کے اعتبار سے:

(ا) صفاتِ خبریہ:

یہ وہ صفات ہیں،جن کے اثبات کا انحصار صرف اللہ اور اس کے رسول سے منقول خبر پر ہے۔انہیں صفاتِ سمعیہ یا نقلیہ بھی کہا جاتا ہے۔ان میں صفات ذاتیہ بھی ہوسکتی ہیں،جیسے چہرہ اور دو ہاتھ ہیں اور فعلیہ بھی ہوسکتی ہیں،جیسے فرح وضحک وغیرہ۔

(ب) صفاتِ سمعیہ وعقلیہ:

یہ ایسی صفات ہیں،جن کا اثبات نقلی دلائل سے بھی ہوتا ہے اور عقلی دلائل سے بھی۔یہ

کبھی صفاتِ ذاتیہ ہوتی ہیں،جیسے حیات،علم، قدرت وغیرہ اور کبھی صفاتِ فعلیہ ہوتی ہیں،جیسے خلق اور عطا وغیرہ۔

صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کے ثمرات

صفاتِ باری تعالیٰ کے علم،ان پر ایمان اور تدبر کے بڑے ثمرات اور گراں قدر فوائد ہیں۔ان فوائد وثمرات کو حاصل کرنے والے ایمان کی حلاوت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔لوگوں کی ایک بڑی تعداد،جو تعطیل و تاویل اور تشبیہ کی مرتکب ہے،ان فوائد سے محروم ہو گئی ہے۔ صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کے کچھ فوائد وثمرات درجِ ذیل ہیں:

① صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بندہ اپنی اوقات کے مطابق ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ اہل دانش کو معلوم ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی صفات اپنانا پسند کرتا ہے،اسی طرح محبوب بھی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا محبّ اس کی صفات کو اپنائے۔یہ بات اپنے ربّ سے محبت کرنے والے بندے کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی اوقات کے مطابق صفاتِ باری تعالیٰ سے متصف ہو۔اللہ تعالیٰ کریم ہے،کرم کو پسند کرتا ہے،رحیم ہے،رحم کو پسند کرتا ہے، نرم ہے،نرمی کو پسند کرتا ہے۔جب بندے کو یہ صفات معلوم ہوں گی تو وہ کرم،رحم اور نرمی کی صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرے گا۔یہی معاملہ ان باقی صفات کا ہے،جن سے بندوں کا متصف ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

② بندہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفتِ محبت پر ایمان لاتا ہے اور اسے علم ہوتا ہے کہ اللہ رحیم اور ودود(محبت کرنے والا)ہے تو وہ اپنے ربّ سے مانوس ہو جاتا ہے اور ان کاموں سے اس کا تقرب حاصل کرتا ہے ،جن سے اللہ کی محبت و مودّت زیادہ ہوتی ہے،جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے:

«وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ، حَتّٰى أُحِبَّهٗ».

''بندہ نفلی کاموں کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے،حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔''(صحيح البخاري: 6502)

اسی طرح بندہ ان لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے،جن کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

«إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهٗ، قَالَ: فَيُحِبُّهٗ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ، فَيَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهٗ أَهْلُ السَّمَاءِ، قَالَ: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ».

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں،تم بھی اس سے محبت کرو۔جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں،پھر جبریل علیہ السلام آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے،تم سب بھی اس سے محبت کرو۔آسمان کی تمام مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس بندے کے بارے میں نیک نامی ڈال دی جاتی ہے۔''(صحيح البخاري: 3209، صحيح مسلم: 2637، واللفظ لهٗ)

اس عظیم صفت پر ایمان کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جو بندہ اللہ کا محبوب بننا چاہتا ہے، وہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی شروع کر دیتا ہے،جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران 3: 31)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

اللہ کی بندے سے محبت کا دارومدار بندے کی اللہ سے محبت پر ہے۔ جب بندے کے دل میں محبت کا درخت لگ جائے اور اسے اخلاص اور نبی اکرم ﷺ کی پیروی کا پانی ملنا شروع ہو جائے، تو وہ اللہ کی توفیق سے ہر وقت طرح طرح کے ثمرات دیتا رہتا ہے۔

③ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم، احاطہ اور معیت پر ایمان لے آتا ہے، تو اس پر ذاتِ باری تعالیٰ کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ جب وہ صفتِ سمع پر ایمان لاتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ساری باتیں سنتا ہے، چنانچہ وہ صرف اچھی بات اپنی زبان سے ادا کرتا ہے۔ جب وہ صفتِ بصر، رؤیت، نظر اور عین پر ایمان لاتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، چنانچہ وہ صرف اچھے کام ہی کرتا ہے۔

جس بندے کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی باتیں سن رہا ہے اور اس کے کاموں کو دیکھ رہا ہے، جو کچھ وہ کہتا ہے یا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، آپ کے خیال میں کیا ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو وہاں نہ پائے، جہاں سے اس نے اسے منع کیا ہے اور وہاں سے وہ بندہ غائب نہ ہو، جہاں جانے کا اس نے اسے حکم دیا ہے؟

جب اس بندے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ اس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت بھی کرتا ہے اور راضی بھی ہوتا ہے، تو وہ ایسے اعمال سرانجام دیتا ہے، جن کو اس کا معبود و محبوب پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔ جب یہی بندہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ غضب، کراہیت، ناراضی، لعنت پر ایمان لاتا ہے، تو وہ ایسے اعمال کرتا ہے، جو اس کے ربّ کو غصہ نہیں دلاتے اور جن کو وہ ناپسند نہیں کرتا، تاکہ اس کا ربّ ناراض ہو کر اس پر لعنت کر کے اسے اپنی رحمت سے دُور نہ کر دے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشی، بشاشت اور ہنسنے (جیسا اس کی شان کو لائق ہے) کی صفت پر ایمان لاتا ہے، تو وہ اس ربّ سے مانوس ہو جاتا ہے، جو بندوں سے خوش بھی ہوتا

ہے اور ان پر ہنستا بھی ہے۔

④ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت، رافت، رجوع، لطف، معافی، مغفرت، پردہ پوشی اور قبولیتِ دعا کا علم ہوتا ہے اور وہ ان صفات پر ایمان لاتا ہے، تو جب بھی وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اپنے لیے اللہ سے رحمت، مغفرت اور قبولیتِ توبہ کی دُعا کرتا ہے، نیز اللہ کے ہاں اپنے مؤمن بندوں کے لیے پردہ پوشی اور لطف و کرم کی جو عنایت ہے، بندہ اس کا طمع کرتا ہے۔ جب بھی اس سے کوئی گناہ ہوتا ہے، یہ چیزیں اسے اللہ کی طرف رجوع اور توبہ پر آمادہ کرتی ہیں اور یوں کبھی ناامیدی اس کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر پاتی۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتِ صبر و حلم پر ایمان رکھتا ہے، وہ کیسے مایوس ہوسکتا ہے؟ وہ شخص اللہ کی رحمت سے ناامید کیسے ہوگا، جو جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کرم، جود اور عطاء کی صفات سے متصف ہے؟

⑤ جو شخص یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قہر، غلبے، بادشاہت اور نگرانی کی صفات سے متصف ہے، اسے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، وہ زمین میں دھنسانے اور آخرت سے پہلے دنیا میں عذاب دینے پر قادر ہے، وہ اپنے بندوں پر مکمل غلبہ اور کنٹرول رکھتا ہے اور وہ قدیم بادشاہت اور سلطنت والا ہے۔

⑥ صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہمہ وقت اپنے ربّ سے مانگنے میں مشغول رہتا ہے۔ جب گناہ کر بیٹھے، تو اس کی صفتِ رحمت، رجوع، معافی اور مغفرت کے وسیلے سے رحمت، معافی اور مغفرت کی دُعا کرتا ہے۔ اگر اسے کسی ظالم و جابر دشمن سے ڈر محسوس ہو، تو اپنے ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف بلند کرتے ہوئے قوت، غلبے، سلطان، قہر اور جبروت کی صفاتِ باری تعالیٰ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ

اے قوت وسلطنت اور قہر و غلبے والی ذات! مجھے اس دشمن کے مقابلے میں کافی ہو جا۔

اگر وہ ایمان رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کفالت کرنے والا، حفاظت کرنے والا، کافی ہونے والا اور کارساز ہے، تو وہ کہتا ہے: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وہ واحد، احد اور بے نیاز پر توکل کرتا ہے۔ اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ عزت، شدت، انتقام، قوت اور طاقت والی ذات اسے دشمنوں سے بچالے گی۔

جب اس پر تنگدستی آ جائے، تو وہ غناء، کرم، جود اور عطاء والی صفات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے۔ جب اسے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے، تو وہ اللہ کو پکارتا ہے، کیونکہ اللہ طبیب، شفا دینے والا اور کافی ہو جانے والا ہے۔ اگر وہ اولاد سے محروم ہو، تو وہ اللہ سے نیک اولاد کی دُعا کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے۔ یوں صفاتِ باری تعالیٰ کا علم رکھنے اور ان پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہتا ہے۔

⑦ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظمت، جلال، قوت اور غلبے پر غور وفکر کرتا ہے، تو اپنے آپ کو حقیر سمجھنے اور جاننے لگتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کی صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، تو وہ کبھی کسی پر تکبر نہیں کرتا، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جب اسے علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غناء، بادشاہت اور عطاء کی صفات سے متصف ہے، تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے اس غنی آقا اور مالک الملک کا محتاج ہے جو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔

⑧ جب بندے کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قوت، عزت اور غلبے کی صفات سے متصف ہے اور ان پر ایمان بھی لے آتا ہے، تو یہ بات بھی بخوبی جان لیتا ہے کہ اس کی

قوت وعزت اللہ کی دی ہوئی ہے، چنانچہ وہ کسی کافر کے سامنے ذلیل وخوار نہیں ہوتا۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کا فرمانبردار رہے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا حامی و مددگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے امر پر کسی کو غلبہ نہیں۔

⑨ اللہ کی صفات پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حاکمیت، الوہیت، شریعت سازی اور تحلیل وتحریم میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی وحی کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اپنے فیصلے وحی کی طرف ہی لے کر جاتا ہے، وہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کہتا، نہ اللہ کی حرام کردہ کو حلال کہتا ہے۔

⑩ جب کوئی بندہ یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کو لائق ہے، وہ صفتِ کید، مکر، استہزاء اور خداع سے متصف ہے، تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے خلاف مکر وتدبیر نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی بہترین مکر وتدبیر کرنے والا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ سے استہزاء نہیں کر سکتا، نہ اسے دھوکا دے سکتا ہے، کیونکہ جیسے اللہ کی شان کو لائق ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے استہزاء کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بندے سے ناراض ہو جاتا ہے اور اسے سزا دیتا ہے۔ گویا ان صفات پر ایمان بندے کو اللہ کے غصے اور ناراضی والے کاموں میں ملوث ہونے سے بچاتا ہے۔

⑪ بندہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے اور اس کے ذکر کو ترک نہ کرے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صفتِ نسیان (فراموشی) اور ترک (بے یار و مددگار چھوڑنے) سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو فراموش کرنے، یعنی بے یار و مددگار چھوڑنے پر قادر ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبة 9 : 67)

"انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں فراموش کر (بے یارو مددگار چھوڑ) دیا۔"

اس طرح بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو یاد رکھتا ہے۔

⑫ جو بندہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلامتی،امن اور صدق کی صفت سے متصف ہے،وہ اپنے اندر اطمینان اور امن پسندی محسوس کرتا ہے۔اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلامتی والا ہے اور سلامتی کو پسند کرتا ہے،تو وہ مؤمنوں کے درمیان سلامتی پھیلاتا ہے اور یہی وہ مؤمن ہوتا ہے جس کے ظلم سے مخلوق محفوظ و مامون رہتی ہے۔جب بندے کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ صدق کی صفت سے متصف ہے اور اس نے نیک اعمال کرنے کی صورت میں ایسے باغات کا وعدہ دیا ہے،جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں،تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا سچا ہے،وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔

یہ عقیدہ بندے کو اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ مطیع وفرمانبردار بنا دیتا ہے،اس مزدور اور محنت کش کی طرح جو اپنے آقا اور کام لینے والے پر مکمل بھروسا رکھتا ہو کہ وہ اسے اس کا پورا حق بھی دے گا اور زائد انعام بھی دے گا۔

⑬ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خبریہ،جیسے چہرہ،دو ہاتھ،انگلیاں،پورے،دو قدم،پنڈلی وغیرہ،بندوں کے لیے سخت امتحان سے کم نہیں۔جو شخص ان صفات کو اس طرح تسلیم کر لیتا ہے،جس طرح یہ اللہ کو لائق ہیں اور اس سلسلے میں کسی تمثیل،تحریف اور تکییف سے کام نہیں لیتا،صفتِ علم،حیات،قدرت اور ان صفات میں (تسلیم کرنے کے حوالے سے) کوئی فرق نہیں کرتا،وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔اس کے برعکس جس شخص نے اپنی عقلِ سقیم کو نقلِ صحیح پر مقدم کر لیا،ان صفات کی تاویل کرنے لگا،ان کو مجاز قرار دیا اور ان (کو تسلیم کرنے) میں تحریف وتعطیل سے کام لیا،وہ واضح خسارے میں مبتلا ہو گیا۔اس نے ایک صفت کے ساتھ اور معاملہ کیا،جبکہ دوسری کے ساتھ اور۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے،اس شخص نے اس میں اللہ کی تکذیب کر دی اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ

تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے،اس میں آپ ﷺ کو بھی جھٹلا دیا۔

اگر ان صفاتِ خبریہ پر ایمان لانے کا صرف یہ فائدہ ہوتا کہ بندہ ان کو تسلیم کر کے موحّدین میں شمار ہو جاتا ،تو یہ بھی کافی تھا اور اگر ان صفات پر ایمان کا فائدہ صرف یہی ہوتا کہ ان کے ذریعے اللہ ورسول کی تصدیق کرنے والے مؤمن اور اللہ ورسول کے خلاف جسارت کرنے والے اور ان کے فرامین کی تحریف کرنے والے گستاخ کے درمیان فرق ہو جاتا،تو یہ ثمرہ بھی کافی تھا۔ چہ جائیکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ان صفاتِ خبریہ پر ایمان کے اور بھی بہت سے عظیم فوائد ہیں۔

ایک تو یہ کہ جب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی شان کے لائق چہرہ ہے اور قیامت کے دن اس پر نظر ڈالنا اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہو گی،جس کا وعدہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے کیا ہے،تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے معزز چہرے کی طرف دیکھنے کا سوال کریں گے اور اللہ یہ نعمت آپ کو دے دیں گے۔

جب آپ کا یہ ایمان ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا ایسا بھرا ہوا ہاتھ ہے،جس کی عطا میں کبھی کمی نہیں آتی اور ساری بھلائی اس کے ہاتھوں میں ہے ،تو آپ اللہ سے اس کے ہاتھوں کی عطا کا سوال کریں گے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے ،تو آپ اس سے اپنے دل کی دین پر استقامت کی دُعا کریں گے۔

(۱۴) صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو نقائص سے منزہ و مبرا قرار دیتا ہے اور کمال والی صفات کے ساتھ اسے متصف کرتا ہے۔جس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ قدوس اور سبوح اللہ کی صفات ہیں،وہ اللہ کو ہر عیب و نقص سے پاک قرار دے گا اور وہ یقین کر لے گا کہ:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ 42 :11)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

⑮ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتِ حیات و بقاء کے بارے میں جان لے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایسے معبود کی عبادت کرتا ہے، جو کبھی نہیں مرے گا اور اسے نہ نیند آتی ہے، نہ اونگھ۔ یہ عقیدہ اس کے دل میں اپنے ربّ کے لیے محبت و تعظیم اور تکریم پیدا کر دے گا۔

⑯ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عُلُوّ، فوقیت، استواء علی العرش، نزول، قرب اور دُنُوّ پر ایمان لانے کی وجہ سے بندے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں حلول کرنے سے پاک ہے، وہ ہر چیز سے بلند ہے، ہر چیز پر مطلع ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے، اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنے علم کے اعتبار سے اپنے بندے کے قریب ہے، جب بندے کو اپنے رب سے کوئی حاجت ہوتی ہے تو وہ اس کو اپنے قریب پاتا ہے، اس سے دُعا و التجا کرتا ہے، اللہ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے، رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف، جیسے اس کی شان کو لائق ہے، نزول کرتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے، تو میں اس کی پکار کو قبول کروں۔

یہ اعتقاد بندے میں ان اوقات کی تلاش کا طمع پیدا کر دیتا ہے، جن میں بندہ اپنے ربّ سے خلوت میں ملاقات کر سکے۔ اللہ سبحانہ اپنی بلندی کے باوجود (علم کے لحاظ سے) قریب ہے اور اپنے قرب کے باوجود (ذات کے اعتبار سے) دُور ہے۔

⑰ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام پر ایمان اور قرآنِ کریم کو کلام اللہ تسلیم کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے، تو محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام پڑھ رہا ہے۔ جب وہ یہ آیت پڑھتا ہے کہ:

﴿يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾ (الانفطار 82 : 6)

''اے انسان! تجھے تیرے کریم رب کے متعلق کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے؟''

تو وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ سے ہم کلام محسوس کرتا ہے، اس کا دل خوف سے ہوا ہونے لگتا ہے۔اسی طرح جب بندہ صفتِ کلام پر ایمان لانے کے بعد یہ صحیح حدیث پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اس طرح کلام فرمائے گا کہ درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا، تو وہ دنیا میں اللہ کی نافرمانی سے گریز کرتا ہے اور اس سوال و جواب اور حساب و کتاب کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر ایمان لانے کے ایسے ہی عظیم فوائد وثمرات ہیں۔اہل سنت پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کی ہر صفت پر اسی طرح ایمان لے آئے، جس طرح وہ اس کی شان کے لائق ہے!

نوٹ : یہ مضمون علامہ علوی بن عبد القادر سقاف کی کتاب **صفات اللّٰه عزّوجلّ الواردة فی الکتاب والسنّة** سے ماخوذ ہے۔

ہر منصف مزاج شخص اس بات کو بخوبی سمجھ لے گا کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں اہل حدیث ہی کا وہ موقف ہے، جو سلف صالحین سے منقول ہے۔اسلاف قرآن و حدیث میں وارد ہونے والی ہر صفتِ باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے، کسی صفت میں تاویل و تحریف یا تمثیل وتکییف اور تعطیل سے کام نہیں لیتے تھے، اسی طرح اہل حدیث بھی تمام صفاتِ باری تعالیٰ کو بغیر تاویل وتحریف، تمثیل وتکییف اور تعطیل کے تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دنیا میں اہل حدیث کے علاوہ کوئی بھی اسلامی مکتبِ فکر ایسا نہیں، جو تمام صفاتِ الٰہیہ پر من وعن ایمان لاتا ہو۔اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے، تو دلیل پیش کرے۔

کیا اہل حدیث کے اہل حق ہونے کے لیے یہی دلیل کافی نہیں؟

نبی اکرم ﷺ کا جو طریقہ تیمّم صحیح احادیث سے ثابت ہے، وہ یوں ہے کہ آپ ﷺ ایک دفعہ مٹی پر دونوں ہاتھ مارتے، پھر چہرے پر پھیرتے اور ہتھیلیوں پر مل لیتے۔ اس کے خلاف آپ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ① : سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ، فَلَمْ أَجِدِ المَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ بِيَدَيْكَ هٰكَذَا»، ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً، ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِينِ، وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ، وَوَجْهَهُ.

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا۔ میں جنبی ہو گیا۔ مجھے پانی نہ ملا تو میں مٹی میں جانوروں کی طرح لوٹ پوٹ ہوا۔ پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اپنے ہاتھوں کے ساتھ یوں کر لیتے تو یہی کافی تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک دفعہ اپنے دونوں ہاتھ مبارک زمین پر مارے، پھر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر پھیرا اور ہر دونوں میں سے ہتھیلی سے مخالف ہاتھ کے باہر والی جانب مسح کیا، پھر دونوں ہتھیلیوں کو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیرا۔''

(صحيح البخاري: 347، صحيح مسلم: 368، واللّفظ لهٗ)

صحیح بخاری کی ایک روایت(338)کے الفاظ یہ ہیں:

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا»، وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ .

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آپ کے لیے یہی کافی تھا۔پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک زمین پر مارے اور ان میں پھونکا۔پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔''

یہ وہ طریقہ تیمّم ہے،جس کی تعلیم نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو دی۔ اس میں زمین پر ایک دفعہ ہاتھ مارنے کا ذکر اور چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرنے کا ثبوت ہے۔بعض لوگ اس نبوی طریقے سے راضی نہیں۔وہ اس متفق علیہ حدیث کو تقلیدِ ناسدید پر قربان کر دیتے ہیں اور اس کے بارے میں وہ رَوَش اختیار کرتے ہیں کہ منکرین حدیث بھی شرما جاتے ہیں۔بُرا ہو تقلید کا جو انسان کو نبی اکرم ﷺ کے دین پر اکتفا نہیں کرنے دیتی۔

جناب تقی عثمانی دیوبندی،حیاتی صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اصل مقصود تیمّم کے پورے طریقے کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ تیمّم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔ اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہ مطلب نہیں کہ ایک ضرب یا مسح کفین (دونوں ہتھیلیوں کے اوپر والے حصے پر مسح)کافی ہے،بلکہ الفاظِ مذکورہ سے طریقۂ معروف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔''(درسِ ترمذی:1/387-388)

جناب حسین احمد مدنی،دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''دراصل اشارہ سے تمرغ اور تمعّک کا ردّ کرنا تھا، افعالِ تیمّم کی تعلیم کرنا نہیں تھا۔''
(تقریر ترمذی، ص: 268)

قارئین کرام! آپ حدیث کے سیاق پر غور کرلیں، پھر تقی اور مدنی صاحبان کی حدیث کے خلاف جرأت کا اندازہ لگائیں۔ حدیث کا ایک ایک لفظ بول بول کر کہہ رہا ہے کہ مقصود طریقۂ تیمّم تھا۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے یہی طریقۂ تیمّم اخذ کیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کو اسی کی تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ:

ابو مالک، غزوان، کوفی، تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يَّخْطُبُ بِالْكُوفَةِ، وَذَكَرَ التَّيَمُّمَ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ، فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ.

''میں نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے تیمّم کا ذکر کیا تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔''

(سنن الدارقطني: 702، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّهٗ غَمَسَ بَاطِنَ كَفَّيْهِ فِي التُّرَابِ، ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمُفَصَّلِ، وَقَالَ عَمَّارٌ: هٰكَذَا التَّيَمُّمُ.

''آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلیوں کو مٹی میں ڈبویا، ان پر پھونک ماری، پھر اپنے چہرے اور جوڑ سمیت ہاتھوں پر مسح کیا اور فرمایا: یہ ہے تیمّم کا طریقہ۔'' (أيضًا: 703، وسندهٗ صحيحٌ)

کیا سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو احناف مقلدین جتنی بھی سمجھ بوجھ نہیں تھی کہ اس نبوی مراد کو سمجھ پاتے، جو تقی اور مدنی صاحبان نے بیان کی ہے؟ کیا یہ صحابہ کرام کی توہین وتنقیص نہیں ہے اور کیا یہ صحابہ کرام کو (معاذ اللہ) کوتاہ فہم قرار دینے کی سازش نہیں ہے؟

حنفی مقلدین اپنی تائید میں مسند بزّار کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں:

عَنْ عَمَّارٍ، قَالَ : كُنْتُ فِي الْقَوْمِ حَتّٰى نَزَلَتِ الرُّخْصَةُ فِي الْمَسْحِ بِالتُّرَابِ إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ، فَأَمَرَنَا، فَضَرَبْنَا وَاحِدَةً لِّلْوَجْهِ، ثُمَّ ضَرَبْنَا أُخْرٰى لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ . ''سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں لوگوں میں تھا،حتی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی کے ساتھ مسح کرنے کی رخصت نازل ہو گئی۔آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا تو ہم نے چہرے کے لیے ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مارا، پھر دوسری مرتبہ کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کے لیے مٹی پر ہاتھ مارا۔''

(مسند البزّار : 1384، نصب الراية :153/1)

لیکن یہ روایت ''ضعیف'' ہے،کیونکہ اس کی سند میں امام زہری اور محمد بن اسحاق دونوں کی ''تدلیس'' موجود ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اس کی سند کو ''حسن'' قرار دینا صحیح نہیں۔ ویسے بھی محمد بن اسحاق بے چارہ فاتحہ خلف الامام کی حدیث بیان کرے تو مقلدین کے عتاب کا نشانہ بن جاتا ہے اور یہی محمد بن اسحاق جب ان کے مذہب کے موافق روایت بیان کرے،تو اسے سینے سے لگا لیا جاتا ہے۔کیسا تضاد ہے!

اسی پر بس نہیں، بلکہ جب اپنے مذہب کے خلاف روایت آ جائے،تو چاہے کتنی ہی قوی اور صحیح کیوں نہ ہو،اس کو ٹھکرا دیا جاتا ہے،خواہ وہ صحیح بخاری ہی کی حدیث ہو،مثلاً :

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث،جس کا صحیح ہونا ساری امتِ مسلمہ کے نزدیک مسلّم ہے،کے بارے میں جناب حسین احمد،مدنی،دیوبندی لکھتے ہیں :

''الحاصل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت سند کے اعتبار سے قوی سہی،خصوصاً دوسرے واقعہ کو۔۔؟ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے،لیکن اس میں شدید اضطراب ہے۔ ① آپ کا فعل ہے یا قول؟ ② تیمّم بکفہ تھا یا بکفیہ (تیمّم ایک ہاتھ سے کیا یا دو ہاتھوں سے؟) ③ مع ظہر الکفین یا الی انصاف الذراعین (صرف ہاتھوں کی اوپر والی جانب مسح کرنا ہے یا

نصف ذراع تک؟)۔ ان اضطرابات کی وجہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت کیسے قابل عمل ہو سکتی ہے؟'' (تقریر ترمذی، ص: 265)

مقلدین اپنے تقلیدی مذہب کی خاطر حدیثِ رسول ﷺ کو مہمل اور نا قابل عمل بنانے سے بھی باز نہیں آتے، حالانکہ محدثین عظام حدیث میں مہارتِ تامہ رکھنے والے تھے اور حدیث کی مخفی علتوں سے واقف تھے، ان میں سے کسی نے بھی اس حدیث میں اضطراب کا دعویٰ نہیں کیا۔ مقلدین نے محدثین کرام کے علم وفہم کو لات مارتے ہوئے حدیثِ رسول میں شکوک وشبہات پیدا کرنا شروع کر دیے ہیں۔

خود راویٔ حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر عمل کر کے دکھایا۔ اگر یہ حدیث نا قابل عمل تھی، تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

رہی بات خودساختہ اضطراب کی، تو ''مدنی'' صاحب نے تین باتیں ذکر کی ہیں، ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

① آپ ﷺ نے پہلے زبانی فرمایا، پھر اس کو عملی طور پر انجام دے کر دکھا بھی دیا۔

* جس روایت میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مارو۔

(سنن أبي داوٗد: 327، سنن الترمذي: 144، وقال: حسنٌ صحيحٌ، صحيح ابن خزيمة: 26، صحيح ابن حبّان: 1303)

اس کی سند میں سعید بن ابوعروبہ اور ان کے استاذ قتادہ بن دعامہ دونوں ''مدلس'' ہیں، انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

② صحیح بخاری (343) میں یہی روایت صراحت کے ساتھ یوں آئی ہے:

وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ

مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ . ''نبی اکرم ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا،ان میں پھونک ماری، پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں (کی بیرونی جانب) پر مسح کیا۔''

یہی مطلب ومفہوم صحیح بخاری (347) کے ان الفاظ :

فَضَرَبَ بِكَفِّهِ الْأَرْضَ . کا ہے۔

③ سنن ابوداؤد (322) میں ہے:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ هٰكَذَا»، وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَهُمَا، ثُمَّ مَسَّ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلٰى أَنْصَافِ الذِّرَاعِ» .

''آپ کے لیے یہی کافی ہے کہ اس طرح کرو۔پھر آپ ﷺ نے زمین پر دونوں ہاتھ مبارک مارے، ان میں پھونکا، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے پر اور نصف ذراع تک مسح کیا۔''

یہ الفاظ اس روایت کے راوی سلمہ بن کہیل کا شک اور وہم ہیں۔صحیح حدیث میں کفین (دونوں ہتھیلیوں) کا ذکر ہے۔اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فَأَمَّا رِوَايَةُ الْمِرْفَقَيْنِ، وَكَذَا نِصفِ الذِّرَاعِ، فَفِيهِمَا مَقَالٌ .

''رہی کہنیوں اور نصف ذراع والی روایات،تو ان میں مقال ہے۔''

(فتح الباري :1/445)

تنبیہ : ایک روایت میں إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ کے الفاظ ہیں۔

(سنن أبي داوٗد : 328، السنن الكبرٰى للبيهقي :1/220)

اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس روایت کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَأَمَّا حَدِيثُ قَتَادَةَ عَنْ مُّحَدِّثٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، فَهُوَ مُنْقَطِعٌ، لَا يُعْلَمُ مَنِ

الَّذِي حَدَّثَهُ، فَيُنْظَرُ فِيهِ . ''رہی قتادہ کی بیان کردہ وہ روایت جس میں ایک محدث کے واسطے سے شعبی سے بیان کرتے ہیں،تو وہ منقطع ہے۔قتادہ کو یہ روایت بیان کرنے والا محدث کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کے حالات دیکھے جاتے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي :220/1)

اس پر ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ یہی روایت مسند طیالسی (ص:89) میں موجود ہے اور اس میں شک کے ساتھ یہ الفاظ ہیں: إِلَى الْكُوعَيْنِ أَوِ الْمِرْفَقَيْنِ .

لیکن یہ اعتراض بہت بودا ہے، کیونکہ یہ شک امام شعبہ رحمہ اللہ کے استاذ سلمہ بن کہیل کا ہے۔اس حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہم چند سطور پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ہماری ذکر کردہ حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ امام شعبہ کے استاذ حکم بن عتیبہ نے شک کے بغیر بیان کی ہے۔ یہ روایت دیگر راویوں کے موافق ہے،لہٰذا اسے ہی ترجیح حاصل ہو گی۔

دلیل نمبر ② : (ا) سیدنا ابوجُہَیم انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ .

''نبی اکرم ﷺ بئر جمل کی طرف سے تشریف لائے تو ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ ﷺ کو سلام عرض کیا۔آپ ﷺ نے اس کو سلام کا جواب نہ دیا، یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس تشریف لائے،اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح فرمایا، پھر سلام کا جواب عنایت فرمایا۔''(صحيح البخاري : 337، صحيح مسلم : 369، تعليقًا)

(ب) اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ عِنْدَ بِئْرِ جَمَلٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْحَائِطِ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْحَائِطِ، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ.

''رسولِ اکرم ﷺ قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو بئرِ جمل کے پاس ایک آدمی آپ ﷺ کو ملا، اس نے سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہ دیا، یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس تشریف لائے، اپنے ہاتھ مبارک دیوار پر مارے، پھر اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح فرمایا، پھر اس آدمی کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔'' (سنن أبي داوٗد : 331، سنن الدارقطني :1/176، ح : 666، السنن الکبرٰی للبیهقي :1/306، وسندهٗ حسنٌ)

احادیث ایک دوسری کی تفصیل وتفسیر کرتی ہیں، لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں ہاتھوں سے مراد ہتھیلیاں ہیں، جیسا کہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

بعض الناس کے دلائل اور ان کا تجزیہ

اب وہ روایات اور اصولِ محدثین کی روشنی میں ان کا منصفانہ تجزیہ پیش خدمت ہے، جن کی بنا پر بعض لوگ تیمّم کے نبوی طریقے میں تبدیلی کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :

روایت نمبر ① : مذکورہ حدیث کی ایک روایت میں ہے :

ضَرَبَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ، وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرٰى، فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ. ''آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور ان کو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیرا، پھر دوسری دفعہ ہاتھوں کو دیوار پر مارا اور دونوں بازوؤں پر مسح فرمایا۔''

(سنن أبي داوٗد : 330، سنن الدارقطني :1/176، ح : 665، شرح معاني الآثار :1/85)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کے راوی محمد بن ثابت عبدی، ابو عبد اللہ بصری کو جمہور محدثین کرام نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أَكْثَرِ الْمُحَدِّثِينَ.

''اکثر محدثین کرام کے نزدیک یہ قوی نہیں۔'' (خلاصة الأحكام: 217/1)

روایت نمبر ۲ : سیدنا ابو جُہَیم رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ:

فَضَرَبَ الْحَائِطَ بِيَدِهٖ ضَرْبَةً، فَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهٗ، ثُمَّ ضَرَبَ أُخْرٰى، فَمَسَحَ بِهَا ذِرَاعَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ.

''آپ ﷺ نے دیوار پر ایک ہاتھ مبارک مارا تو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیر لیا، پھر دوسری مرتبہ دیوار پر ہاتھ مارا تو کہنیوں تک اپنے ہاتھوں پر مسح فرمایا۔''

(سنن الدارقطني: 674)

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① محمد بن خلف بن عبد العزیز بن عثمان بن جبلہ کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

② ابو حاتم احمد بن حمدویہ بن جمیل بن مہران مروزی بھی ایسا ہی راوی ہے۔

③ ابو عصمہ نوح بن ابو مریم راوی باتفاقِ محدثین سخت جھوٹا، ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔ اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

ابو عصمہ کی متابعت خارجہ بن مصعب ابو حجاج سرخسی نے کی ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (طبقات المدلّسين، ص: 54)

نیز فرماتے ہیں: تَرَكَهُ الْجُمْهُورُ. ''اسے جمہور محدثین نے

چھوڑ دیا تھا۔''(نتائج الأفكار : 262/1، كنز العمّال للهندي : 466/9، ح : 26990)

روایت نمبر ③ : ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں :

أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ .

''آپ ﷺ دیوار کے پاس تشریف لائے،اپنے چہرۂ مبارک اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح فرمایا، پھر سلام کا جواب عنایت فرمایا۔''(سنن الدارقطني : 671)

اس روایت میں ذِرَاعَيْهِ (کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں) کے الفاظ ''منکر'' ہیں۔ ان کو بیان کرنے والا راوی عبد اللہ بن صالح مصری، کاتب اللیث ہے۔اس کے بارے میں امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

كَانَ أَوَّلَ أَمْرِهِ مُتَمَاسِكٌ، ثُمَّ فَسَدَ بِآخِرَةٍ، وَلَيْسَ هُوَ بِشَيْءٍ .

''یہ شروع میں ثقہ راوی تھا،لیکن آخر عمر میں اس کا حافظہ بگڑ گیا اور یہ ناقابل اعتبار ہو گیا تھا۔''(العلل ومعرفة الرجال برواية ابنه عبد اللّٰه : 212/3)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَقَعَ الْمَنَاكِيرُ فِي أَخْبَارِهِ .

''اس کی بیان کردہ احادیث میں منکر روایات شامل ہو گئی تھیں۔''

(المجروحين لابن حبّان : 40/2)

امام ابن حبان رحمہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے : مُنْكَرُ الْحَدِيثِ جِدًّا، يَرْوِي عَنِ الْأَثْبَاتِ مَا لَا يُشْبِهُ حَدِيثَ الثِّقَاتِ، وَعِنْدَهُ الْمَنَاكِيرُ الْكَثِيرَةُ عَنْ أَقْوَامٍ مَشَاهِيرِ أَئِمَّةٍ، وَكَانَ فِي نَفسِهِ صَدُوقًا، يَكْتُبُ لِلَيْثِ بْنِ سَعْدٍ الْحِسَابَ، وَكَانَ كَاتِبَهُ عَلَى الْغَلَّاتِ، وَإِنَّمَا وَقَعَ الْمَنَاكِيرُ فِي حَدِيثِهِ مِنْ قِبَلِ جَارٍ لَّهُ رَجُلٍ سَوْءٍ .

''اس کی بیان کردہ احادیث سخت منکر ہیں۔یہ ثقہ راویوں سے ایسی روایات بیان کرتا

ہے جو ثقہ راویوں کے موافق نہیں ہوتیں۔اس کے پاس بہت سی منکر روایات ہیں، جو اس نے مشہور ائمہ سے منسوب کی ہیں۔دراصل یہ خود تو سچا تھا اور لیث بن سعد کے غلوں پر اس کے حساب کتاب لکھتا تھا،لیکن ایک خبیث پڑوسی کی جانب سے اس کی حدیثوں میں منکر روایات کی ملاوٹ ہوگئی۔‘‘(المجروحين : 40/2)

یہ بھی اس کی ’’منکر‘‘ روایت ہے، کیونکہ صحیح بخاری (337) میں لیث کے شاگرد یحییٰ بن بکیر نے فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ کے الفاظ بیان کیے ہیں۔اسی طرح محمد بن اسحاق کے استاذ عبدالرحمٰن بن ہرمز نے بھی یہی صحیح بخاری والے الفاظ بیان کیے ہیں۔

(مسند الإمام أحمد : 24277، وسندهٗ حسنٌ)

حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما (سنن أبي داوٗد : 331، وسندهٗ حسنٌ) بھی صحیح بخاری والے الفاظ کی تائید کرتی ہے۔

روایت نمبر ④ : ایک روایت ان الفاظ سے ہے:

ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ .

’’پھر آپ ﷺ نے دیوار پر ہاتھ مبارک مارے اور اپنے چہرۂ مبارک اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیرا، پھر میرے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔‘‘

(مسند الشاميّين :44/1، السنن الكبرٰى للبيهقي :205/1، شرح السنّة للبغوي : 310)

یہ روایت سخت ترین ’’ضعیف‘‘ ہے، کیونکہ:

① امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ ابراہیم بن محمد بن ابو یحییٰ اسلمی، ابو اسحاق مدنی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: هُوَ مَتْرُوكٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

’’جمہور کے نزدیک یہ راوی متروک ہے۔‘‘(ديوان الضعفاء، ص : 13)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَكْثَرُ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَلٰى تَضْعِيفِ (إِبْرَاهِيمِ) بْنِ أَبِي يَحْيٰى . ''اکثر محدثین کرام ابراہیم بن ابویحییٰ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔''(التلخيص الحبير: 22/1)

نیز فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ . ''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے۔''(طبقات المدلّسين، ص: 52)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فَالْجُمْهُورُ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''جمہور محدثین کرام اس کو ضعیف ہی قرار دیتے ہیں۔''

(البدر المنير في تخريج أحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير: 469/1، 375/5، 567/6)

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ . ''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(عمدة القاري: 82/11)

② اس کا راوی عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو حارث بھی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ حافظ ہیثمی کہتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''اکثر محدثین تو اسے ضعیف ہی کہتے ہیں۔''(مجمع الزوائد: 32/1-33)

③ اس کی سند ''منقطع'' ہے، عبدالرحمٰن بن ہرمز کا سیدنا ابوجُہَیم سے سماع نہیں۔

روایت نمبر ⑤ : سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے منسوب مرفوع روایت ہے:

«اَلتَّيَمُّمُ؛ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِّلذِّرَاعَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ» .

''تیمّم میں ایک ضرب (مٹی پر ہاتھ مارنا) چہرے کے لیے اور دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔''

(سنن الدارقطني: 181/1، المستدرك للحاكم: 180/1، السنن الكبرٰى للبيهقي: 207/1)

اس کی سند ابوزبیر کی ''تدلیس'' کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔

روایت نمبر ⑥ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ، ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنَ» . ''تیمّم میں دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارا جاتا ہے؛ ایک دفعہ چہرے کے لیے اور دوسری دفعہ کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔''

(سنن الدارقطني: 180/1، المستدرك للحاكم: 179/1، المعجم الكبير للطبراني: 3678)

اس کی سند بھی سخت ''ضعیف'' ہے۔اس کے راوی علی بن ظبیان کو اگرچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صدوق'' کہا ہے،لیکن ان کے ردّ وتعاقب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بَلْ وَاهٍ . ''بلکہ یہ کمزور راوی ہے۔''

اس راوی کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے لَيْسَ بِشَيْءٍ (بے کار) کہا ہے۔

امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔(الجرح والتعديل: 191/6)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''متروک الحدیث'' کہا ہے۔(الضعفاء والمتروكون: 433)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَاهِي الْحَدِيثِ جِدًّا .

''اس کی بیان کردہ حدیث سخت ضعیف ہوتی ہے۔''(الضعفاء: 429/2)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالضَّعْفُ عَلٰى حَدِيثِهٖ بَيِّنٌ .

''اس کی بیان کردہ حدیث پر کمزوری واضح نظر آتی ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال: 189/5)

اس کے علاوہ بھی کئی محدثین کی جروح بھی اس پر موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑦ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ :

تَيَمَّمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَرْبَتَيْنِ، ضَرْبَةٍ لِّلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ، وَضَرْبَةٍ لِّلذِّرَاعَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ .

''ہم نبی اکرم ﷺ کی ہمراہی میں دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر تیمّم کیا؛ ایک دفعہ چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ہاتھ مارا اور دوسری دفعہ کہنیوں تک بازوؤں کے لیے۔''

(سنن الدارقطني : 689)

اس روایت کی سند بھی سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① سلیمان بن ارقم راوی ''متروک'' ہے۔

حافظ سہیلی (508-581ھ) فرماتے ہیں :

أَبُو مَعَاذٍ سُلَيْمَانُ بْنُ أَرْقَمَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِجْمَاعٍ .

''ابومعاذ سلیمان بن ارقم کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اجماع ہے۔''

(الروض الأنف : 112/7)

② امام زہری رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں۔

روایت نمبر ⑧ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ لِوَجْهِهٖ ضَرْبَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرٰى، فَمَسَحَ بِهَا عَلٰى يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ .

''پھر آپ ﷺ نے مٹی پر ایک دفعہ اپنا دستِ مبارک چہرۂ مبارک پر مسح کے لیے مارا، پھر دوسری دفعہ کہنیوں تک ہاتھوں کے مسح کے لیے مٹی پر ہاتھ مارا۔''

(التحقيق في مسائل الخلاف لابن الجوزي : 269، نصب الراية للزيلعي :154/1)

اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ مثنّٰی بن صباح راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وَهُوَ مَتْرُوكٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

''جمہور محدثین کرام کے نزدیک یہ راوی متروک ہے۔''(مجمع الزوائد : 297/4)

نوٹ: [الْمِرْفَقَيْنِ] کے الفاظ اصلی کتاب سنن کبریٰ بیہقی سے مل ہی نہیں سکے۔

روایت نمبر ⑨ : اسلع بن شریک سے روایت ہے:

فَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ، ثُمَّ نَفَضَهُمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ أَمَرَّ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، ثُمَّ أَعَادَهُمَا إِلَى الْأَرْضِ، فَمَسَحَ بِهِمَا الْأَرْضَ، ثُمَّ دَلَكَ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرٰى، ثُمَّ مَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا .

''نبی اکرم ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا، ان کو جھاڑا، دونوں کو چہرۂ مبارک پر پھیرا اور اپنی داڑھی مبارک پر مسح کیا۔ پھر زمین پر ہاتھوں کو مارا، ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر پھیرا، پھر اپنے بازوؤں کے باہر اور اندر والے حصے پر مسح فرمایا۔''

(سنن الدارقطني :179/1، المعجم الكبير للطبراني : 876، السنن الكبرٰى للبيهقي :208/1)

یہ روایت سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی ربیع بن بدر جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

② اس کا باپ بدر بن عمرو ''مجہول'' ہے۔

③ ربیع کے دادا عمرو بن جراد سعدی کا بھی یہی حال ہے۔

روایت نمبر ⑩ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تیمّم کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«ضَرْبَتَيْنِ؛ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ» .

''تیمّم میں دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارے جائیں؛ ایک دفعہ چہرے کے لیے اور دوسری دفعہ کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔''

(سنن الدارقطني :181/1، مسند البزّار : 6088، المستدرك على الصحيحين للحاكم :179/1-180)

یہ روایت سخت ترین''ضعیف'' ہے،کیونکہ اس کے راوی سلیمان بن ابوداؤد کو جمہور محدثین کرام نے''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

اس روایت کے بارے میں امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

هٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ، وَسُلَيْمَانُ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ .

''یہ جھوٹی حدیث ہے اور اس کا راوی سلیمان ضعیف ہے۔''

(علل الحديث لابن أبي حاتم :54/1، ح : 137)

علامہ مغلطائی کہتے ہیں : ذَكَرَهُ أَبُو الْحَسَنِ الْمُقْرِئُ فِي سُنَنِهِ، وَضَعَّفَهُ أَبُو حَاتِمٍ . ''اسے ابوالحسن مقری نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے اور امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''(شرح ابن ماجه : 691/2)

روایت نمبر ⑪ :

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِلْكَفَّيْنِ» .

''تیمّم میں مٹی پر ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ہتھیلیوں کے لیے ہے۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 245/8، ح : 7959)

یہ بے اصل اور باطل روایت ہے۔اس کا راوی جعفر بن زبیر شامی دنیا کا جھوٹا ترین، ''متروک الحدیث'' اور''ساقط الحدیث'' راوی ہے۔

روایت نمبر ⑫ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فِي التَّيَمُّمِ ضَرْبَتَيْنِ؛ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ» .

''تیمّم میں دوضربیں ہیں؛ ایک چہرے پر مسح کے لیے اور دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے مسح کے لیے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 442/2، مسند البزّار : 240، المحلّٰى لابن حزم : 152/2)

اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی حَرِیش بن خرّیت جمہور محدثین کے نزدیک غیر ثقہ اور غیر معتبر ہے۔اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''فیہ نظر'' فرمایا ہے۔

(التاريخ الكبير : 114/3، نصب الراية للزيلعي : 151/1)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَاهِي الْحَدِيثِ .

''اس کی حدیث کمزور ہے۔''(ميزان الاعتدال للذهبي : 476/1)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ، وَالْحَرِيشُ شَيْخٌ لَّا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهٖ . ''یہ منکر حدیث ہے اور حریش ایسا راوی ہے جس کی بیان کردہ حدیث کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔''(العلل لابن أبي حاتم : 54/1)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا أَعْرِفُ لَهٗ كَثِيرَ حَدِيثٍ، فَأَعْتَبِرَ حَدِيثَهٗ، فَأَعْرِفَ ضُعْفَهٗ مِنْ صِدْقِهٖ . ''میں اس کی زیادہ حدیثیں نہیں جانتا کہ اس کی حدیث کو جانچ کر توثیق یا تضعیف کا فیصلہ کر سکوں۔''(الكامل : 442/2)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يُعْتَبَرُ بِهٖ . ''اس کی حدیث کو صرف متابعات اور شواہد میں لیا جائے گا۔''(سؤالات البرقاني : 111)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(المحلّٰى : 152/2)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے کمزور قرار دیا ہے۔(الکاشف : 155/1)

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ کہتے ہیں : وَهُوَ ضَعِيفٌ، لَا يُحْتَجُّ .

''یہ ضعیف راوی ہے،اس کی بیان کردہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔''(البدر المنیر : 12/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔(تقریب التهذيب : 1187)

حافظ بوصیری لکھتے ہیں : حَرِيشُ بْنُ خِرِّيتٍ مُّتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ .

''حریش بن خریت کے ضعیف ہونے پر (اکثر) محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''

(مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه : 153/1)

یوں یہ روایت بھی ''ضعیف'' اور ''منکر'' ہے۔

الحاصل : نبی اکرم ﷺ سے تیمّم کا جو طریقہ ثابت ہے، وہ اس طرح ہے کہ مٹی پر دونوں ہاتھوں کو ایک ہی دفعہ مارا جائے، پھر ان میں پھونکنے کے بعد ان کو اپنے چہرے پر مسح کیا جائے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی بیرونی جانب مسح کیا جائے۔

جو لوگ تقلید کے نتیجے میں اس نبوی طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اپناتے ہیں، ان کے پاس اس بارے میں کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔اس سلسلے میں ان کی کل کائنات کا حال آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مقلدین کی پیش کردہ روایات کے تجزیے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا قطعاً ثابت نہیں۔اس طریقے کو کسی بھی طرح سنتِ نبوی قرار دینا جائز نہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سنتِ رسول کا اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀❀❀❀❀

تقلیدِ ناسدید جہالت و ضلالت کا دوسرا نام ہے۔علمائے اسلام اس کی مذمت کرتے رہے ہیں۔اس کے سبب انسان عقل وشعور سے دشمنی کرنے لگتا ہے، دماغی وعملی پستی کا شکار ہو جاتا ہے اورعلم دین سے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔جب کوئی شخص اپنی آنکھوں پر تقلید کی پٹی باندھ لیتا ہے، تو اسے قرآن و حدیث کی صورت میں ہدایت ِربانی کے روشن نشان نظرنہیں آتے۔اس کی فطرت اس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ وہ وحیِ الٰہی اورتعلیماتِ نبویہ کا تارک بن جاتا ہے۔تقلید کی وجہ سے انسان حلت وحرمت کے آسمانی فیصلے نظر انداز کر کے نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے اور وحی کے مقابلے میں انسانی آرا کو دین بنالیتا ہے۔

شیخ الاسلام ثانی،عالمِ ربانی،علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) تقلید کے نقصانات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَالْمُصَنِّفُونَ فِي السُّنَّةِ جَمَعُوا بَيْنَ فَسَادِ التَّقْلِيدِ وَإِبْطَالِهِ وَبَيَانِ زَلَّةِ الْعَالِمِ، لِيُبَيِّنُوا بِذٰلِكَ فَسَادَ التَّقْلِيدِ، وَأَنَّ الْعَالِمَ قَدْ يَزِلُّ وَلَا بُدَّ؛ إِذْ لَيْسَ بِمَعْصُومٍ، فَلَا يَجُوزُ قَبُولُ كُلِّ مَا يَقُولُهُ، وَيُنَزَّلُ قَوْلُهُ مَنْزِلَةَ قَوْلِ الْمَعْصُومِ؛ فَهٰذَا الَّذِي ذَمَّهُ كُلُّ عَالِمٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ، وَحَرَّمُوهُ، وَذَمُّوا أَهْلَهُ، وَهُوَ أَصْلُ بَلَاءِ الْمُقَلِّدِينَ وَفِتْنَتِهِمْ، فَإِنَّهُمْ يُقَلِّدُونَ الْعَالِمَ فِيمَا زَلَّ فِيهِ وَفِيمَا لَمْ يَزِلَّ فِيهِ، وَلَيْسَ لَهُمْ تَمْيِيزٌ بَيْنَ ذٰلِكَ، فَيَأْخُذُونَ الدِّينَ بِالْخَطَإِ وَلَا بُدَّ، فَيُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَيُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ، وَيُشَرِّعُونَ مَا لَمْ يُشَرِّعْ، وَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ

ذٰلِكَ، إِذْ كَانَتِ الْعِصْمَةُ مُنْتَفِيَةً عَمَّنْ قَلَّدُوهُ، وَالْخَطَأُ وَاقِعٌ مِّنْهُ وَلَا بُدَّ.

''محدثین کرام نے تقلید کا ردّ کرنے کے لیے اس کی خرابیاں بیان کر کے اس کا ابطال بھی کیا ہے اور ایک عالم سے غلطی ہونے کا امکان بھی ذکر کیا ہے۔ایک عالم سے یقینی طور پر غلطی ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ معصوم نہیں۔اس کے ہر قول کو اپنانا اور اس کی بات کو پیغمبر ﷺ کی بات کا درجہ دینا جائز نہیں۔روئے زمین پر موجود ہر عالم نے اس رَوَش کا ردّ کرتے ہوئے اسے حرام قرار دیا اور ایسا کرنے والوں کی مذمت کی۔یہی رَوَش مقلدین کا اصل مسئلہ اور ان کی بنیادی مصیبت ہے۔وہ ہر غلط اور صحیح بات میں کسی معین عالم کی تقلید کرتے ہیں۔اس پر طرہ یہ کہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز بھی نہیں کر پاتے۔وہ یقینی طور پر غلطی پر مبنی دین کی پیروی کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیتے ہیں۔وہ یقیناً ایسی شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نہیں ہوتی، کیونکہ جس کی وہ تقلید کر رہے ہوتے ہیں، وہ معصوم تو ہوتا نہیں اور اس کے غلطی کا صدور بھی یقینی ہوتا ہے۔'' (إعلام الموقّعين عن ربّ العالمين : 173/2)

تقلید اور قرآنِ کریم :

تقلید وہ مذموم بدعت ہے، جو انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان بنا دیتی ہے۔تقلید کی مذمت میں یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ملاحظہ فرمائیں :

﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9 : 33)

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو ربّ بنا لیا تھا۔''

مشہور تابعی، سعید بن فیروز، ابوبختری، طائی رحمہ اللہ (م : 83ھ) اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

أَمَا إِنَّهُمْ لَوْ أَمَرُوهُمْ أَنْ يَّعْبُدُوهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مَا أَطَاعُوهُمْ، وَلٰكِنَّهُمْ أَمَرُوهُمْ فَجَعَلُوا حَلَالَ اللّٰهِ حَرَامَهُ وَحَرَامَهُ حَلَالَهُ، فَأَطَاعُوهُمْ، فَكَانَتْ تِلْكَ الرَّبُوبِيَّةَ .

''یہ بات یقینی ہے کہ اگر ان کے علما ان کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے، تو وہ ان کی بات نہ مانتے، لیکن ان کے حکم پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں کو حلال اور حلال کردہ کاموں کو حرام قرار دے کر ان کی اطاعت کی۔ یہ ان کو ربّ بنانے کے مترادف تھا۔''

(جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البرّ : 1863، الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم : 189/6، وفي نسخة : 883، وسندهٗ حسنٌ)

امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) اس آیتِ کریمہ سے تقلید کی مذمت ثابت کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں :

بَابُ فَسَادِ التَّقْلِيدِ وَنَفْيِهٖ، وَالْفَرْقِ بَيْنَ التَّقْلِيدِ وَالِاتِّبَاعِ، قَدْ ذَمَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى التَّقْلِيدَ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ مِّنْ كِتَابِهٖ، فَقَالَ : ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9 : 33).

''تقلید کی خرابی، اس کے بطلان اور تقلید و اتباع میں فرق کا بیان۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر تقلید کی مذمت فرمائی ہے، چنانچہ فرمانِ گرامی ہے : ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9 : 33) (انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان کو ربّ بنا لیا تھا)۔''

(جامع بيان العلم وفضله : 975/2)

اسی سلسلے میں علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (384-456ھ) فرماتے ہیں :

فَلَمَّا كَانَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ أَحْبَارُهُمْ وَرُهْبَانُهُمْ وَيُحِلُّونَ مَا أَحَلُّوا، كَانَتْ هٰذِهٖ رَبُوبِيَّةً صَحِيحَةً وَّعِبَادَةً صَحِيحَةً قَدْ دَانُوا بِهَا، وَسَمَّى اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا الْعَمَلَ اتِّخَاذَ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَعِبَادَةً، وَهٰذَا هُوَ الشِّرْكُ بِلَا خِلَافٍ.

''جب یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال تسلیم کر لیا، تو اس طرح واقعی ان کو اپنا ربّ اور معبود بنا لیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو ربّ بنانے اور عبادت کرنے کا نام دیا۔یہ عمل بالاتفاق شرک ہے۔''

(الفصل في الملل والأهواء والنحل : 3/124-125)

علامہ،احمد بن عبدالرحیم،المعروف بہ شاہ ولی اللہ دہلوی (1114-1176ھ) لکھتے ہیں :

وَمِنْهَا أَنَّهُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ تَعَالٰى، بِمَعْنٰى أَنَّهُمْ كَانُوا يَعْتَقِدُونَ أَنَّ مَا أَحَلَّهٗ هٰؤُلَاءِ حَلَالٌ لَّا بَأْسَ بِهٖ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ، وَأَنَّ مَا حَرَّمَهٗ هٰؤُلَاءِ حَرَامٌ يُّؤَاخَذُونَ بِهٖ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ.

''یہود و نصاریٰ کی ایک رَوَش یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان کو ربّ بنا لیا تھا۔اس طرح کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال قرار دیتے تھے، یہود و نصاریٰ اسے واقعی حلال سمجھ لیتے تھے اور اس کے استعمال میں کوئی جھجک نہیں کرتے تھے اور جسے یہ لوگ حرام قرار دیتے تھے، اس کو یہود و نصاریٰ واقعی حرام سمجھ لیتے تھے اور اس کے استعمال کو قابل مؤاخذہ جرم سمجھ لیتے تھے۔''(حجّة اللّٰه البالغة : 1/121، بتحقيق السيّد السابق)

علامہ،محمد صدیق حسن خان،قنوجی رحمہ اللہ (1248-1307ھ) لکھتے ہیں :

وَفِي هٰذِهِ الْآيَةِ مَا يَزْجِرُ مَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ، وَهُوَ شَهِيدٌ،

عَنِ التَّقْلِيدِ فِي دِينِ اللّٰهِ، وَتَأْثِيرِ مَا يَقُولُهُ الْأَسْلَافُ عَلٰى مَا فِي الْكِتَابِ الْعَزِيزِ وَالسُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ، فَإِنَّ طَاعَةَ الْمُتَمَذْهِبِ لِمَنْ يَّقْتَدِي بِقَوْلِهِ وَيَسْتَنُّ بِسُنَّتِهِ، مِنْ عُلَمَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِمَا جَائَتْ بِهِ النُّصُوصُ، وَقَامَتْ بِهِ حِجَجُ اللّٰهِ وَبَرَاهِينُهُ، وَنَطَقَتْ بِهِ كُتُبُهُ وَأَنْبِيَاؤُهُ، هُوَ كَاتِّخَاذِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى لِلْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ أَرْبَاباً مِّنْ دُونِ اللّٰهِ، لِلْقَطْعِ بِأَنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ، بَلْ أَطَاعُوهُمْ وَحَرَّمُوا مَا حَرَّمُوا وَحَلَّلُوا مَا حَلَّلُوا، وَهٰذَا هُوَ صَنِيعُ الْمُقَلِّدِينَ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَهُوَ أَشْبَهُ بِهِ مِنْ شِبْهِ الْبَيْضَةِ بِالْبَيْضَةِ، وَالتَّمْرَةِ بِالتَّمْرَةِ، وَالْمَاءِ بِالْمَاءِ .

”یہ آیتِ کریمہ قلبِ سلیم کے حامل، غور وفکر کرنے والے لوگوں کو اللہ کے دین میں کسی کی تقلید کرنے اور سلف کے کتاب وسنت کے خلاف اقوال کو اپنانے سے روکتی ہے۔ مقلدین کا نصوصِ شرعیہ کی مخالفت کرتے ہوئے کسی اہل علم امتی کی بات ماننا اور اس کے طریقے پر چلنا بالکل ایسے ہی ہے، جیسے یہود ونصاریٰ نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان کو ربّ بنا لیا تھا۔ اگرچہ حقیقت میں انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی تھی، لیکن حلت وحرمت میں ان کی اطاعت کی تھی۔ اس امت کے مقلدین کا یہی حال ہے۔ وہ اس سلسلے میں یہود ونصاریٰ سے اتنی مشابہت رکھتے ہیں کہ انڈہ انڈے کے ساتھ، کھجور کھجور کے ساتھ اور پانی پانی کے ساتھ اتنی مشابہت نہیں رکھتا۔“(فتح البيان في مقاصد القرآن : 286/5)

یہ اس آیت کریمہ کی اتفاقی تفسیر ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے ایک مقلد کے حالات و کوائف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ کس طرح آنکھیں بند کر کے نفس کے پیچھے لگتا ہے اور قرآن و سنت کو نظر انداز کرتا ہے، حلال و حرام کے خود ساختہ اصول اپناتا ہے، سلف صالحین کی

مخالفت میں قرآن و حدیث کی من پسند تاویلات پر اُتر آتا ہے اور پہلوں کی طرح بزرگوں اور اماموں کی بات کو دین کا درجہ دیتا ہے۔

اس حوالے سے ایک اور فرمانِ باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾

''اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی، تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے زیادہ لوگ فاسق ہیں۔''

اس کی تفسیر میں امام اہل سنت، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ : ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾، نَهَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَّتَشَبَّهُوا بِالَّذِينِ حَمَلُوا الْكِتَابَ قَبْلَهُمْ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى، لَمَّا تَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ بَدَّلُوا كِتَابَ اللّٰهِ الَّذِي بِأَيْدِيهِمْ، وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا، وَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ، وَأَقْبَلُوا عَلَى الْآرَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْأَقْوَالِ الْمُؤْتَفِكَةِ، وَقَلَّدُوا الرِّجَالَ فِي دِينِ اللّٰهِ، وَاتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ، فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ، فَلَا يَقْبَلُونَ مَوْعِظَةً، وَلَا تَلِينُ قُلُوبُهُمْ بِوَعْدٍ وَّلَا وَعِيدٍ.

''اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں مؤمنوں کو پہلے گزرے ہوئے اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ جب ان اہل کتاب پر لمبی مدت گزر گئی، تو انہوں نے اپنے پاس موجود اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدل ڈالا، اسے تھوڑی قیمت میں بیچا، اسے پس پشت ڈال دیا، اختلافی آرا اور الٹ پلٹ اقوال کی طرف توجہ کی، اللہ کے دین کے سلسلے میں

لوگوں کی تقلید کی اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان کو ربّ بنا لیا۔اس وقت ان کے دل سخت ہو گئے۔ نہ وہ نصیحت قبول کرتے تھے، نہ وعد وعید سے ان کے دل نرم ہوتے تھے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 20/8، بتحقیق الدکتور سلامة)

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید اور اتباع دو متضاد چیزوں کا نام ہے۔قرآن و سنت میں اتباع کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ اتباع کرنے والا تقلید نہیں کر سکتا اور تقلید کرنے والا قرآن و سنت کا اتباع نہیں کر سکتا۔ اس بات کو ہم درج ذیل مثالوں سے بھی ثابت کرتے ہیں :

مثال نمبر ① : قرعہ اندازی اور تقلید !

قرعہ اندازی کی مشروعیت وجواز پر قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔ اہل سنت کے ائمہ بھی اس کی مشروعیت کے قائل ہیں،لیکن دیگر بہت سے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی فقہ حنفی قرآن و حدیث اور ائمہ اسلام کی مخالفت کرتی ہے۔حنفی مقلدین قرآن و سنت اور ائمہ اسلام کے خلاف اپنی فقہ کو ماننے پر مجبور ہیں اور اپنے احبار و رہبان کی تقلید کرتے ہوئے اس بارے میں مروی صحیح وصریح احادیث کو بغیر دلیل کے منسوخ کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں۔

آیئے فہم سلف کی روشنی میں قرعہ اندازی کے ثبوت پر دلائل ملاحظہ فرمائیں؛

دلیل نمبر ① : اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۞﴾ (آل عمران 3 : 44)

''(اے نبی!) آپ ان کے پاس نہیں تھے،جب وہ (قرعہ اندازی کے لیے) اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ سیدہ مریم (علیہا السلام) کی کفالت کون کرے گا اور آپ اس وقت بھی ان کے پاس نہیں تھے،جب وہ باہم تکرار کر رہے تھے۔''

یعنی سیدہ مریم علیہا السلام کی کفالت کے حوالے سے قرعہ ڈالا گیا اور وہ سیدنا زکریا علیہ السلام کے نام نکلا تھا۔ یوں قرعہ اندازی کی بنا پر وہ سیدہ مریم علیہا السلام کے کفیل ونگہبان بنے تھے۔

دلیل نمبر ② : سیدنا یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۞ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۞﴾ (الصافّات 37 : 139-141)

''بلاشبہ یونس (علیہ السلام) پیغمبروں میں سے تھے۔ (اس وقت کو یاد کرو) جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ انہی کے نام پر نکلا۔''

مفسر قرآن، قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قَارَعَ نَبِيُّ اللّٰهِ يُونُسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقُرِعَ، قَالَ : احْتَبَسَتِ السَّفِينَةُ، فَعَلِمَ الْقَوْمُ، إِنَّمَا احْتَبَسَتْ مِنْ حَدَثٍ أَحْدَثَهُ بَعْضُهُمْ، فَتَسَاهَمُوا، فَقُرِعَ يُونُسُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَمٰى بِنَفْسِهِ .

''اللہ کے نبی سیدنا یونس علیہ السلام نے قرعہ اندازی میں حصہ لیا تو قرعہ انہی کے نام نکلا۔ جب کشتی بھنور میں پھنس رہی تھی تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کسی سوار کے عمل کی بنا پر ہے، جب انہوں نے قرعہ ڈالا تو یونس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام قرعہ نکلا۔ انہوں نے خود سمندر میں چھلانگ لگا دی۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 287/10، وسندهٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ③ : سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُنْ لَّهٗ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا، ثُمَّ أَقْرَعَ

بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا.

''ایک شخص نے موت کے وقت اپنے چھے غلاموں کو آزاد کر دیا۔اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ کوئی مال بھی نہیں تھا۔اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں کو بلا کر تین ٹولیوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا۔(جس ٹولی کے نام قرعہ نکلا،ان) دو کو رہا کر دیا اور باقی چار کو غلامی میں برقرار رکھا۔ان کے مالک کے بارے میں بھی سخت بات فرمائی۔''

(صحيح مسلم : 1668)

حافظ،ابوعبداللہ،محمد بن احمد بن عثمان، ذہبی رحمہ اللہ (643-748ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ نَصٌّ فِي شَرْعِيَّةِ الْقُرْعَةِ فِي مِثْلِ هٰذَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''یہ حدیث قرعہ کے مشروع ہونے پر واضح دلیل ہے۔''(سير أعلام النبلاء : 332/18)

امام،ابوعیسیٰ،محمد بن عیسیٰ،ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، يَرَوْنَ اسْتِعْمَالَ القُرْعَةِ فِي هٰذَا وَفِي غَيْرِهِ، وَأَمَّا بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَهْلِ الكُوفَةِ، وَغَيْرِهِمْ، فَلَمْ يَرَوْا القُرْعَةَ.

''نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم میں سے بعض کا اسی حدیث پر عمل ہے۔امام مالک،امام شافعی،امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔یہ سب اہل علم اس جیسے مواقع پر قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے۔البتہ اہل کوفہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم قرعہ کو جائز نہیں سمجھتے۔''(سنن الترمذي، تحت الحديث : 1364)

بویطی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے سنا، وہ بیان فرما رہے تھے:

نَاظَرْتُ الْمَرِيسِيَّ فِي الْقُرْعَةِ، فَذَكَرْتُ لَهٗ حَدِيثَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُرْعَةِ، فَقَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ! هٰذَا قِمَارٌ، فَأَتَيْتُ أَبَا الْبُخْتَرِيِّ، فَقُلْتُ لَهٗ : سَمِعْتُ الْمَرِيسِيَّ يَقُولُ : الْقُرْعَةُ قِمَارٌ، قَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ! شَاهِدْ آخَرَ وَاقْتُلْهُ .

''میں نے (بشر) مریسی سے قرعہ اندازی پر مناظرہ کیا۔ میں نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی قرعہ کے بارے میں وہ حدیث ذکر کی جو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ مریسی کہنے لگا : ابوعبداللہ! قرعہ اندازی تو جُوا ہے۔ میں ابوبختری کے پاس گیا اور ان سے کہا : میں نے مریسی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قرعہ اندازی جُوا ہے۔ وہ کہنے لگے : ایک اور شخص کو گواہ بنا کر اسے قتل کر دو۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : 60/7، تاريخ دمشق لابن عساكر : 380/51، وسندهٗ صحيحٌ)

دلیل نمبر ④ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهٖ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهٗ، قَالَتْ عَائِشَةُ : فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا، فَخَرَجَ فِيهَا سَهْمِي، فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ جس کے نام قرعہ نکلتا، اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ ایک غزوے میں (جانے کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ اندازی فرمائی تو میرے نام قرعہ نکلا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئی۔'' (صحيح البخاري : 4141، صحيح مسلم : 2770)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّم إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَصَابَ عَائِشَةَ الْقُرْعَةُ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ.

''رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر میں نکلنے کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔غزوۂ بنومصطلق میں (جانے کے لیے) قرعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا۔''

(مسند البزّار: 8011، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔(الدرّ المنثور: 75/5)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي العَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا».

''لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف ِاوّل میں کتنا اجر ہے،تو انہیں (سبقت لے جانے کے لیے) اگر قرعہ اندازی بھی کرنا پڑے تو وہ کر لیں۔اگر وہ جان لیں کہ تکبیرِتحریمہ میں کتنا اجر ہے،تو وہ ضرور اس کی طرف جلدی کریں اور اگر انہیں عشاء اور صبح کی نماز کے اجروثواب کا علم ہو جائے،تو گھٹنوں کے بل بھی آنا پڑے تو آئیں۔''

(صحيح البخاري: 2689، صحيح مسلم: 437)

دلیل نمبر ⑦ : خارجہ بن زید انصاری تابعی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

إِنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ ـ امْرَأَةً مِنْ نِّسَائِهِمْ ـ قَدْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ طَارَ لَهُ سَهْمُهُ فِي السُّكْنٰى، حِينَ أَقْرَعَتِ الْأَنْصَارُ سُكْنَى الْمُهَاجِرِينَ، قَالَتْ أُمُّ العَلَاءِ : فَسَكَنَ عِنْدَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ . ''سیدہ ام علاء انصاریہ رضی اللہ عنہا، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل تھا، نے انہیں بتایا کہ جب انصار صحابہ کرام نے مہاجرین صحابہ کرام کی رہائش کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی، تو سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے نام کا قرعہ نکلا۔ وہ ہمارے ہاں رہائش پذیر ہوئے۔'' (صحيح البخاري : 2687)

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ الْيَمِينَ، فَأَسْرَعُوا، فَأَمَرَ أَنْ يُّسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ، أَيُّهُمْ يَحْلِفُ .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم کی پیش کش کی، تو وہ قسم اٹھانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کا حکم فرمایا کہ کون قسم اٹھائے گا؟''

(صحيح البخاري : 2674)

دلیل نمبر ⑨ : سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : «مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُودِ اللّٰهِ وَالوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلٰى سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ المَاءِ، مَرُّوا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوا : لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَّتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا، هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلٰى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا، وَنَجَوْا جَمِيعًا» .

”حدود اللہ کی پابندی کرنے والے اور ان کی پامالی کرنے والوں کی باہمی مثال ان لوگوں کی طرح ہے، جنہوں نے ایک کشتی میں قرعہ اندازی کی۔ان میں سے بعض کو اوپر والا حصہ ملا اور بعض کو نیچے والا۔ نیچے والوں کو جب پانی کی طلب ہوتی تو ان کو اوپر والوں کے پاس جانا پڑتا۔انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے ہی حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تنگ نہ کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔اگر اوپر والے نیچے والوں کو ان کے ارادے پر چھوڑ دیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے،لیکن اگر وہ ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور باقی سب لوگ بھی۔“

(صحيح البخاري : 2493)

ان تمام قرآنی اور حدیثی دلائل اور اقوالِ ائمہ مسلمین کے باوجود امام ابو حنیفہ قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ان کے لیے تو ہم یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ شاید ان کے پاس یہ دلائلِ شرعیہ نہ پہنچے ہوں،لیکن احناف مقلدین کا قرآن و سنت کے ان دلائل کو جان لینے کے بعد کوئی عذر مقبول نہیں ہوگا۔ان کو چاہیے کہ قرآن و سنت کو اپنی فقہ کی بھینٹ چڑھانے کی بجائے اسے قبول کریں۔

قرعہ اندازی کی منسوخیت کا دعویٰ!

بعض احناف قرعہ کو منسوخ قرار دینے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں، جیسا کہ:

علامہ،ابوجعفر،احمد بن محمد بن سلامہ،طحاوی حنفی (238-321ھ) لکھتے ہیں:

حَدِيثُ عِمْرَانَ مَنْسُوخٌ، لِأَنَّ الْقُرْعَةَ كَانَتْ فِي بَدْءِ الْإِسْلَامِ .

”سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے،کیونکہ قرعہ آغازِ اسلام میں مشروع تھا۔“

(شرح معاني الآثار : 381/4)

صاحبِ ہدایہ،علی بن ابوبکر،مرغینانی،حنفی (530-593ھ) لکھتے ہیں:

وَحَدِيثُ الْقُرْعَةِ كَانَ فِي ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ نُسِخَ .

''قرعہ کے بارے میں حدیث آغازِ اسلام کی ہے،اس کے بعد یہ منسوخ ہو گیا تھا۔''

(الهداية شرح في البداية : 225/3)

طحاوی حنفی اور صاحبِ ہدایہ کا دعویٰ منسوخیت انتہائی تعجب خیز ہے۔ یہ صرف اور صرف تقلیدِ جامد کا کرشمہ ہے۔ جب بہت سے محکم دلائل کا جواب نہ بن پڑا تو بغیر کسی دلیل کے محض اپنے مذہب کے دفاع میں ان کے نسخ کا دعویٰ کر دیا گیا۔کیا کسی شرعی حکم کو منسوخ کہنے کے لیے ایسے ناسخ حکم کا ہونا ضروری نہیں، جو پایۂ صحت کو پہنچنے کے ساتھ ساتھ اپنے مفہوم میں صریح بھی ہو؟ وہ ناسخ کہاں ہے؟اہل علم نے اس کارروائی کا سختی سے ردّ کیا ہے، جیسا کہ:

علامہ،علی بن احمد،ابن حزم رحمہ اللہ (384-456ھ)اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَقَدْ كَذَبُوا، مَا نُسِخَ ذٰلِكَ قَطُّ .

''ان لوگوں نے جھوٹ بولا ہے۔قرعہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہوا۔''

(المحلّٰى بالآثار : 345/9، الرقم : 1767)

اب قارئین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ انہوں نے قرآن وسنت کے صحیح وصریح دلائل پر عمل کرنا ہے یا فقہ حنفی کے بے دلیل فتوے پر؟

مثال نمبر ② : کنوارے زانی کی حدّ!

غیر شادی شدہ زانی کی شرعی حد یہ ہے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے۔جلاوطنی کنوارے زانی کی شرعی سزا کا جزوِ لاینفک ہے۔ صحیح احادیث اور ائمہ مسلمین کا اجماع اس پر دلیل ہے۔اس کے برعکس حنفی مقلدین کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حکمِ شرعی نہیں۔جلاوطنی کریں یا نہ کریں، کچھ فرق نہیں پڑتا۔

قارئین کرام پہلے اہل حق کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ① : کنوارے زانی کے لیے سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ جلاوطنی کے شرعی حد ہونے پر امتِ مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے۔ سوائے حنفی مقلدین کے کوئی اس کا مخالف نہیں۔ شارحِ بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَنَقَلَ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ فِي كِتَابِ «الْإِجْمَاعِ» الِاتِّفَاقَ عَلٰى نَفْيِ الزَّانِي إِلَّا عَنِ الْكُوفِيِّينَ . ''امام محمد بن نصر نے کتاب الاجماع میں زانی کو جلاوطن کرنے پر تمام اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے، سوائے کوفیوں کے۔''(فتح الباري : 12/157)

دلیل نمبر ② : سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کنوارے زانی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک سنا:

جَلْدُ مِأَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ . ''اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔''

(صحيح البخاري: 6831)

دلیل نمبر ③ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصِنْ، بِنَفْيِ عَامٍ بِإِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ . ''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوارے زانی کے لیے سو کوڑے مارنے کے ساتھ ساتھ ایک سال جلاوطنی کا فیصلہ فرمایا۔''

(صحيح البخاري: 6833)

دلیل نمبر ④ : سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ

جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ» . ”مجھ سے احکامِ شریعت لے لو، مجھ سے احکامِ شریعت سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے زانی عورتوں کے لیے فیصلہ فرما دیا ہے۔ اگر کنواری عورت کنوارے مرد سے زنا کرے، تو دونوں کو سو سو کوڑے مارنے کے ساتھ ایک ایک سال جلاوطن کیا جائے اور اگر شادی شدہ عورت شادی شدہ مرد سے زنا کرے، تو دونوں کو سو سو کوڑے مارنے کے ساتھ رجم کر دیا جائے۔“ (صحیح مسلم : 1690)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ : أَنْشُدُكَ اللّٰهَ ! إِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ، وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ، فَقَالَ : اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأْذَنْ لِي؟ قَالَ : قُلْ، قَالَ : إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا، فَزَنٰى بِامْرَأَتِهٖ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ رِجَالًا مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبَ عَامٍ، وَعَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهٗ، الْمِائَةُ شَاةٍ وَّالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا» .

”ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! آپ کو اللہ کا واسطہ، ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔ اس کا مدمقابل کھڑا ہوا، وہ اس سے سمجھ دار بھی تھا۔ اس نے کہا: ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو۔ اس

نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری کرتا تھا،اس نے اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا۔ میں نے ایک سو بکری اور ایک غلام اس کے فدیے کے طور پر دیا۔ پھر میں نے اہل علم لوگوں سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ملے گی، جبکہ اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے مابین اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔ تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سالہ جلاوطنی کی سزا ہو گی۔ اے اُنَیس! اس کی بیوی کے پاس جاؤ۔ اگر وہ اعترافِ جرم کرے، تو اسے رجم کر دو۔''(صحيح البخاري : 6827، صحيح مسلم : 1697)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ . ''نبی اکرم ﷺ نے (کنوارے زانی کو سو) کوڑے مارے اور (ایک سال) جلاوطن کیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی (کنوارے زانی کو سو) کوڑے مارے اور (ایک سال) جلاوطن کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی (کنوارے زانی کو سو) کوڑے مارے اور (ایک سال) جلاوطن کیا۔''

(سنن الترمذي : 1438، السنن الكبرٰى للنسائي : 7302، السنن الكبرٰى للبيهقي : 223/8، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 369/4، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(فتح الباري لابن حجر : 158/12)

امام حاکم رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ .

''یہ حدیث امام بخاری وامام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔''
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔
حافظ ابن قطان فاسی رحمہ اللہ اس حدیث اور اس کے راویوں کے بارے میں فرماتے ہیں:
وَعِنْدِي أَنَّهٗ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، مَا مِنْ هٰؤُلَاءِ مَنْ يُّسْأَلُ عَنْهُ، لِثِقَتِهِمْ وَشُهْرَتِهِمْ.
''میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔اس کے راویوں میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے بارے میں پوچھا جائے، کیونکہ یہ سارے ثقہ اور مشہور ہیں۔''(بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام: 5/444-445، ح: 262، نصب الراية للزيلعي: 3/331)
امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
وَقَدْ صَحَّ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّفْيُ، رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَزَيْدُ بْنُ خَالِدٍ، وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، وَغَيْرُهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعَلِيٌّ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَأَبُو ذَرٍّ، وَغَيْرُهُمْ، وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِّنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.
''یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (کنوارے زانی کو) جلاوطن کرنا ثابت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل کو سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا زید بن خالد، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، جن میں سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا ابوذر وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، کا اسی حدیث کے مطابق

عمل ہے۔ بہت سے تابعین فقہائے کرام سے یہی بات مروی ہے۔امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس، امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا یہی فتویٰ ہے۔“

دلیل نمبر ⑦ : امام عامر شعبی تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَلِيًّا جَلَدَ وَنَفٰى مِنَ الْبَصَرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ، أَوْ قَالَ : مِنَ الْكُوفَةِ إِلَى الْبَصَرَةِ . ”سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے (کنوارے زانی کو سو) کوڑے لگائے اور بصرہ سے کوفہ کی طرف یا کوفہ سے بصرہ کی طرف جلاوطن کیا۔“

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 223/8، وسندهٗ صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑧ : مفتیٔ مکہ، امام عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْبِكْرُ يُجْلَدُ مِاَةً وَيُنْفٰى سَنَةً . ”کنوارے زانی کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔“

(مصنّف عبد الرزّاق : 309/7، ح : 13306، وسندهٗ صحيحٌ)

ان تمام دلائلِ شرعیہ کے خلاف احناف کا مذہب یہ ہے کہ جلاوطنی شرعی حکم نہیں، حالانکہ کسی صحابی و تابعی نے کنوارے زانی کی جلاوطنی کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں فرمائی۔

جلاوطنی کے بارے میں دعویٔ نسخ کی حقیقت

احناف ان دلائل کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ احادیث منسوخ ہیں۔

(شرح معاني الآثار للطحاوي : 139/3، الهداية شرح البداية للمرغيناني : 504/2)

حسبِ ”روایت“ احناف کا یہ دعویٔ نسخ بھی بے دلیل اور محض اپنے مذہب کو سہارا دینے اور حدیث کو ردّ کرنے کے لیے ہے۔

ان کے ردّ وجواب میں حافظ، احمد بن علی، ابن حجر رحمہ اللہ (771-852ھ) فرماتے ہیں :

وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ بِأَنَّ حَدِيثَ عُبَادَةَ الَّذِي فِيهِ النَّفْيُ مَنْسُوخٌ بِآيَةِ النُّورِ، لِأَنَّ فِيهَا الْجَلْدَ بِغَيْرِ نَفْيٍ، وَتُعُقِّبَ بِأَنَّهُ يُحْتَاجُ إِلَى ثُبُوتِ التَّارِيخِ، وَبِأَنَّ الْعَكْسَ أَقْرَبُ، فَإِنَّ آيَةَ الْجَلْدِ مُطْلَقَةٌ فِي حَقِّ كُلِّ زَانٍ .

''بعض احناف نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سورۂ نور کی آیت کی بنا پر منسوخ ہے، کیونکہ اس آیت میں جلاوطنی کے بغیر کوڑوں کا ذکر ہے۔ اس کا ردّ یوں کیا گیا ہے کہ نسخ تاریخ کے ثبوت کا محتاج ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ آیت پہلے نازل ہوئی ہو اور حدیث بعد کی ہو، کیونکہ یہ کوڑوں والی آیتِ کریمہ ہر زانی کے بارے میں عام ہے (جبکہ حدیث نے بعد میں شادی شدہ کو اس سے خاص کیا ہے)۔''

(فتح الباري : 159/12)

نیز فرماتے ہیں : وَفِي دَعْوَى النَّسْخِ فِيْ ذٰلِكَ نَظَرٌ .

''اس بارے میں نسخ کا دعویٰ کرنا محل نظر ہے۔'' (الدراية مع الهداية : 504/2)

برصغیر پاک وہند کے مشہور حنفی عالم، علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (1263-1304ھ) لکھتے ہیں:

وَهُوَ أَمْرٌ لَّا سَبِيلَ إِلٰى إِثْبَاتِهٖ بَعْدَ ثُبُوتِ عَمَلِ الْخُلَفَاءِ بِهٖ، مَعَ أَنَّ النَّسْخَ لَا يَثْبُتُ بِالِاحْتِمَالِ . ''یہ ایسا دعویٰ ہے، جس کو ثابت کرنا ممکن ہی نہیں، کیونکہ خلفاءِ راشدین نے اس پر عمل کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نسخ محض احتمال کے ساتھ ثابت نہیں ہوسکتا۔'' (التعليق الممجّد على مؤطّإ محمّد : 90/3)

کیا جلاوطنی شرعی کی بجائے سیاسی حکم تھا؟

کنوارے زانی کے لیے جلاوطنی کی شرعی سزا ردّ کرنے کے لیے مقلدین دوسرا جواب

یہ دیتے ہیں کہ یہ سزا شرعی نہیں، بلکہ سیاسی اور تعزیری تھی۔لو اب مقلدین فیصلہ کریں گے کہ نبی اکرم ﷺ کے احکامات میں سے شرعی کون سے ہیں اور سیاسی و تعزیری کون سے؟ خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ کنوارے زانی کو جس طرح سوکوڑوں کی سزا دیتے تھے،اسی طرح جلاوطنی کی بھی سزا دیتے تھے۔صحابہ کرام شرعی احکامات کو بخوبی سمجھنے والے تھے،ان میں سے کسی نے جلاوطنی کو سیاسی یا تعزیری سزا قرار دے کر اس میں رخصت نہیں دی۔

مقلدین اس حوالے سے دو روایات پیش کرتے ہیں۔آیئے ان کی حالت ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت :

سعید بن مسیّب تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے :

غَرَّبَ عُمَرُ ابْنَ أُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ فِي الشَّرَابِ إِلٰى خَيْبَرَ، فَلَحِقَ بِهِرَقْلَ، فَتَنَصَّرَ، قَالَ عُمَرُ : لَا أُغَرِّبُ بَعْدَهٗ مُسْلِمًا أَبَدًا .

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب پینے کی بنا پر خیبر کی طرف جلاوطن کیا۔وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں آج کے بعد کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا۔''

لیکن اس روایت کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

* مصنف عبد الرزاق کی ایک سند میں امام عبد الرزاق اور امام ابن جریج دونوں ''مدلس'' ہیں۔انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

* مصنف کی دوسری سند میں بھی امام عبد الرزاق اور امام زہری دونوں کی ''تدلیس'' موجود ہے۔

لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جلاوطنی کو شرعی حدّ نہ ماننا ثابت نہیں ہو سکا، اس کے برعکس ان کا اپنے دورِ خلافت میں کنوارے زانی کو جلاوطنی کی سزا دینا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ثابت شدہ سنت کو چھوڑ کر ضعیف روایات سے دین کے احکام اخذ کرنا کون سی فقاہت ہے؟

سیدنا عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جلاوطنی :

امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ، فِي الْبِكْرِ يَزْنِي بِالْبِكْرِ : يُجْلَدَانِ مِائَةً، وَيُنْفَيَانِ سَنَةً، قَالَ إِبْرَاهِيمُ : لَا يُنْفَيَانِ إِلٰى قَرْيَةٍ وَّاحِدَةٍ، يُنْفٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا إِلٰى قَرْيَةٍ، وَقَالَ عَلِيٌّ : حَسْبُهُمَا مِنَ الْفِتْنَةِ أَنْ يُّنْفَيَا .

''سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کنوارے مرد کے کنواری عورت کے ساتھ زنا کی صورت میں فرمایا کہ دونوں کو سوسو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ (ابراہیم نخعی کہتے ہیں :) دونوں کو ایک ہی بستی کی طرف جلاوطن نہ کیا جائے، بلکہ دونوں کو الگ الگ بستیوں میں بھیجا جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دونوں کو جلاوطن کرنا بہت بڑے فتنہ کا باعث ہے۔''

(مصنّف عبد الرزّاق : 311/7، ح : 13313، كتاب الآثار لمحمّد بن الحسن الشيباني نقلًا عن الدراية مع الهداية لابن حجر : 504/2)

اس قول کی سند بھی سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

* امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی بیان کردہ سند میں درجِ ذیل چار علتیں ہیں :

① امام عبد الرزاق بن ہمام ''مدلس'' ہیں اور سماع کی تصریح نہیں کی۔

② امام ابوحنیفہ باتفاقِ محدثین روایتِ حدیث میں معتبر نہیں۔ کسی ثقہ محدث سے ان کا ثقہ ہونا ثابت نہیں۔

③ حماد بن ابوسلیمان ''مختلط'' روای ہیں اور امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے نہیں، جنہوں نے ان سے قبل از اختلاط سنا ہے۔اس بارے میں علامہ ہیثمی لکھتے ہیں:

وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْ حَدِيثِ حَمَّادٍ إِلَّا مَا رَوَاهُ عَنْهُ الْقُدَمَاءُ؛ شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالدَّسْتَوَائِيُّ، وَمَنْ عَدَا هٰؤُلَاءِ رَوَوْا عَنْهُ بَعْدَ الِاخْتِلَاطِ.

''حماد کی وہی حدیث قبول کی جائے گی، جو ان سے قدماء، یعنی شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام دستوائی نے بیان کی ہے۔باقی لوگوں نے حماد سے اختلاط کے بعد احادیث سنی ہیں۔''

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: 119/1)

④ ابراہیم نخعی نے کسی صحابی سے سماع نہیں کیا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہی نہیں ہوئی تو ان سے روایت کیسے بیان کر سکتے ہیں؟

* رہی کتاب الآثار، تو وہ جھوٹی کتاب ہے۔اس کا راوی محمد بن حسن شیبانی محدثین کرام کے بقول ''کذاب'' ہے۔اس کی بیان کردہ کوئی روایت معتبر نہیں۔

معلوم ہوا کہ کنوارے زانی کی شرعی حد سوکوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔جلاوطنی کے شرعی سزا ہونے کا انکار سنتِ رسول کی مخالفت اور حدودِ اسلام کی پامالی ہے۔اسی طرح قرعہ اندازی بھی قرآنی تعلیم اور سنتِ رسول ہے۔اس کا انکار قرآن وسنت سے انحراف ہے۔

مقلدین محض تقلید کی بنا پر قرآن و سنت کی ان تعلیمات سے رُوگردانی کیے ہوئے ہیں۔ اس سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ تقلید، اتباع و اطاعت کے منافی اور واضح گمراہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہر گمراہی سے محفوظ فرمائے۔

❀❀❀❀❀❀❀

اہلِ تشیُّع کی بنیاد ہی غلوّ پر ہے، جیسا کہ مشہور شیعہ عالم محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار (267/26) میں یوں باب قائم کیا ہے:

بَابُ تَعْظِيمِهِمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ، وَعَلٰى جَمِيعِ الْخَلْقِ.

''اس بات کا بیان کہ اہل بیت کو انبیائے کرام اور تمام مخلوق پر عظمت حاصل ہے۔''

ان کے نزدیک ائمہ معصومین تمام انبیا اور ساری مخلوق سے افضل ہیں، یعنی ان لوگوں نے اہلِ بیت کی محبت میں اس قدر غلوّ کیا کہ ان کو انبیائے کرام سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں جو لوگ انبیائے کرام جیسی مقدس ہستیوں کی گستاخی کے درپے ہوں، ان سے صحابہ کرام کے بارے میں کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟

امت کے سب سے بہتر اور افضل انسان سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ رسول پر طعن و تشنیع کرنا تو گویا ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ یہ لوگ خلیفۂ اول، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بنیاد پر غاصب اور ظالم قرار دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک مدینہ، خیبر اور فدک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں جو مال اور زمین تھی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تھی۔ ان کے بقول وہ اہل بیت میں تقسیم ہونا چاہیے تھی، وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کو کیوں نہ دی؟ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مطالبے پر بھی ان کو نہیں دی گئی۔۔۔

حالانکہ بدیہی بات ہے کہ یہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اجتہادی خطا تھی، کیونکہ اس دعویٰ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اہل بیت میں سے کوئی فرد شریک نہیں ہوا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دلیل کے ساتھ قائل کرنے کی کوشش کی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

اور اہل بیت میں سے کسی نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حوالے سے غاصب یا ظالم نہیں کہا۔ وہ کہہ بھی کیسے سکتے تھے؟ وہ مال سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ غصب کیا، نہ اپنی ذات پر اس میں سے ایک پائی بھی خرچ کی، بلکہ خلیفہ ہونے کے ناطے ان کے پاس امانت تھا۔ ان کے بعد پھر یہی مال سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، ان کے بعد سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے پاس آ گیا۔

سوال یہ ہے کہ وہ مال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اہل بیت کے مابین تقسیم کیوں نہ کیا؟ جو جواب یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیا جائے گا، وہی جواب وہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں سمجھا جائے۔ کیا اس بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو غاصب قرار دیا جا سکتا ہے؟

اسی بارے میں امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الرَّوَافِضُ فَلَيْسَ قَوْلُهُمْ مِّمَّا يُشْتَغَلُ بِهٖ، وَلَا يُحْكٰى مِثْلُهٗ، لِمَا فِيهِ مِنَ الطَّعْنِ عَلَى السَّلَفِ، وَالْمُخَالَفَةِ لِسَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ،-----، وَكَيْفَ يَسُوغُ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّظُنَّ بِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْعَ فَاطِمَةَ مِيرَاثَهَا مِنْ أَبِيهَا، وَهُوَ يَعْلَمُ بِنَقْلِ الْكَافَّةِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُعْطِي الْأَحْمَرَ وَالْأَسْوَدَ حُقُوقَهُمْ، وَلَمْ يَسْتَأْثِرْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ لِنَفْسِهٖ، وَلَا لِبَنِيهِ، وَلَا لِأَحَدٍ مِّنْ عَشِيرَتِهٖ بِشَيْءٍ، وَإِنَّمَا أَجْرَاهُ مَجْرَى الصَّدَقَةِ، أَلَيْسَ يَسْتَحِيلُ فِي الْعُقُولِ أَنْ يَّمْنَعَ فَاطِمَةَ، وَيَرُدَّهٗ عَلٰى سَائِرِ الْمُسْلِمِينَ ؟

''روافض کے قول کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے، نہ ہی اُسے نقل کیا جائے، کیونکہ اس میں سلف صالحین پر طعن ہے اور مؤمنوں کے راستے کی مخالفت ہے۔ کسی مسلمان کے لیے

کیسے ممکن ہے کہ وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان کرے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے ان کے والد محترم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت روک دی تھی؟ حالانکہ وہ تمام لوگوں کی نقل کی ہوئی اس بات کو جانتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سرخ و سیاہ کے حقوق کو ادا کرتے تھے۔انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کے مال میں سے اپنی ذات، اولاد اور اپنے عزیز و اقارب میں سے بھی کسی کے لئے کچھ نہیں لیا۔انہوں نے بیت المال میں آنے والے تمام مال کو صدقہ کی حیثیت سے لوگوں پر خرچ کیا۔کیا عقلاً یہ محال نہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مال کو روک لیں اور اسے باقی مسلمانوں پر خرچ کر دیں؟''

(التمهيد لما في الموطّإ من المعاني والأسانيد لابن عبد البرّ: 8/161-172)

باغِ فدک اور احادیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باغِ فدک کو صدقہ کی حیثیت دی، جو کہ اہل بیت پر حرام ہے اور ان کا یہ فیصلہ بالکل برحق تھا، جیسا کہ:

① متواتر حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ».

''ہماری میراث نہیں ہوتی۔ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

(صحيح البخاري: 6727، صحيح مسلم: 1761، عن أبي هريرة)

② ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ فَاطِمَةَ، عَلَيْهَا السَّلَامُ، أَرْسَلَتْ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَطْلُبُ صَدَقَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ وَفَدَكَ،

وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ هٰذَا المَالِ، يَعْنِى مَالَ اللّٰهِ، لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَّزِيدُوا عَلَى المَأْكَلِ»، وَإِنِّي وَاللّٰهِ ! لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِّنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ، وَذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِّنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَقَّهُمْ، فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ! لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي .

''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ایک آدمی بھیج کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میراث کا مطالبہ کیا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ فے کی صورت میں دی تھی، یعنی آپ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ مدینہ کی اس جائیداد کے بارے میں تھا، (جس کی آمدن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مصارفِ خیر میں خرچ کرتے تھے) اور اسی طرح فدک کی جائیداد اور خیبر کے خمس کا بھی مطالبہ کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے ہیں کہ ہماری میراث نہیں ہوتی، ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے اور یہ کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات اس مال سے پورے کئے جائیں، مگر انہیں یہ حق نہیں ہوگا کہ کھانے کے علاوہ اور کچھ تصرف کریں۔ اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صدقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا کرتے تھے، ان میں کوئی رد و بدل نہیں کروں گا، بلکہ وہی نظام جاری رکھوں گا، جو

نبی کریم ﷺ نے خود قائم فرمایا تھا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! ہم آپ کی فضیلت و مرتبہ کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنی قرابت داری اور اپنے حق کا ذکر کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، نبی کریم ﷺ کے قرابت داروں سے حسن سلوک کرنا مجھ کو اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے زیادہ عزیز ہے۔'' (صحيح البخاري: 3711، 3712، صحيح مسلم: 1758)

شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

وَ [صَدَقَةً] بِالنَّصْبِ عَلَى الْحَالِ، وَهِيَ دَعْوٰى مِنْ بَعْضِ الرَّافِضَةِ، فَادَّعٰى أَنَّ الصَّوَابَ فِي قِرَاءَةِ هٰذَا الْحَدِيثِ هٰكَذَا، وَالَّذِي تَوَارَدَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْحَدِيثِ فِي الْقَدِيمِ وَالْحَدِيثِ [لَا نُورَثُ]، بِالنُّونِ وَ [صَدَقَةٌ] بِالرَّفْعِ، وَأَنَّ لِلْكَلَامِ جُمْلَتَيْنِ، وَ [مَا تَرَكْنَا] فِي مَوْضِعِ الرَّفْعِ بِالِابْتِدَاءِ، وَ [صَدَقَةٌ] خَبَرُهُ، وَيُؤَيِّدُهُ وُرُودُهُ فِي بَعْضِ طُرُقِ الصَّحِيحِ [مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ]، وَقَدِ احْتَجَّ بَعْضُ الْمُحَدِّثِينَ عَلٰى بَعْضِ الْإِمَامِيَّةِ، بِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ اِحْتَجَّ بِهٰذَا الْكَلَامِ عَلٰى فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فِيمَا الْتَمَسَتْ مِنْهُ مِنَ الَّذِي خَلَفَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَرَاضِي، وَهُمَا مِنْ أَفْصَحِ الْفُصَحَاءِ، وَأَعْلَمُهُمْ بِمَدْلُولَاتِ الْأَلْفَاظِ، وَلَوْ كَانَ الْأَمْرُ كَمَا يَقْرَؤُهُ الرَّافِضِيُّ لَمْ يَكُنْ فِيمَا احْتَجَّ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حُجَّةٌ، وَلَا كَانَ جَوَابُهُ مُطَابِقًا لِّسُؤَالِهَا، وَهٰذَا وَاضِحٌ لِّمَنْ أَنْصَفَ.

''بعض روافض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس حدیث کی قراءت میں لفظ [صَدَقَةً] کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا ہی صحیح ہے، لیکن جس پر جدید اور قدیم محدثین کا اتفاق ہے، وہ [لَا نُورَثُ] نون کے ساتھ ہے، [صَدَقَةٌ] مرفوع ہے۔کلام کے دو جملے ہیں؛ ایک [مَا تَرَكْنَا] مبتدا ہونے کے لحاظ سے محلاً مرفوع ہے، [صَدَقَةٌ] اس کی خبر ہے۔صحیح بخاری کی ایک راویت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں الفاظ یہ ہیں: [مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] یعنی ہم (انبیاء) نے جو مال چھوڑا ہے وہ صدقہ ہی ہے۔محدثین کرام نے بعض امامی رافضیوں کے خلاف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو ہی کو دلیل بنایا ہے، جو انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس زمین کے متعلق بطورِ دلیل پیش کی، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے تھے۔ یہ دونوں ہستیاں تمام فصحاء سے بڑی فصیح تھیں۔دونوں حدیث کے الفاظ کے مطالب و مفاہیم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔اگر ان الفاظ کی قراءت ایسے ہی ہے، جیسے رافضی پڑھتے ہیں، پھر اس سے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلیل ہی نہیں بنتی اور ان کا جواب بھی سوال کے مطابق نہیں بنتا۔انصاف کا دامن تھامنے والے کے لئے بات واضح ہے۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري: 202/6)

حافظ، عبد الرحیم بن حسین، عراقی رحمہ اللہ (725-806ھ) کہتے ہیں:

هٰذِهِ الرِّوَايَةُ صَرِيحَةٌ فِي الرَّدِّ عَلٰى بَعْضِ جَهَلَةِ الشِّيعَةِ، حَيْثُ قَالَ فِي الرِّوَايَةِ الَّتِي سُقْنَاهَا مِنْ مُّسْلِمٍ: «مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ» أَنَّهٗ بِالنَّصْبِ عَلٰى أَنَّ مَا نَافِيَةٌ، وَهُوَ غَلَطٌ قَبِيحٌ، بَلْ هُوَ بِالرَّفْعِ، وَمَا مَوْصُولَةٌ، وَرِوَايَتُنَا صَرِيحَةٌ فِي ذٰلِكَ، لِقَوْلِهٖ فِيهَا: «فَهُوَ صَدَقَةٌ».

''یہ روایت بعض جاہل شیعوں کا واضح طور پر ردّ کرتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو روایت

ہم نے صحیح مسلم سے لی ہے، اس میں لفظِ [صَدَقَة] منصوب ہے اور ما نافیہ ہے، (یعنی جو ہم انبیاء چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ نہیں) لیکن یہ ان کی قبیح غلطی ہے، کیونکہ [صَدَقَةٌ] مرفوع ہے، اور ما موصولہ ہے۔اس ضمن میں ہماری بیان کردہ روایت بالکل واضح ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ان الفاظ میں ہے: [مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] ہم انبیاء جو چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہی ہوتا ہے۔''(طرح التثريب في شرح التقريب : 242/6)

شارحِ سنن ترمذی، علامہ محمد عبدالرحمٰن، مبارکپوری رحمہ اللہ (م: 1353ھ) کہتے ہیں:

وَ [مَا تَرَكْنَا] فِي مَوْضِعِ الرَّفْعِ بِالِابْتِدَاءِ، وَ [صَدَقَةٌ] خَبَرُهُ، وَقَدْ زَعَمَ بَعْضُ الرَّافِضَةِ أَنَّ [لَا نُورَثُ] بِالْيَاءِ التَّحْتَانِيَّةِ، وَ [صَدَقَةً] بِالنَّصْبِ عَلَى الْحَالِ، وَ [مَا تَرَكْنَاهُ] فِي مَحَلِّ رَفْعٍ عَلَى النِّيَابَةِ، وَالتَّقْدِير : لَا يُورَثُ الَّذِي تَرَكْنَاهُ حَالَ كَوْنِهِ صَدَقَةً، وَهٰذَا خِلَافُ مَا جَاءَ تْ بِهِ الرِّوَايَةُ، وَنَقَلَهُ الْحُفَّاظُ، وَمَا ذٰلِكَ بِأَوَّلِ تَحْرِيفٍ مِّنْ أَهْلِ تِلْكَ النِّحْلَةِ، وَيُوَضِّحُ بُطْلَانَهُ مَا فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ الْمَذْكُورِ بِلَفْظِ [فَهُوَ صَدَقَةٌ]، وَقَوْلُهُ : «لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا» .

''[مَا تَرَكْنَا] مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور [صَدَقَةٌ] اس کی خبر ہے۔بعض رافضیوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ لفظ [يُورَثُ] ہے، [صَدَقَةً] حال ہونے کے لحاظ سے منصوب ہے۔[مَا تَرَكْنَا] یہ مرفوع بالنیابۃ ہے۔اصل عبارت یوں ہوگی: [لَا يُورَثُ الَّذِي تَرَكْنَاهُ حَالَ كَوْنِهِ صَدَقَةً] جو چیز ہم بطورِ صدقہ چھوڑتے ہیں، وہ میراث نہیں ہوتی۔یہ تاویل ان صحیح احادیث کے خلاف ہے، جن کو حفاظ محدثین نے نقل کیا ہے۔یہ اس فرقہ کی کوئی پہلی تحریف نہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث اس بات کا واضح طور پر ردّ کرتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: [مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] ہم انبیاء جو چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہی

ہوتا ہے۔اور آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی صریح طور پر یہ تاویل باطل قرار پاتی ہے کہ میرے وارث بننے والے لوگ ایک دینار بھی بطورِ وراثت حاصل نہیں کریں گے۔''

(تحفة الأحوذي : 5/193)

یہاں ہم ایک مناظرہ کا بھی ذکر کیے دیتے ہیں،جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مرتضٰی موسوی شیعہ اور ابوعلی حسین بن خضر قاضی کے مابین مسئلہ ''میراث الانبیاء'' پر ہوا۔ ہمیں اس کی سند تو نہیں مل سکی،البتہ اس قصے میں رافضیوں کے استدلال کا ایک اور طریقے سے ردّ موجود ہے۔اسی فائدے کی خاطر اسے پیش کیا جا رہا ہے:

فَإِنَّ أَبَا عَلِيٍّ تَمَسَّكَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ (قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»)، فَاعْتَرَضَ عَلَيْهِ الْمُرْتَضَى الْمُوسَوِيُّ، وَقَالَ : كَيْفَ تَقُولُ إِعْرَابَ صَدَقَةٍ بِالرَّفْعِ أَوِ النَّصْبِ؟ إِنْ قُلْتَ بِالرَّفْعِ فَلَيْسَ كَذٰلِكَ، وَإِنْ قُلْتَ بِالنَّصْبِ فَهُوَ حُجَّتِي، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً»، يَعْنِي لَمْ نَتْرُكْهُ صَدَقَةً، فَدَخَلَ أَبُو عَلِيٍّ وَقَالَ : فِيمَا ذَهَبْتَ إِلَيْهِ إِبْطَالُ فَائِدَةِ الْحَدِيثِ، فَإِنَّ أَحَدًا لَّا يَخْفٰى عَلَيْهِ أَنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا مَاتَ يَرِثُهٗ قَرِيبُهٗ، وَأَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَلَا يَكُونُ صَدَقَةً وَّلَا يَقَعُ فِيهِ الْإِشْكَالُ، فَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ مَا تَرَكَهٗ صَدَقَةٌ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ .

''ابوعلی قاضی نے اس حدیث کو دلیل بنایا(کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:ہماری میراث نہیں ہوتی، ہم (انبیاء)جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے)۔اس پر مرتضٰی موسوی شیعہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: آپ اس حدیث کا اعراب کیسے پڑھتے ہو؟[صَدَقَة] کو مرفوع کرتے ہو یا منصوب؟اگر اسے مرفوع پڑھتے ہو تو آپ کی بات درست نہیں ہے اور

اگر منصوب پڑھتے ہو، پھر تو یہ میری دلیل بنتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:[مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً]، یعنی ہم صدقہ نہیں چھوڑتے۔ابوعلی قاضی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا: جس طرف آپ اس حدیث کو لے کر جارہے ہیں،اس سے حدیث کا مقصد ہی باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ بات کسی انسان پر مخفی نہیں ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے، لوگوں میں سے جو سب سے بڑھ کر اس کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں، وہ اس کے وارث بنتے ہیں، وہ مال صدقہ نہیں ہوتا۔اس بات میں کوئی اشکال بھی نہیں۔اس خصوصی بیان کا مقصد ہی یہی ہے کہ عام لوگوں کے برعکس نبی اکرم ﷺ نے جو مال چھوڑا، وہ صدقہ ہے۔''

(الأنساب للسمعاني : 310/9)

یعنی ہر کسی کو معلوم ہے کہ امتیوں کا چھوڑا ہوا مال وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے، صدقہ نہیں ہوتا۔اگر نبی اکرم ﷺ کی وراثت میں بھی یہی معاملہ تھا، تو اس کا خصوصی بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔حقیقت یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وراثت کا معاملہ خاص تھا اور وہ یہ تھا کہ ان کی وراثت نہیں ہوتی، وہ جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہی ہوتا ہے۔اس حدیث کا یہی مفہوم ہے، جیسا کہ وضاحت سے بیان بھی ہو چکا ہے۔

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

إِنَّ فَاطِمَةَ جَائَتْ أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، تَسْأَلُ مِيرَاثَهَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَا : سَمِعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : «إِنِّي لَا أُورَثُ»، قَالَتْ : وَاللّٰهِ ! لَا أُكَلِّمُكُمَا أَبَدًا، فَمَاتَتْ وَلَا تُكَلِّمُهُمَا .

''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں تا کہ ان سے نبی کریم ﷺ کی میراث طلب کریں۔ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ

کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: میری کوئی وراثت نہیں ہوگی۔ اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ دونوں سے کبھی گفتگو نہیں کروں گی۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوت ہونے تک ان دونوں صحابہ سے بات نہیں کی۔''

(مسند الإمام أحمد: 13/1، سنن الترمذي: 1609، وسندهٗ حسنٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ، علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَعْنٰی: لَا أُكَلِّمُكُمَا، تَعْنِي فِي هٰذَا المِيرَاثِ أَبَدًا، أَنْتُمَا صَادِقَانِ.

''روایت میں مذکور یہ الفاظ کہ میں آپ دونوں سے کبھی گفتگو نہیں کروں گی، ان کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس میراث کے بارے میں کبھی آپ دونوں سے دوبارہ گفتگو نہیں کروں گی، کیونکہ آپ دونوں سچے ہیں۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات تک دوبارہ اس وراثت کا تقاضا نہیں فرمایا۔'' (سنن الترمذي، تحت الحديث: 1609)

ان الفاظ کا یہی معنیٰ و مفہوم معتبر ہے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بات ہماری ذکر کردہ حدیث نمبر ② میں بیان ہو چکی ہے۔

④ ایک روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

إِنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا جَاءَتْ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَتْ: مَنْ يَّرِثُكَ؟ قَالَ: أَهْلِي وَوَلَدِي، قَالَتْ: فَمَا لِي لَا أَرِثُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّا لَا نُورَثُ»، وَلٰكِنِّي أَعُولُ مَنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهٗ، وَأُنْفِقُ عَلٰى مَنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: آپ کا وارث کون ہو

گا؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میری بیوی اور بچے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں: پھر کیا وجہ ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث نہیں بن رہی۔ اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا: لیکن میں ان تمام لوگوں کی کفالت کرتا رہوں گا، جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفالت کیا کرتے تھے اور میں ان تمام لوگوں کو خرچ فراہم کروں گا، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فراہم کیا کرتے تھے۔" (السنن الکبرٰی للبیهقي: 302/6، وسندهٗ حسنٌ)

⑤ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَئُونَةِ عَامِلِي، فَهُوَ صَدَقَةٌ».

"جو لوگ میرے وارث ہیں، وہ میرے چھوڑے ہوئے دینار اور درہم کو تقسیم نہ کریں۔ میرا چھوڑا ہوا مال میری ازواج کے اخراجات اور جائیداد کا اہتمام کرنے والے کا خرچ نکالنے کے بعد صدقہ ہوگا۔" (صحیح البخاري: 2776، صحیح مسلم: 1760)

⑥ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

إِنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ، ابْنَةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ يَّقْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا، مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ، فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهٗ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ، وَعَاشَتْ

بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، قَالَتْ : وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا، مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْبَرَ، وَفَدَكَ، وَصَدَقَتِهٖ بِالْمَدِينَةِ، فَأَبٰى أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذٰلِكَ، وَقَالَ : لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا، كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهٖ إِلَّا عَمِلْتُ بِهٖ، فَإِنِّي أَخْشٰى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِهٖ أَنْ أَزِيغَ، فَأَمَّا صَدَقَتُهٗ بِالْمَدِينَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلٰى عَلِيٍّ، وَعَبَّاسٍ، وَأَمَّا خَيْبَرُ، وَفَدَكُ، فَأَمْسَكَهَا عُمَرُ، وَقَالَ : هُمَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتَا لِحُقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَنَوَائِبِهٖ، وَأَمْرُهُمَا إِلٰى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ، قَالَ : فَهُمَا عَلٰى ذٰلِكَ إِلَى الْيَوْمِ .

''رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی،سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے جہانِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے ترکہ کا مطالبہ کیا، کہ ان کو نبی کریم ﷺ کی میراث سے حصہ دیا جائے، جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مالِ فے کی صورت میں دی تھی۔سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا، ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر غصے کا اظہار کیا اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کو ترک کر دیا اور وفات تک ان سے نہ ملیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید بیان فرمایا: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے خیبر، فدک اور مدینہ کے صدقہ کی وراثت کا مطالبہ کیا تھا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سے انکار تھا۔ انہوں نے فرمایا: میں کسی بھی ایسے عمل کو نہیں چھوڑ سکتا، جسے رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں کرتے تھے، میں ہر ایسے عمل کو ضرور کروں گا، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کو چھوڑا تو میں حق سے منحرف

ہو جاؤں گا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ کا مدینہ منورہ میں جو صدقہ تھا، وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِخلافت میں سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کو دے دیا، البتہ خیبر اور فدک کی جائیداد کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روک لیا اور فرمایا: یہ دونوں اشیاء رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صدقہ ہیں،ان حقوق کے لئے جو وقتی طور پر پیش آتے یا وقتی حادثات کے لئے۔یہ جائیدادیں اس شخص کے اختیار میں رہیں گی جو خلیفہ وقت ہوگا۔امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ان دونوں جائیدادوں کا انتظام آج تک ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔''

(صحيح البخاري 3093، 3092، صحيح مسلم: 1759)

فدک کی زمین ہبہ یا وراثت؟

بعض الناس اس مسئلہ میں واضح تناقض و اضطراب کا شکار ہیں۔کبھی تو کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی زمین رسول اللہ ﷺ نے ہبہ کی تھی اور کبھی کہتے ہیں کہ انہوں نے بطور میراث فدک کی زمین سے اپنا حصہ مانگا تھا۔

اس بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَا ذُكِرَ مِنَ ادِّعَاءِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَدَكَ، فَإِنَّ هٰذَا يُنَاقِضُ كَوْنَهَا مِيرَاثًا لَّهَا، فَإِنْ كَانَ طَلَبُهَا بِطَرِيقِ الْإِرْثِ امْتَنَعَ أَنْ يَكُونَ بِطَرِيقِ الْهِبَةِ، وَإِنْ كَانَ بِطْرِيقِ الْهِبَةِ امْتَنَعَ أَنْ يَّكُونَ بِطَرِيقِ الْإِرْثِ، ثُمَّ إِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ هِبَةً فِي مَرَضِ الْمَوْتِ، فَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَزَّهٌ، إِنْ كَانَ يُورَثُ كَمَا يُورَثُ غَيْرُهٗ، أَنْ يُّوصِيَ لِوَارِثٍ أَوْ يَخُصَّهٗ فِي مَرَضِ مَوْتِهٖ بِأَكْثَرَ مِنْ حَقِّهٖ، وَإِنْ كَانَ فِي صِحَّتِهٖ فَلَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ هٰذِهٖ هِبَةً مَّقْبُوضَةً، وَإِلَّا فَإِذَا وَهَبَ الْوَاهِبُ بِكَلَامِهٖ وَلَمْ يَقْبِضِ الْمَوْهُوبُ شَيْئًا حَتّٰى مَاتَ

الْوَاهِبُ كَانَ ذٰلِكَ بَاطِلًا عِنْدَ جَمَاهِيرِ الْعُلَمَاءِ، فَكَيْفَ يَهِبُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَكَ لِفَاطِمَةَ، وَلَا يَكُونُ هٰذَا أَمْرًا مَّعْرُوفًا عِنْدَ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَالْمُسْلِمِينَ، حَتّٰى تُخَصَّ بِمَعْرِفَتِهٖ أُمُّ أَيْمَنَ أَوْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ؟

''مالِ فدک کے متعلق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کا جو ذکر ملتا ہے،اس میں تناقض پایا جاتا ہے،(یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں)اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک کی جاگیر میراث کی بنا پر طلب کرتی تھیں،تو یہ ہبہ نہیں ہوسکتا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاگیر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی،تو یہ وراثت نہیں بن سکتی۔اگر یہ مانا جائے کہ یہ جاگیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی اور دوسرے لوگوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت بھی تقسیم ہونا تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ِمبارک اس سے مبرا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم،سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں وصیت کرتے،یاحالتِ مرض میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حق سے زیادہ مال عطا فرماتے، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہا حقیقی وارث بھی تھیں اور وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ صحت میں فدک کی جاگیر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا کی تھی، تو وہ ہبہ باقبضہ ہونا چاہئے تھا،اس لئے کہ ہبہ کرنے والا اگر کوئی چیز ہبہ کر دے اور جس کو ہبہ کیا گیا ہے،وہ اس چیز پر قابض نہ ہو اور ہبہ کرنے والا فوت ہو جائے،تو ایسا ہبہ جمہور علماء کے نزدیک ختم ہو جاتا ہے۔یہ امر بھی موجب حیرت و استعجاب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کی جاگیر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا کی،مگر اس معاملہ کے متعلق سیدہ امِ ایمن رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سوا اہل بیت اور جملہ صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا!''

(منهاج السنّة النبويّة في نقض كلام الشيعة القدريّة : 228/4)

صحیح بات تو یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث کی حیثیت سے تھا،جیسا کہ:

⑦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے:

إِنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ، بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ، تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِالْمَدِينَةِ، وَفَدَكَ، وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ [صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ] فِي هٰذَا الْمَالِ»، وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِي كَانَ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبٰى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَّدْفَعَ إِلٰى فَاطِمَةَ مِنْهَا شَيْئًا، فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ فِي ذٰلِكَ، فَهَجَرَتْهُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ .

''نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ ؓ نے سیدنا ابو بکر ؓ کے پاس کسی آدمی کو بھیجا اور نبی کریم ﷺ کے اس مال سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ اور فدک میں عنایت فرمایا تھا، اور خیبر کا جو پانچواں حصہ رہ گیا تھا۔ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا: ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ البتہ آلِ محمد ﷺ اس مال سے کھاتی رہے گی۔ اللہ کی قسم! جو صدقہ نبی کریم ﷺ چھوڑ کر گئے ہیں، جس حال میں وہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں تھا، میں اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں کروں گا، وہ اب بھی اسی طرح رہے گا۔ اس (کی تقسیم وغیرہ) میں، مَیں بھی وہی طرزِ عمل اختیار کروں گا، جو نبی کریم ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ میں تھا۔ الغرض سیدنا ابو بکر ؓ نے سیدہ فاطمہ ؓ کو کچھ دینے سے معذرت کر لی۔ اس پر سیدہ فاطمہ ؓ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ سے خفا ہو گئیں اور

ان سے ملاقات کو ترک کر دیا۔ اس کے بعد وفات تک ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔''

(صحيح البخاري: 4240، صحيح مسلم: 1759)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

كَوْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُورَثُ، ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ الْمَقْطُوعِ بِهَا وَبِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ، وَكُلٌّ مِّنْهُمَا دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ، فَلَا يُعَارَضُ ذٰلِكَ بِمَا يُظَنُّ أَنَّهُ عُمُومٌ، وَإِنْ كَانَ عُمُومًا فَهُوَ مَخْصُوصٌ، لِأَنَّ ذٰلِكَ لَوْ كَانَ دَلِيلًا لَّمَا كَانَ إِلَّا ظَنِّيًّا، فَلَا يُعَارِضُ الْقَطْعِيَّ، إِذِ الظَّنِّيُّ لَا يُعَارِضُ الْقَطْعِيَّ، وَذٰلِكَ أَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ فِي أَوْقَاتٍ وَّمَجَالِسَ، وَلَيْسَ فِيهِمْ مَّنْ يُّنْكِرُهُ، بَلْ كُلُّهُمْ تَلَقَّاهُ بِالْقَبُولِ وَالتَّصْدِيقِ، وَلِهٰذَا لَمْ يُصِرَّ أَحَدٌ مِّنْ أَزْوَاجِهٖ عَلَى طَلَبِ الْمِيرَاثِ، وَلَا أَصَرَّ الْعَمُّ عَلٰى طَلَبِ الْمِيرَاثِ، بَلْ مَنْ طَلَبَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَأُخْبِرَ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَجَعَ عَنْ طَلَبِهٖ، وَاسْتَمَرَّ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ إِلٰى عَلِيٍّ، فَلَمْ يُغَيِّرْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ وَقَسَّمَ لَهُ تَرِكَةً.

''کسی کا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث نہ بن سکنا صحیح و قطعی سنت اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے اور یہ دونوں قطعی دلیلیں ہیں، لہٰذا اپنے ظن پر مبنی 'عموم' سے ان دلائل کا معارضہ کرنا درست نہیں۔ اگر عمومی مفہوم کو درست مان لیا جائے، تو اس میں تخصیص سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ بہر صورت یہ دلیل ظنی ہو گی جو کہ قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی، کیونکہ ظنی دلیل قطعی کی معارض نہیں ہو سکتی۔ ہماری دلیل کے قطعی ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء کی وراثت کے تقسیم نہ ہونے والی حدیث کو مختلف اوقات اور مجالس میں کئی صحابہ کرام نے

روایت کیا، مگر کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے قبول کیا اور سچ جانا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے میراث نبوی کے مطالبہ پر اصرار نہیں کیا، نہ ہی آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اس مطالبہ پر اصرار کیا۔ اگر کسی نے مطالبہ کیا بھی اور اسے نبی کریم ﷺ کا فرمان سنایا گیا تو وہ مطالبہ سے فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک تمام خلفائے راشدین کے عہد میں یہی حالت برقرار رہی، کسی نے نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ ہی آپ ﷺ کا ترکہ تقسیم کیا۔''

(منهاج السنّة في نقض كلام الشيعة والقدرية : 220/4)

یہاں ہم حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا ذکر کردہ بے سند قصہ بھی بیان کیے دیتے ہیں کہ ابو العباس، عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی، المعروف بہ السفاح کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ خَطَبَ يَوْمًا، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! أَمِدَّنِي عَلٰى مَنْ ظَلَمَنِي، قَالَ : وَمَنْ ظَلَمَكَ ؟ قَالَ : أَنَا مِنْ أَوْلَادِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَالَّذِي ظَلَمَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، حِينَ أَخَذَ فَدَكَ مِنْ فَاطِمَةَ، قَالَ : وَدَامَ عَلٰى ظُلْمِكُمْ ؟ قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : وَمَنْ قَامَ بَعْدَهُ ؟ قَالَ : عُمَر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : وَدَامَ عَلٰى ظُلْمِكُمْ ؟ قَالَ : نَعَمْ، وَمَنْ قَامَ بَعْدَهُ ؟ قَالَ : عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : وَدَامَ عَلٰى ظُلْمِكُمْ ؟ قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : وَمَنْ قَامَ بَعْدَهُ ؟ فَجَعَلَ يَلْتَفِتُ كَذَا وَكَذَا، يَنْظُرُ مَكَانًا يَهْرُبُ إِلَيْهِ .

''ایک دن اس نے خطبہ دیا۔ دورانِ خطبہ آلِ علی رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھنے والا ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! ظالم کے خلاف میری مدد کیجیے! خلیفہ نے پوچھا: تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: میں آلِ علی میں سے ہوں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ

فاطمہ ؓ کو فدک کی زمین وراثت میں نہ دے کر مجھ پر ظلم کیا۔ خلیفہ نے پوچھا: سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اس ظلم پر ڈٹے رہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ خلیفہ نے پوچھا: ان کے بعد کون (ظالم) تختِ خلافت پر متمکن ہوا؟ اس نے کہا: عمر ؓ، خلیفہ نے دریافت کیا: انہوں نے بھی یہ ظلم روا رکھا؟ اس نے کہا: ہاں! ان کے بعد کون خلیفہ ہوا؟ اس نے کہا: عثمان ؓ۔ خلیفہ نے پوچھا: اور انہوں نے بھی یہ ظلم روا رکھا؟ اس نے کہا: ہاں! خلیفہ نے پوچھا: ان کے بعد کون خلیفہ بنا؟ اب وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا اور بھاگنے کی تاک میں لگ گیا۔''

(تلبیس إبلیس، ص: 153)

اہل علم کی طرف سے سیدہ فاطمہ ؓ کے غصے کی توجیہات

شارحِ صحیح مسلم، علامہ، ابوالعباس، قرطبی ؒ فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّهَا لَمْ تَلْتَقِ بِأَبِي بَكْرٍ لِّشُغْلِهَا بِمُصِيبَتِهَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِمُلَازَمَتِهَا بَيْتَهَا، فَعَبَّرَ الرَّاوِي عَنْ ذٰلِكَ بِالْهِجْرَانِ.

''سیدہ فاطمہ ؓ، نبی کریم ﷺ کی جدائی کی پریشانی، اپنی خانگی مشغولیت اور خانہ نشینی کی وجہ سے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سے زیادہ دنوں تک ملاقات نہیں کر سکی تھیں، اسی چیز کو راوی نے ہجران (قطع تعلق) سے تعبیر کر دیا ہے۔''

(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم: 3/568-569)

شارحِ صحیح مسلم، حافظ، ابوزکریا، یحییٰ بن شرف، نووی ؒ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَا ذُكِرَ مِنْ هِجْرَانِ فَاطِمَةَ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ، فَمَعْنَاهُ انْقِبَاضهَا عَنْ لِّقَائِهٖ، وَلَيْسَ هٰذَا مِنَ الْهِجْرَانِ الْمُحَرَّمِ الَّذِي هُوَ تَرْكُ السَّلَامِ وَالْإِعْرَاضِ عِنْدَ اللِّقَاءِ، قَوْلُهٗ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ : فَلَمْ تُكَلِّمْهُ، يَعْنِي فِي هٰذَا

الْأَمْرِ، أَوْ لِانْقِبَاضِهَا لَمْ تَطْلُب مِنْهُ حَاجَةً، وَلَا اضْطَرَّتْ إِلٰى لِقَائِهِ فَتُكَلِّمَهُ، وَلَمْ يُنْقَلْ قَطُّ أَنَّهُمَا الْتَقَيَا، فَلَمْ تُسَلِّمْ عَلَيْهِ وَلَا كَلَّمَتْهُ .

''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قطع تعلقی کا جو ذکر ملتا ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات سے کھنچی کھنچی رہنے لگیں اور یہ انداز حرام کی گئی قطع تعلقی میں شامل نہیں ہے،جس میں سلام و کلام بند ہو جاتا ہے اور ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے اعراض کیا جاتا ہے۔حدیث کے الفاظ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ کا مطلب یہ ہے کہ پھر وراثت کے سلسلے میں ان سے گفتگو نہ کی، یا دل میں کچھ خلش ہونے کے ناطے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اپنی کسی ضرورت کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی ملاقات کرنے کی ضرورت محسوس کی تا کہ گفتگو کا کوئی موقع نکلے۔کہیں بھی اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملتی کہ دونوں کی ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے ایک دوسرے سے سلام و کلام نہ کیا ہو۔''

(شرح صحیح مسلم : 73/12)

شارح صحیح بخاری،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ،سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس رویے کی یہ توجیہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا سَبَبُ غَضَبِهَا مَعَ اِحْتِجَاجِ أَبِي بَكْرٍ بِالْحَدِيثِ الْمَذْكُورِ، فَلِاعْتِقَادِهَا تَأْوِيلَ الْحَدِيثِ عَلٰى خِلَافِ مَا تَمَسَّكَ بِهٖ أَبُو بَكْرٍ، وَكَأَنَّهَا اعْتَقَدَتْ تَخْصِيصَ الْعُمُومِ فِي قَوْلِهٖ : «لَا نُورَثُ»، وَرَأَتْ أَنَّ مَنَافِعَ مَا خَلَّفَهُ مِنْ أَرْضٍ وَّعَقَارٍ، لَا يَمْتَنِعُ أَنْ تُورَثَ عَنْهُ، وَتَمَسَّكَ أَبُو بَكْرٍ بِالْعُمُومِ، وَاخْتَلَفَا فِي أَمْرٍ مُّحْتَمَلٍ لِلتَّأْوِيلِ، فَلَمَّا صَمَّمَ عَلٰى ذٰلِكَ انْقَطَعَتْ عَنِ الِاجْتِمَاعِ بِهٖ لِذٰلِكَ .

''سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دلیل پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اظہارِ غصہ کا سبب یہ تھا کہ ان کے خیال میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جس دلیل پر کاربند تھے، اس کا مقصود اس سے مختلف ہے، «لَا نُورَثُ» والے عمومی حکم میں وہ سمجھتی تھیں کہ اس میں سے کچھ چیزیں خاص ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو زمین وغیرہ چھوڑ کر گئے ہیں، یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کو ایسی جائیداد کا وارث بننے سے نہیں روکتی۔ مگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث کے عموم پر قائم رہے۔ بہرحال ان دونوں حکموں میں تاویل کا احتمال تو تھا، چنانچہ جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر ڈٹ گئے تو اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے ملاقات ترک کر دی۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري: 202/6)

قاضی، ابوفضل، عیاض بن موسیٰ، سبتی رحمہ اللہ (476-544ھ) فرماتے ہیں:

وَفِي تَرْكِ فَاطِمَةَ مُنَازَعَةَ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَ احْتِجَاجِهِ عَلَيْهَا بِالْحَدِيثِ، التَّسْلِيمُ لِلْإِجْمَاعِ عَلٰى قَضِيَّةٍ، وَأَنَّهَا لَمَّا بَلَغَهَا الْحَدِيثُ وَبَيَّنَ لَهَا التَّأْوِيلَ تَرَكَتْ رَأْيَهَا، ثُمَّ لَمْ يَكُنْ مِّنْهَا وَلَا مِنْ ذُرِّيَّتِهَا بَعْدَ ذٰلِكَ طَلَبُ مِيرَاثٍ، ثُمَّ وَلِيَ عَلِيٌّ الْخِلَافَةَ، فَلَمْ يَعْدِلْ بِهَا عَمَّا فَعَلَهٗ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

''جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے موقف کا حدیث سے جواب دیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں جمہور کے اجماع کو تسلیم کر لیا تھا اور حدیثِ نبوی کا علم ہو جانے، نیز سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیان کیے گئے مفہوم کو ملاحظہ کر لینے کے بعد اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے اور ان کی اولاد میں سے کسی نے کبھی میراث کا مطالبہ نہیں کیا، حتیٰ کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی اس سلسلہ میں سیدنا ابو بکر اور سیدنا

عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے موقف کے خلاف کوئی طرزِ عمل اختیار نہیں کیا۔''

(شرح صحيح مسلم للنووي : 12/73)

شارحِ صحیح مسلم، علامہ، ابو العباس، قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا طَلَبُ فَاطِمَةَ مِيرَاثَهَا مِنْ أَبِيهَا مِنْ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ ذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تَسْمَعَ فَاطِمَةُ الْحَدِيثَ الَّذِي دَلَّ عَلٰى خُصُوصِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ، وَكَانَتْ مُتَمَسِّكَةً بِمَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ، فَلَمَّا أَخْبَرَهَا أَبُو بَكْرٍ بِالْحَدِيثِ تَوَقَّفَتْ عَنْ ذٰلِكَ، وَلَمْ تَعُدْ عَلَيْهِ بِطَلَبٍ .

''رہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ تو یہ اس سے پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سنا جو وراثت کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کرتی ہے۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کتاب اللہ کے عموم کو دلیل بنا رہی تھیں۔جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی، تو انہوں نے اس معاملہ میں خاموشی اختیار کر لی، دوبارہ اس کا مطالبہ نہ کیا۔''

(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم : 3/563)

بعض لوگ اس مسئلہ کو خواہ مخواہ اچھالتے ہوئے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف بطور ثبوت پیش کرتے ہیں، حالانکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح فرمانِ رسول پیش کیا اور کہا: یہ اہل بیت کا حق ہے کہ ان پر خرچ کیا جائے اور وہ ان پر خرچ کرتے بھی رہے۔ یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اجتہادی خطا تھی کہ وہ میراث سمجھ کر مطالبہ فرمانے لگیں۔اس بنیاد پر اہلِ بیتِ عظام میں سے کسی نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں کیا۔بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا:

«فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي» .

”فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، جس نے اسے غصہ دلایا، اس نے مجھے غضبناک کیا۔“

(صحيح البخاري : 3714)

حالانکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ ناراضی اس سطح کی نہیں تھی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرایا جائے۔انسان ہونے کے ناطے افہام وتفہیم میں غلطی لگ جاتی ہے۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلیل سے قائل کرنا چاہا،مگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بات نہ سمجھ سکیں۔ اس پر تھوڑا سا محسوس کر لیا۔وہ خیال کرتی تھیں کہ یہ مال میرا موروثی حق ہے،جبکہ ایسا نہیں تھا۔اس معاملہ کو سمجھنے کے لئے ذرا اس حدیث کا مکمل مطالعہ فرمالیں:

❀ صحابی رسول،سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ عَلِيًّا خَطَبَ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ، فَسَمِعَتْ بِذٰلِكَ فَاطِمَةُ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ : يَزْعُمُ قَوْمُكَ أَنَّكَ لَا تَغْضَبُ لِبَنَاتِكَ، وَهٰذَا عَلِيٌّ نَاكِحٌ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ، يَقُولُ : «أَمَّا بَعْدُ ! أَنْكَحْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ، فَحَدَّثَنِي وَصَدَقَنِي، وَإِنَّ فَاطِمَةَ بَضْعَةٌ مِّنِّي، وَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يَّسُوئَهَا، وَاللّٰهِ ! لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ، عِنْدَ رَجُلٍ وَّاحِدٍ»، فَتَرَكَ عَلِيٌّ الْخِطْبَةَ .

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی کو پیغام نکاح دیا۔اس کی اطلاع جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹیوں کی خاطر (جب انہیں کوئی تکلیف دے تو) کسی پر غصہ نہیں آتا۔اب دیکھئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔اس پر نبی

کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو یوں خطاب فرمایا: حمد وثنا کے بعد، میں نے ابو العاص بن ربیع سے (اپنی بیٹی زینب) کی شادی کی تو انہوں نے جو بات بھی کہی، اس میں سچے ثابت ہوئے۔ بلاشبہ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) اسے تکلیف دے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور دشمنِ خدا کی بیٹی ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس شادی کا ارادہ ترک کر دیا۔''

(صحيح البخاري: 3729، صحيح مسلم: 2449)

شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَسَبَبُ الْحَدِيثِ خِطْبَةُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِابْنَةِ أَبِي جَهْلٍ، وَالسَّبَبُ دَاخِلٌ فِي اللَّفْظِ قَطْعًا، إِذِ اللَّفْظُ الْوَارِدُ عَلٰى سَبَبٍ لَّا يَجُوزُ إِخْرَاجُ سَبَبِهٖ مِنْهُ، بَلِ السَّبَبُ يَجِبُ دُخُولُهٗ بِالِاتِّفَاقِ، وَقَدْ قَالَ فِي الْحَدِيثِ: «يُرِيبُنِي مَا رَابَهَا، وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا»، وَمَعْلُومٌ قَطْعًا أَنَّ خِطْبَةَ ابْنَةِ أَبِي جَهْلٍ عَلَيْهَا رَابَهَا وَآذَاهَا، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَابَهٗ ذٰلِكَ وَآذَاهُ، فَإِنْ كَانَ هٰذَا وَعِيدًا لَّاحِقًا بِفَاعِلِهٖ، لَزِمَ أَنْ يَّلْحَقَ هٰذَا الْوَعِيدُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ وَعِيدًا لَّاحِقًا بِفَاعِلِهٖ، كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَبْعَدَ عَنِ الْوَعِيدِ مِنْ عَلِيٍّ.

''اس فرمانِ نبوی کا سبب خود اسی حدیث میں موجود ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابو جہل کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانا چاہتے تھے۔ حدیث میں بیان کردہ سبب کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حدیث کا سببِ ورود کے ساتھ تعلق قائم رکھنا باتفاق محدثین کرام واجب ہے۔ اس حدیث (کی ایک روایت) کے الفاظ یہ ہیں: جو چیز فاطمہ کو پریشان کرتی ہے، وہ مجھے بھی پریشان کرتی ہے اور جس بات سے فاطمہ کو تکلیف پہنچے وہ میرے لئے بھی رنج والم کی

موجب ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کو یہ تکلیف محض اس لئے پہنچی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اگر یہ وعید (ایسی) ایذا دینے والے کو لاحق ہوسکتی ہے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس وعید کی لپیٹ میں آنا ضروری ہے اور اگر اس کا احتمال نہیں ہے، تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نسبت اس وعید سے زیادہ دُور ہیں۔" (منهاج السنّة : 251/4)

یعنی اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پریشان کرنے کی بنا پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کردہ وعید کا مصداق ٹھہرتے ہیں، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پریشان کرنے پر نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، وہ اس وعید کے زیادہ مستحق ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی اس وعید کا مستحق نہیں، بلکہ یہ رافضیوں کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ فدک والے مسئلہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے کبار صحابہ کرام کو ملامت کرتے ہیں۔

حافظ، ابوفداء، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) کیا خوب فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْهِجْرَانُ، وَالْحَالَةُ هٰذِهٖ، فَتَحَ عَلٰى فِرْقَةِ الرَّافِضَةِ شَرًّا عَرِيضًا، وَجَهْلًا طَوِيلًا، وَأَدْخَلُوا أَنْفُسَهُمْ بِسَبَبِهٖ فِيمَا لَا يَعْنِيهِمْ، وَلَوْ تَفَهَّمُوا الْأُمُورَ عَلٰى مَا هِيَ عَلَيْهِ لِيَعْرِفُوا لِلصِّدِّيقِ فَضْلَهٗ، وَقَبِلُوا مِنْهُ عُذْرَهُ الَّذِي يَجِبُ عَلٰى كُلِّ أَحَدٍ قَبُولُهٗ، وَلٰكِنَّهُمْ طَائِفَةٌ مَّخْذُولَةٌ، وَفِرْقَةٌ مَّرْذُولَةٌ، يَتَمَسَّكُونَ بِالْمُتَشَابِهِ، وَيَتْرُكُونَ الْأُمُورَ الْمُحْكَمَةَ الْمُقَدَّرَةَ عِنْدَ أَئِمَّةِ الْإِسْلَامِ، مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعَيْنَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ مِّنَ الْعُلَمَاءِ الْمُعْتَبَرِينَ فِي سَائِرِ الْأَعْصَارِ وَالْأَمْصَارِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِينَ .

''اس ناراضی پر روافض نے بہت بڑا شر بپا کیا، بڑی نادانی کا ثبوت دیا ہے اور لایعنی بحثوں میں الجھ گئے۔ اگر یہ لوگ معاملات کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ضرور اعتراف کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بجا دلیل و معذرت کو لازمی طور پر قبول کرتے، لیکن کیا کیا جائے، یہ ایسا رسوا گروہ اور ذلیل فرقہ ہے، جو متشابہ اور لوچ لچر دلائل سے استدلال کرتا ہے، جبکہ صحابہ کرام، تابعین عظام، ہر دور کے علمائے اسلام اور تمام شہروں کے معتبر علمائے دین کے یہاں جو باتیں مسلّم ہوتی ہیں، ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ہستیوں سے راضی ہو۔'' (البداية والنهاية : 308/5)

اس مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے درج ذیل روایات بھی ملاحظہ فرمائیں:

❀ ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَرْسَلَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ، يَسْأَلْنَهُ ثُمُنَهُنَّ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكُنْتُ أَنَا أَرُدُّهُنَّ، فَقُلْتُ لَهُنَّ : أَلَا تَتَّقِينَ اللّٰهَ ؟ أَلَمْ تَعْلَمْنَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، [يُرِيدُ بِذٰلِكَ نَفْسَهُ] إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْمَالِ»، فَانْتَهٰى أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى مَا أَخْبَرَتْهُنَّ، قَالَ : فَكَانَتْ هٰذِهِ الصَّدَقَةُ بِيَدِ عَلِيٍّ، مَنَعَهَا عَلِيٌّ عَبَّاسًا فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا، ثُمَّ كَانَ بِيَدِ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، ثُمَّ بِيَدِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، ثُمَّ بِيَدِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، وَحَسَنِ بْنِ حَسَنٍ، كِلَاهُمَا كَانَا يَتَدَاوَلَانِهَا، ثُمَّ بِيَدِ زَيْدِ بْنِ حَسَنٍ، وَهِيَ صَدَقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا.

''نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو مال بطورِ فَے دیا تھا، اس میں سے ان کے حصے دیئے جائیں، لیکن میں نے انہیں روکا اور ان سے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں، کیا نبی کریم ﷺ نے خود نہیں فرمایا تھا: ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے؟[نبی کریم ﷺ کا اشارہ اس فرمان میں خود اپنی ذات کی طرف تھا]البتہ آلِ محمد ﷺ کو اس جائیداد میں سے پوری زندگی (ان کی ضروریات کے لئے) ملتا رہے گا۔جب میں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے بھی اپنا خیال بدل لیا۔راویٔ حدیث عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہی وہ صدقہ ہے، جس کا انتظام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی رہا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اس کے احکام میں شریک نہیں کیا تھا، بلکہ خود اس کا انتظام کیا کرتے تھے۔(اسے نبی کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل کے مطابق خرچ کرتے تھے)۔اس کے بعد یہ صدقہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا، پھر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا، پھر امام علی بن حسین رحمہ اللہ اور امام حسن بن حسن رحمہ اللہ کے انتظام میں آ گیا۔وہ دونوں اس کو استعمال کرتے تھے۔پھر یہ مال امام زید بن حسن رحمہ اللہ کے انتظام میں آ گیا۔بلاشبہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صدقہ ہو گیا تھا۔''(صحيح البخاري: 4034)

شارحِ صحیح بخاری، علامہ علی بن خلف، ابن بطال رحمہ اللہ (م: 449ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ رَوَى الطَّبَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ: أَرَأَيْتَ عَلِيًّا حِينَ وَلِيَ الْعِرَاقَ، وَمَا كَانَ بِيَدِهِ مِنْ سُلْطَانِهِ، كَيْفَ صَنَعَ فِي سَهْمِ ذِي الْقُرْبٰى؟ قَالَ: سَلَكَ بِهِ، وَاللّٰهِ! طَرِيقَ أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ.

''ابو اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب،ابو جعفر باقر رحمہ اللہ سے پوچھا:جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ عراق کے حکمران بنے اور جب حکومت کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں آئی،تو انہوں نے اہل بیت کے مابین کس طرح حصوں کو تقسیم کیا؟امام ابوجعفر رحمہ اللہ نے فرمایا:اللہ کی قسم!وہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما ہی کے نقش قدم پر چلے۔''

(شرح صحيح البخاري : 265/5، وسندهٗ صحيحٌ)

شارحِ صحیح مسلم،علامہ،ابوالعباس،قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ عَلِيًّا لَّمَّا وَلِيَ الْخِلَافَةَ لَمْ يُغَيِّرْهَا عَمَّا عُمِلَ فِيهَا فِي عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ، وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِتَمَلُّكِهَا، وَلَا لِقِسْمَةِ شَيْءٍ مِّنْهَا، بَلْ كَانَ يَصْرِفُهَا فِي الْوُجُوهِ الَّتِي كَانَ مَنْ قَبْلَهٗ يَصْرِفُهَا فِيهَا، ثُمَّ كَانَتْ بِيَدِ حَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ، ثُمَّ بِيَدِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، ثُمَّ بِيَدِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، ثُمَّ بِيَدِ الْحُسَيْنِ بْنِ الْحَسَنِ ، ثُمَّ بِيَدِ زَيْدِ بْنِ الْحَسَنِ، ثُمَّ بِيَدِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ، ثُمَّ تَوَلَّاهَا بَنُو الْعَبَّاسِ عَلٰى مَا ذَكَرَهٗ أَبُو بَكْرٍ الْبُرْقَانِيُّ فِي صَحِيحِهٖ، وَهٰؤُلَاءِ كُبَرَاءُ أَهْلِ الْبَيْتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَهُمْ مُّعْتَمَدُ الشِّيعَةِ وَأَئِمَّتُهُمْ، لَمْ يُرْوَ عَنْ وَّاحِدٍ مِّنْهُمْ أَنَّهٗ تَمَلَّكَهَا، وَلَا وَرِثَهَا، وَلَا وُرِّثَتْ عَنْهُ، فَلَوْ كَانَ مَا يَقُولُهُ الشِّيعَةُ حَقًّا لَّأَخَذَهَا عَلِيٌّ، أَوْ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ، لَمَّا ظَفِرُوا بِهَا، وَلَمْ، فَلَا.

''جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالا تو سیدنا ابو بکر،سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت میں جاری کسی نظام میں تبدیلی نہیں کی،اس کی ملکیت میں کسی قسم کا کوئی

تعرض نہیں کیا، نہ ہی اس کی کوئی جائیداد تقسیم کی، بلکہ جو املاک خلافت پہلے سے چلے آ رہے تھے، انہی میں خرچ کیا۔ اس کے بعد خلافت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی، پھر ترتیب وار حسین بن علی رضی اللہ عنہ، علی بن حسین رحمہ اللہ، حسین بن حسن رحمہ اللہ، زید بن حسن رحمہ اللہ، عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ اور آلِ عباس کے ہاتھ میں رہی، جیسا کہ ابوبکر برقانی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ یہ سب حکمران اہلِ بیت کے بزرگ شرفا ہیں، یہ لوگ شیعہ اور ان کے ائمہ کرام کے نزدیک سب سے زیادہ معتمد اور قابلِ قدر ہیں، لیکن ان میں کسی سے کوئی ایک بھی روایت نہیں ملتی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کو اپنی وراثت اور ملکیت سمجھا ہو، لہٰذا اگر شیعہ کا دعویٰ سچ ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا آپ رضی اللہ عنہ کے اہلِ بیت میں سے کسی کو اپنا حق ضرور لینا چاہئے تھا، کیونکہ اب حکومت انہیں کے ہاتھوں میں تھی، ورنہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔" (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم : 564/3)

❁ سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَرْسَلَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَجِئْتُهُ حِينَ تَعَالَى النَّهَارُ، قَالَ : فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهِ جَالِسًا عَلٰى سَرِيرٍ مُّفْضِيًا إِلٰى رُمَالِهِ، مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ، فَقَالَ لِي : يَا مَالُ ! إِنَّهُ قَدْ دَفَّ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِّنْ قَوْمِكَ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ، فَخُذْهُ فَاقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ، قَالَ : قُلْتُ : لَوْ أَمَرْتَ بِهٰذَا غَيْرِي ! قَالَ : خُذْهُ يَا مَالُ ! قَالَ : فَجَاءَ يَرْفَا، فَقَالَ : هَلْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي عُثْمَانَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَالزُّبَيْرِ، وَسَعْدٍ؟ فَقَالَ عُمَرُ : نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ : هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ، وَعَلِيٍّ؟ قَالَ : نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا، فَقَالَ عَبَّاسٌ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ الْآثِمِ

الْغَادِرِ الْخَائِنِ، فَقَالَ الْقَوْمُ : أَجَلْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! فَاقْضِ بَيْنَهُمْ وَأَرِحْهُمْ، فَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ : يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُمْ قَدْ كَانُوا قَدَّمُوهُمْ لِذٰلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ : اتَّئِدَا، أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، قَالُوا : نَعَمْ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ، وَعَلِيٍّ، فَقَالَ : أَنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ»، قَالَا : نَعَمْ، فَقَالَ عُمَرُ : إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَاصَّةٍ، لَمْ يُخَصِّصْ بِهَا أَحَدًا غَيْرَهُ، قَالَ : ﴿مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ (الحشر 59 : 7)، مَا أَدْرِي هَلْ قَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي قَبْلَهَا أَمْ لَا، قَالَ : فَقَسَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ أَمْوَالَ بَنِي النَّضِيرِ، فَوَاللّٰهِ ! مَا اسْتَأْثَرَ عَلَيْكُمْ، وَلَا أَخَذَهَا دُونَكُمْ، حَتّٰى بَقِيَ هٰذَا الْمَالُ، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ نَفَقَةَ سَنَةٍ، ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ أُسْوَةَ الْمَالِ، ثُمَّ قَالَ : أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ ذٰلِكَ ؟ قَالُوا : نَعَمْ، ثُمَّ نَشَدَ عَبَّاسًا، وَعَلِيًّا، بِمِثْلِ مَا نَشَدَ بِهِ الْقَوْمَ، أَتَعْلَمَانِ ذٰلِكَ ؟ قَالَا : نَعَمْ، قَالَ : فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِيرَاثَكَ

مِن ابْنِ أَخِيكَ، وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ»، فَرَأَيْتُمَاهُ كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَّاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ وَّأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ، فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنِّي لَصَادِقٌ بَارٌّ رَّاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، فَوَلِيتُهَا، ثُمَّ جِئْتَنِي أَنْتَ وَهٰذَا، وَأَنْتُمَا جَمِيعٌ، وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ، فَقُلْتُمَا : ادْفَعْهَا إِلَيْنَا، فَقُلْتُ : إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلٰى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللّٰهِ أَنْ تَعْمَلَا فِيهَا بِالَّذِي كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُمَاهَا بِذٰلِكَ، قَالَ : أَكَذٰلِكَ ؟ قَالَا : نَعَمْ، قَالَ : ثُمَّ جِئْتُمَانِي لِأَقْضِيَ بَيْنَكُمَا، وَلَا وَاللّٰهِ ! لَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَرُدَّاهَا إِلَيَّ .

''دن چڑھے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلانے کے لئے قاصد بھیجا۔میں دن چڑھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ رضی اللہ عنہ کھجور کی چھال سے تیار کردہ ایک چارپائی پر چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔آپ نے فرمایا:تمہارے خاندان کے کچھ افراد آئے ہیں،میں نے ان کے لئے کچھ مال رکھا ہے،لے جاؤ اور ان سب میں تقسیم کر دو۔میں نے عرض کیا:یہ ذمہ داری کسی اور کو دے دیجئے۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مالک!اسے پکڑو۔اسی دوران ان کا دربان یرفا آیا اور عرض کیا:سیدنا عثمان،سیدنا عبد الرحمن بن عوف،سیدنا زبیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حاضر ہونا چاہتے ہیں۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نے اجازت دے دی۔سب تشریف لائے۔یرفا دوبارہ آیا اور عرض کیا:سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما حاضر ہونا چاہتے ہیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی اجازت دی۔سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:امیرالمومنین!میرے اور اس جھوٹے،خائن،گناہگار اور دھوکے باز کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والوں نے بھی عرض کیا کہ آپ ان کا فیصلہ فرمادیں تا کہ دونوں سکھ کا سانس لیں۔مالک کہتے ہیں کہ میرے خیال میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کو انہی نے پہلے بھیجا تھا۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:ذرا نرمی اختیار کرو، پھر فرمایا:میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں،جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔کیا آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ہماری (انبیاء کی)وراثت نہیں ہوتی، جو ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟سب نے کہا:ہاں!رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا تھا۔پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ،سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:میں آپ دونوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا؟ان دونوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:(میں تمہیں اس مالِ فَے کے معاملے کی تفصیل بتاتا ہوں)بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ معاملات میں ایسی خصوصیت عطا فرمائی ہے،جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔پھر یہ آیت پڑھی:﴿مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾(الحشر 59 : 7)(اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے جو مال دلوایا ہے،تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے)۔[مالک کہتے ہیں کہ اس سے پہلی آیت بھی آپ نے تلاوت کی تھی یا نہیں،مجھے صحیح یاد نہیں۔]آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے مال تم میں تقسیم فرما دیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مال اپنے لیے خاص نہیں کیا،اللہ کی قسم!نہ خود کو تم پر ترجیح دی۔تمہیں دیا بھی اور تمہارے ہی لئے خرچ بھی کیا،یہاں تک کہ اس سے مال بچا رہا۔نبی

کریم ﷺ اس مال سے اپنے گھروں کے سالانہ اخراجات پورے فرماتے تھے اور باقی بیت المال میں جمع فرما دیتے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والوں سے فرمایا: آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے؟ سب نے ہاں میں جواب دیا۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی سوال کیا۔ان دونوں نے بھی یہی جواب دیا۔پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیِ رحمت کو اس دنیا سے بلا لیا۔ان کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں۔تم دونوں ان کے پاس آئے اور ایک (عباس رضی اللہ عنہ) اپنے بھتیجے کی اور یہ دوسرا (علی رضی اللہ عنہ) اپنی زوجہ کے والد کی طرف سے ملنے والی وراثت لینے کے لیے ان کے پاس گئے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ہماری (انبیاء کی) وراثت نہیں ہوتی۔ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہو جاتا ہے،لیکن تم دونوں نے انہیں جھوٹا، خائن اور گناہگار سمجھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اس معاملے میں سچے، مخلص اور برحق تھے۔پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اٹھا لیا۔ان کے بعد میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جانشین بنا۔تم نے مجھے بھی جھوٹا، خائن اور گناہگار سمجھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس میں سچا، مخلص اور برحق ہوں۔یہ مال میرے تصرف میں آ گیا۔پھر آپ دونوں میرے پاس آئے۔آپ دونوں کا ایک ہی دعویٰ تھا۔اے عباس! آپ نے مجھ سے اس مال کا مطالبہ کیا۔میں نے کہا: اگر تم دونوں چاہو تو میں یہ مال آپ کو اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان دو کہ اس مال کا تصرف اسی طریقے کے مطابق کرو گے، جو نبی اکرم ﷺ اس کے بارے میں اختیار کرتے تھے۔تم نے اسی شرط پر وہ مال لے لیا۔کیا بات ایسے ہی ہے؟ دونوں کہنے لگے: جی ہاں! اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تم مجھ سے اپنے مابین فیصلہ کروانے آ گئے ہو۔اللہ کی قسم! اب قیامت تک میں تمہارے مابین فیصلہ نہیں

کروں گا۔ہاں! اگر تم اس مال کے انتظام سے عاجز آ چکے ہو تو اسے واپس کر دو،(میں اس کا انتظام خود کر لوں گا)۔''(صحيح البخاري : 3094، صحيح مسلم : 1757، واللفظ لهٔ)

شارحِ صحیح مسلم، حافظ، یحییٰ بن شرف، نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ عُمَرَ : جِئْتُمَانِي تُكَلِّمَانِي، وَكَلِّمَتُكُمَا فِي وَاحِدَةٍ، جِئْتَ يَا عَبَّاسُ تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ، وَجَائَنِي هٰذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا، فِيهِ إِشْكَالٌ مَعَ إِعْلَامِ أَبِي بَكْرٍ لَّهُمْ قَبْلَ هٰذَا الْحَدِيث، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا نُورَث»، وَجَوَابُهٗ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ إِنَّمَا طَلَبَ الْقِيَامَ وَحْدَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ، وَيَحْتَجُّ هٰذَا بِقُرْبِهٖ بِالْعُمُومَةِ، وَذٰلِكَ بِقُرْبِ امْرَأَتِهٖ بِالْنُبُوَّةِ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّهُمَا طَلَبَا مَا عَلِمَا مَنْعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنَعَهُمَا مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ، وَبَيَّنَ لَهُمَا دَلِيلَ الْمَنْعِ، وَاعْتَرَفَا لَهٗ بِذٰلِكَ.

''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ پھر تم دونوں میرے پاس آئے، تم دونوں کا ایک ہی دعویٰ تھا۔ اے عباس! آپ مجھ سے اپنے بھتیجے کے ترکہ میں سے حصہ مانگتے تھے، اور یہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) اپنی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ طلب کرتے تھے۔ یہاں یہ اشکال آتا ہے کہ یہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی ان دونوں کو بتادی تھی (اس کے باوجود انہوں نے پھر مطالبہ کیوں کیا؟)۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں (وراثت طلب کرنے نہیں، بلکہ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس اس لئے آئے تھے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا مطالبہ تھا کہ مالِ فدک وغیرہ پر اُس اکیلے کو نگران بنایا جائے۔ان میں سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چچا ہونے کی قربت کو دلیل بنا رہے تھے، جبکہ دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کی طرف

سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ قرابت داری کو بطورِ دلیل پیش کیا۔اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دونوں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی اس میراث کا مطالبہ کر رہے تھے، جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا اور جس سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں کو روک دیا تھا اور ان دونوں نے اس حقیقت کو تسلیم بھی کر لیا تھا۔''(شرح صحیح مسلم : 74/12)

شارحِ صحیح بخاری، حافظ، احمد بن علی، ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

وَفِي ذٰلِكَ إِشْكَالٌ شَدِيدٌ، وَهُوَ أَنَّ أَصْلَ الْقِصَّةِ صَرِيحٌ فِي أَنَّ الْعَبَّاسَ وَعَلِيًّا قَدْ عَلِمَا بِأَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا نُورَثُ»، فَإِنْ كَانَا سَمِعَاهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَيْفَ يَطْلُبَانِهِ مِنْ أَبِي بَكْرٍ؟ وَإِنْ كَانَا إِنَّمَا سَمِعَاهُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ، أَوْ فِي زَمَنِهٖ بِحَيْثُ أَفَادَ عِنْدَهُمَا الْعِلْمَ بِذٰلِكَ، فَكَيْفَ يَطْلُبَانِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْ عُمَرَ ؟ وَالَّذِي يَظْهَرُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ! حَمْلُ الْأَمْرِ فِي ذٰلِكَ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ فِي الْحَدِيثِ الَّذِي قَبْلَهٗ فِي حَقِّ فَاطِمَةَ، وَأَنَّ كُلًّا مِّنْ عَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسِ اعْتَقَدَ أَنَّ عُمُومَ قَوْلِهٖ : «لَا نُورَثُ»، مَخْصُوصٌ بِبَعْضِ مَا يَخْلُفُهٗ دُونَ بَعْضٍ، وَلِذٰلِكَ نَسَبَ عُمَرُ إِلٰى عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ أَنَّهُمَا كَانَا يَعْتَقِدَانِ ظُلْمَ مَنْ خَالَفَهُمَا فِي ذٰلِكَ، وَأَمَّا مُخَاصَمَةُ عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ بَعْدَ ذٰلِكَ ثَانِيًا عِنْدَ عُمَرَ، فَقَالَ إِسْمَاعِيلُ الْقَاضِي، فِيمَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ طَرِيقِهٖ، : لَمْ يَكُنْ فِي الْمِيرَاثِ، إِنَّمَا تَنَازَعَا فِي وِلَايَةِ الصَّدَقَةِ، وَفِي صَرْفِهَا كَيْفَ تُصْرَفُ ؟ كَذَا قَالَ، لٰكِنْ فِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ وَعُمَر بْن شَبَّةَ مِنْ طَرِيقِ أَبِي الْبُخْتَرِيِّ مَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُمَا أَرَادَا أَنْ يُّقَسَّمَ

بَيْنَهُمَا عَلٰى سَبِيلِ الْمِيرَاثِ، وَلَفْظُهٗ فِي آخِرِهٖ : ثُمَّ جِئْتُمَانِي الْآنَ تَخْتَصِمَانِ، يَقُولُ هٰذَا : أُرِيدُ نَصِيبِي مِنَ ابْنِ أَخِي، وَيَقُولُ هٰذَا : أُرِيدُ نَصِيبِي مِنَ امْرَأَتِي، وَاللّٰهِ ! لَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا إِلَّا بِذٰلِكَ، أَيْ : إِلَّا بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ تَسْلِيمِهَا لَهُمَا عَلٰى سَبِيلِ الْوِلَايَةِ، وَكَذَا وَقَعَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ طَرِيقِ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ مَّالِكِ بْنِ أَوْسٍ نَّحْوَهٗ، وَفِي السُّنَنِ لِأَبِي دَاوٗدَ وَغَيْرِهٖ، أَرَادَا أَنَّ عُمَرَ يُقَسِّمُهَا لِيَنْفَرِدَ كُلٌّ مِّنْهُمَا بِنَظَرِ مَا يَتَوَلَّاهُ، فَامْتَنَعَ عُمَر مِنْ ذٰلِكَ، وَأَرَادَ أَنْ لَّا يَقَعَ عَلَيْهَا اسْمَ قَسْمٍ، وَلِذٰلِكَ أَقْسَمَ عَلٰى ذٰلِكَ، وَعَلٰى هٰذَا اقْتَصَرَ أَكْثَرُ الشُّرَّاحِ وَاسْتَحْسَنُوهُ، وَفِيهِ مِنَ النَّظَرِ مَا تَقَدَّمَ، وَأَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ جَزْم ابْنِ الْجَوْزِيِّ ثُمَّ الشَّيْخِ مُحْيِى الدِّينِ بِأَنَّ عَلِيًّا وَعَبَّاسًا لَّمْ يَطْلُبَا مِنْ عُمَرَ إِلَّا ذٰلِكَ، مَعَ أَنَّ السِّيَاقَ صَرِيحٌ فِي أَنَّهُمَا جَاءَاهُ مَرَّتَيْنِ فِي طَلَبِ شَيْءٍ وَّاحِدٍ، لٰكِنَّ الْعُذْرَ لِابْنِ الْجَوْزِيِّ وَالنَّوَوِيِّ أَنَّهُمَا شَرَحَا اللَّفْظَ الْوَارِدَ فِي مُسْلِمٍ، دُونَ اللَّفْظِ الْوَارِدِ فِي الْبُخَارِيِّ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَأَمَّا قَوْلُ عَمَرَ : جِئْتَنِي يَا عَبَّاسُ ! تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنَ ابْنِ أَخِيك، فَإِنَّمَا عَبَّرَ بِذٰلِكَ لِبَيَانِ قِسْمَةِ الْمِيرَاثِ، كَيْفَ يُقْسَمُ أَنْ لَّوْ كَانَ هُنَاكَ مِيرَاثٌ، لَا أَنَّهٗ أَرَادَ الْغَضَّ مِنْهُمَا بِهٰذَا الْكَلَامِ، وَزَاد الْإِمَامِيُّ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ شَبَّةَ فِي آخِرِهٖ : فَأَصْلِحَا أَمْرَكُمَا، وَإِلَّا لَمْ يَرْجِعْ، وَاللّٰهِ، إِلَيْكُمَا، فَقَامَا وَتَرَكَا الْخُصُومَةَ، وَأُمْضِيَتْ صَدَقَةً، وَزَادَ شُعَيْبٌ فِي آخِرِهٖ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ :

فَحَدَّثْتُ بِهِ عُرْوَةَ، فَقَالَ : صَدَقَ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ، أَنَا سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ، فَذَكَرَ حَدِيثًا، قَالَ : وَكَانَتْ هٰذِهِ الصَّدَقَةُ بِيَدِ عَلِيٍّ مَّنَعَهَا عَبَّاسًا، فَغَلَبَهٗ عَلَيْهَا، ثُمَّ كَانَتْ بِيَدِ الْحَسَنِ، ثُمَّ بِيَدِ الْحُسَيْنِ، ثُمَّ بِيَدِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، وَالْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ، ثُمَّ بِيَدِ زَيْدِ بْنِ الْحَسَنِ، وَهِيَ صَدَقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا، وَرَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَّعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ مِثْلَهٗ، وَزَادَ فِي آخِرِهٖ : قَالَ مَعْمَرٌ : ثُمَّ كَانَتْ بِيَدِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَسَنٍ حَتّٰى وَلِّي هٰؤُلَاءِ، يَعْنِي بَنِي الْعَبَّاسِ، فَقَبَضُوهَا، وَزَادَ إِسْمَاعِيلُ الْقَاضِي أَنَّ إِعْرَاضَ الْعَبَّاسِ عَنْهَا كَانَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ، قَالَ عُمَر بْنُ شَبَّةَ : سَمِعْتُ أَبَا غَسَّانَ، هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْمَدَنِيُّ، يَقُولُ : إِنَّ الصَّدَقَةَ الْمَذْكُورَةَ الْيَوْمَ بِيَدِ الْخَلِيفَةِ يَكْتُبُ فِي عَهْدِهٖ، يُوَلِّي عَلَيْهَا مِنْ قِبَلِهٖ مَنْ يَّقْبِضُهَا، وَيُفَرِّقُهَا فِي أَهْلِ الْحَاجَةِ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، قُلْت : كَانَ ذٰلِكَ عَلٰى رَأْسِ الْمِائَتَيْنِ، ثُمَّ تَغَيَّرَتِ الْأُمُورُ، وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

''اس حدیث میں سخت اشکال وارد ہوا ہے، کیونکہ اس قصہ میں صراحتًا موجود ہے کہ سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما دونوں جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم (انبیاء) اپنی کوئی وراثت نہیں چھوڑتے۔ اگر انہوں نے اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، پھر انہوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وراثت کا مطالبہ کیوں کیا؟ اور اگر ان دونوں نے اس بات کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سنا یا ان کے دورِ خلافت میں اس علم سے مستفید ہوئے

تھے، تو انہوں نے بعد میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس کا مطالبہ کیوں کیا؟ معاملات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر جو بات میری سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ جو حدیث اس سے قبل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں گزری ہے، اسی پر اسے محمول کیا جائے گا، یعنی سیدنا علی، سیدہ فاطمہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہم تینوں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ «لَا نُورَثُ» والی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وارثوں کو استثنا حاصل ہے اور بعض کو نہیں۔ اس لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی طرف یہ بات منسوب کی تھی کہ ان کے خیال میں جو شخص ان کی اس رائے سے اختلاف کرتا ہے، وہ ظلم کر رہا ہے۔ اب رہا سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کا وہ تنازع، جس کو لے کر وہ دوسری مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے، تو اس حوالے سے اسماعیل قاضی رحمہ اللہ اس روایت سے دلیل لیتے ہیں، جسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ان دونوں کا تنازع میراث میں نہیں تھا، یہ جھگڑا صرف فدک وغیرہ کے مال کی نگرانی و تصرف کے بارے میں تھا، البتہ امام نسائی رحمہ اللہ اور عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے ابو البختری سے ایک روایت نقل کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ دونوں اس مال کو آپس میں وراثت کے اعتبار سے تقسیم کرنے کے خواہاں تھے۔ اس حدیث کے آخر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں کہ ابھی تم دونوں میرے پاس یہ جھگڑا لے آئے ہو، یہ (سیدنا عباس رضی اللہ عنہ) اپنے بھتیجے کی میراث سے حق مانگتے ہیں اور یہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) اپنی زوجۂ محترمہ کے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس مال کو صرف اسی ایک انداز میں تقسیم کروں گا، جسے تم اس سے قبل تسلیم کر چکے ہو، یعنی اس پر صرف تمہاری نگرانی ہو گی۔ (یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے، ابو البختری کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔) امام نسائی رحمہ اللہ (4153؛ وسندہٗ صحیحٌ) نے عکرمہ بن خالد کے ایک دوسرے طریق سے بھی اسی طرح بات نقل کی ہے۔ سنن ابی داؤد وغیرہ میں بھی اسی

طرح روایت آتی ہے۔وہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ان کے لئے مال کی نگرانی کو تقسیم کر دیا جائے، جتنے حصہ کی نگرانی ایک کے حصہ میں آئے، وہ اس پر نظر رکھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس سے روک دیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کے خواہاں تھے کہ اس مال پر تقسیم کا لفظ نہ بولا جائے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسا نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی۔اکثر شارحین نے اتنی ہی بات پر اکتفا کیا ہے اور اسی کو نگاہِ تحسین سے دیکھا ہے، مگر یہ گزشتہ بات محل نظر ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔اس سے بھی قابل تعجب بات حافظ ابن الجوزی اور حافظ نووی کی ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے یہی مطالبہ کیا تھا، حالانکہ حدیث کے سیاق میں یہ بات واضح ہے کہ وہ دونوں ہر مرتبہ ایک ہی چیز کا مطالبہ لے کر آئے تھے۔مگر حافظ ابن الجوزی اور حافظ نووی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ عذر مانا جا سکتا ہے کہ انہوں نے شرح کرتے ہوئے صرف صحیح مسلم کے الفاظ کو مدنظر رکھا ہے اور صحیح بخاری کے الفاظ کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی، واللہ اعلم! رہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ اے عباس! آپ نے میرے پاس آ کر اپنے بھتیجے کی میراث سے حصے کا مطالبہ کیا تھا، تو اس قول سے ان کی مراد صرف میراث کی تقسیم کا بیان تھا کہ اگر یہ واقعی میراث ہے، تو اسے کیسے تقسیم کیا جائے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد ان دونوں صحابہ کی گفتگو کی تحقیر کرنا نہیں تھا۔امامی نے اس روایت میں کچھ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں، جنہیں عمر بن شبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے، اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں: آپ دونوں اپنے معاملے کی اصلاح کرلو، ورنہ اللہ کی قسم! دوبارہ یہ مال تمہارے پاس نہیں آئے گا، اس پر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے اور اپنے تنازع کو ختم کرلیا۔اس مال کو بطورِ صدقہ ہی جاری رکھا گیا۔اس روایت کے آخر میں راوی شعیب نے یہ الفاظ زائد بیان کیے ہیں: ابن شہاب کا کہنا ہے کہ میں نے عروہ رحمہ اللہ سے یہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے فرمایا: سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے سچ بیان کیا ہے، میں نے خود سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ یہ فرما رہی تھیں، پھر انہوں نے حدیث کا پورا قصہ بیان کیا۔عروہ نے کہا: یہی وہ صدقہ ہے، جس کا انتظام پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اس میں شریک نہیں کیا تھا اور وہ اس معاملے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پر غالب رہے۔اس کے بعد یہ صدقہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا، پھر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا، پھر امام علی بن حسین رحمہ اللہ پھر امام حسن بن حسن رحمہ اللہ اور پھر امام زید بن حسن رحمہ اللہ کے انتظام میں آ گیا اور یہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھا۔ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے معمر کے واسطے سے زہری سے اسی طرح روایت کی ہے، البتہ یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ معمر نے کہا: پھر وہ مال عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ کے انتظام میں آ گیا، یہاں تک کہ بنوعباس اس کے والی بن گئے۔اسماعیل قاضی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو زیادہ کیا ہے کہ سید نا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس سے اعراض کیا تھا۔عمر بن شبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوغسان محمد بن یحییٰ مدنی کو یہ کہتے ہوئے سنا: اس وقت مذکورہ صدقہ کا انتظام خلیفہ وقت کے ہاتھ میں ہے، وہ اسی شخص کے سپرد کر دیتا ہے، جس کے قبضہ میں سابقہ حکمران کے دور میں تھا، وہ شخص شہر کے ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم کرتا ہے۔میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ یہ نظام دو صدیوں تک چلتا رہا، پھر اس میں تبدیلی آ گئی۔" (فتح الباري شرح صحيح البخاري: 207/6)

❀ صحابیٔ رسول، سیدنا ابو طفیل، عامر بن واثلہ، لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَائَتْ فَاطِمَةُ إِلٰی أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَقَالَتْ : يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ! أَنْتَ وَرِثْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ أَهْلُهٗ؟ قَالَ : لَا، بَلْ أَهْلُهٗ، قَالَتْ : فَمَا بَالُ الْخُمُسِ؟ فقَالَ : إِنِّي سَمِعْتُ

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا أَطْعَمَ اللّٰهُ نَبِيًّا طُعْمَةً ثُمَّ قَبَضَهُ، كَانَتْ لِلَّذِي يَلِي بَعْدَهُ»، فَلَمَّا وَلِيتُ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، قَالَتْ: أَنْتَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمُ، ثُمَّ رَجَعَتْ.

''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث آپ رضی اللہ عنہ ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث نہیں ہوں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو پھر مالِ خمس کا کیا بنے گا؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کوئی مال عطا فرماتا ہے، پھر اپنے پاس بلالیتا ہے، تو اس مال کا نظم ونسق اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا، جو خلیفہ وقت ہوگا۔ چنانچہ جب میں خلیفہ بنا، تو یہ مناسب سمجھا کہ اس مال کو مسلمانوں میں تقسیم کردوں۔ اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس معاملے میں آپ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہا چلی گئیں۔''

(مسند الإمام أحمد: 4/1، السنن الكبرٰى للبيهقي: 303/6، والسياق لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

مؤرخِ اسلام اور مفسر قرآن، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ رُوِّينَا أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا احْتَجَّتْ أَوَّلًا بِالْقِيَاسِ وَبِالْعُمُومِ فِي الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ، فَأَجَابَهَا الصِّدِّيقُ بِالنَّصِّ عَلَى الْخُصُوصِ بِالْمَنْعِ فِي حَقِّ النَّبِيِّ، وَأَنَّهَا سَلَّمَتْ لَهٗ مَا قَالَ، وَهٰذَا هُوَ الْمَظْنُونُ بِهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا.

''بلاشبہ ہمارے پاس ایک روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اولاً تو آیتِ کریمہ کے عموم سے قیاس کرتے ہوئے اپنی دلیل بنائی، لیکن جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح

نص سے اس کا جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ کی میراث کے بارے میں تقسیم نہ ہونے کا خاص حکم ہے،تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ فرمانِ رسول ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔جگر گوشۂ رسول ﷺ سے ایسا ہی گمان کیا جا سکتا تھا۔''

(البداية والنهاية : 309/5)

فائدہ ① : سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ : ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (بني إسرائيل17 : 26) دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فَأَعْطَاهَا فَدَكَ .

''جب یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہوا کہ اپنے عزیز و اقارب کو ان کا حق دیجئے،تو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر باغِ فدک دے دیا۔''

(مسند البزّار (كشف الأستار) : 2223)

لیکن یہ روایت باطل ہے۔

اس کے راوی عطیہ عوفی کو جمہور محدثین کرام نے ''ضعیف'' قرار دیا۔

(تهذيب الأسماء واللغات للنووي : 48/1، طرح التثريب لابن العراقي : 42/3، مجمع الزوائد للهيثمي : 412/1، البدر المنير لابن الملقّن : 463/7، عمدة القاري للعيني : 250/6)

اس کو امام یحییٰ بن سعید قطان،امام احمد بن حنبل،امام یحییٰ بن معین،امام ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ رازی،امام نسائی،امام ابن عدی،امام دارقطنی،امام ابن حبان اور علامہ جوزجانی وغیرہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو گیا تھا،جیسا کہ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

أَمَّا عَطِيَّةُ، فَاجْتَمَعُوا عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

”عطیہ عوفی کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام نے اتفاق کر لیا ہے۔“

(الموضوعات:1/386)

نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مُجْمَعٌ عَلٰی ضُعْفِهٖ .

”اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اجماع ہے۔“(المغني في الضعفاء:2/62)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِجْمَاعِهِمْ .

”یہ باتفاقِ محدثین ضعیف ہے۔“(البدر المنير:5/313)

یہ تدلیس کی بُری قسم میں بُری طرح ملوث تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحِفْظِ، مَشْهُورٌ بِالتَّدْلِيسِ الْقَبِيحِ .

”یہ کمزور حافظے والا تھا اور بُری تدلیس کے ساتھ مشہور تھا۔“

(طبقات المدلّسين، ص:50)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ زیرِ بحث روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

هٰذَا بَاطِلٌ، وَلَوْ كَانَ وَقَعَ ذٰلِكَ لَمَا جَائَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَطْلُبُ شَيْئًا، هُوَ فِي حَوْزِهَا وَمِلْكِهَا .

”یہ روایت باطل ہے، اگر واقعی ایسا ہوتا، تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس چیز کا مطالبہ کرنے نہ آتیں جو پہلے سے ان کے پاس موجود اور ان کی ملکیت میں تھی۔“(ميزان الاعتدال:3/135)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ مُشْكَلٌ لَوْ صَحَّ إِسْنَادُهٗ، لِأَنَّ الْآيَةَ مَكِيَّةٌ، وَفَدَكُ إِنَّمَا فُتِحَتْ مَعَ خَيْبَرَ سَنَةَ سَبْعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ، فَكَيْفَ يَلْتَئِمُ هٰذَا مَعَ هٰذَا ؟

”اگر اس روایت کی سند صحیح بھی ہو، تو اس میں اشکال ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور فدک

تو سات ہجری میں خیبر کے ساتھ فتح ہوا۔ کیسے اس آیت کو اس واقعہ کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔"

(تفسیر ابن کثیر : 69/5، بتحقیق الدکتور سلامة)

فائدہ ② : خلیفہ ثانی، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ:

لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُويِعَ لِأَبِي بَكْرٍ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ مَّعَهَا عَلِيٌّ، فَقَالَتْ : مِيرَاثِي مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ أَبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَمِنَ الرِّثَّةِ أَوْ مِنَ الْعُقَدِ؟ قَالَتْ : فَدَكُ وَخَيْبَرُ وَصَدَقَاتُهٗ بِالْمَدِينَةِ أَرِثُهَا، كَمَا يَرِثُكَ بَنَاتُكَ إِذَا مِتَّ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَبُوكِ وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّنِّي، وَأَنْتِ وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ بَنَاتِي، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، يَعْنِي هٰذِهِ الْأَمْوَالَ الْقَائِمَةَ، فَتَعْلَمِينَ أَنَّ أَبَاكِ أَعْطَاكِهَا، فَوَاللّٰهِ ! لَئِنْ قُلْتِ نَعَمْ، لَأَقْبَلَنَّ قَوْلَكِ وَلَأُصَدِّقَنَّكِ، قَالَتْ : جَاءَتْنِي أُمُّ أَيْمَنَ، فَأَخْبَرَتْنِي أَنَّهٗ أَعْطَانِي فَدَكَ، قَالَ : فَسَمِعْتِهٖ يَقُولُ هِيَ لَكِ؟ فَإِذَا قُلْتِ : قَدْ سَمِعْتُهٗ، فَهِيَ لَكِ، فَأَنَا أُصَدِّقُكِ، وَأَقْبَلُ قَوْلَكِ، قَالَتْ : قَدْ أَخْبَرْتُكَ مَا عِنْدِي .

"جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے، اسی روز سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، انہوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث مجھے دی جائے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اسبابِ خانہ داری

سے یا جائیداد سے؟ سیدہ نے کہا: فدک، خیبر اور صدقاتِ مدینہ کی مَیں وارث ہوں، جیسا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ فوت ہوں گے، تو آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں آپ کی وارث ہوں گی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ رضی اللہ عنہا کے والد مجھ سے بہتر تھے اور اللہ کی قسم! آپ میری بیٹیوں سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہم (انبیاء) کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ کی مراد یہی اموال موجودہ تھے۔ آپکو یقین ہے کہ آپ کے والد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اموال آپ کو دے دیے ہیں؟ اللہ کی قسم! اگر آپ ہاں کہہ دیں تو میں ضرور آپ کی بات کو مانتے ہوئے آپ کی تصدیق کروں گا۔ سیدہ نے کہا: میرے پاس امِ ایمن رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک مجھے دے دیا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فدک آپ کے لئے ہے۔ اگر آپ یہ کہہ دیں تو میں آپ رضی اللہ عنہا کی تصدیق کروں گا اور آپ کی بات مان لوں گا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جو دلیل میرے پاس تھی، اس سے مَیں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔'' (الطبقات الکبریٰ لابن سعد : 2/241)

لیکن یہ جھوٹ کا پلندہ ہے، جسے محمد بن عمر واقدی ''کذاب ومتروک'' نے جمع کیا ہے۔

فائدہ ③ : فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۞ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾

(مریم 19 : 5-6)

''(زکریا علیہ السلام نے دُعا کی: اے میرے ربّ) مجھے اپنی جناب سے اولاد عطا فرما، جو میری اور آلِ یعقوب کی وارث بنے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ (سورة النمل 27 : 16)

''اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔''

ان دونوں مقامات پر انبیاءِ کرام کی وراثت سے مراد مال و جائیداد نہیں، بلکہ علمِ نبوت اور حکمت ہے، جیسا کہ:

مفسرِ قرآن، حافظ، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں:

﴿يَرِثُنِي﴾عَلٰى مِيرَاثِ النُّبُوَّةِ، وَلِهٰذَا قَالَ : ﴿وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾، كَمَا قَالَ تَعَالٰى : ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ (النمل 27: 16)، أَيْ فِي النُّبُوَّةِ، إِذْ لَوْ كَانَ فِي الْمَالِ لَمَا خَصَّهُ مِنْ بَيْنِ إِخْوَتِهِ بِذٰلِكَ، وَلَمَا كَانَ فِي الْإِخْبَارِ بِذٰلِكَ كَبِيرُ فَائِدَةٍ، إِذْ مِنَ الْمَعْلُومِ الْمُسْتَقِرِّ فِي جَمِيعِ الشَّرَائِعِ وَالْمِلَلِ أَنَّ الْوَلَدَ يَرِثُ أَبَاهُ، فَلَوْلَا أَنَّهَا وِرَاثَةٌ خَاصَّةٌ لَّمَا أَخْبَرَ بِهَا، وَكُلُّ هٰذَا يُقَرِّرُهُ وَيُثْبِتُهُ مَا صَحَّ فِي الْحَدِيثِ .

''﴿يَرِثُنِي﴾ سے میراثِ نبوت مراد ہے، اسی لیے فرمایا گیا کہ وہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ (سورة النمل 27 : 16) اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔ یہاں بھی نبوت میں وارث بننا مراد ہے۔ اگر اس سے مالی وراثت مراد ہوتی تو سیدنا زکریا علیہ السلام اپنے بھائیوں میں سے ایک ہی کو کیوں خاص کرتے؟ نیز مالی وراثت کی بات بتانا کوئی بڑا فائدہ نہ تھا، جبکہ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ تمام شریعتوں اور ملتوں میں یہ بات مسلسل چلی آ رہی ہے کہ باپ کی میراث میں اولاد وارث ہوتی ہے۔ اگر یہ میراث خاص نہ ہوتی تو اس کی خبر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ احادیثِ صحیحہ کے تمام دلائل اسی بات کو ثابت کرتے ہیں۔''

(تفسير ابن كثير : 213/5، بتحقيق الدكتور سلامة)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ''اسی موقف کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے۔''(تفسیر ابن کثیر : 213/5، بتحقیق الدکتور سلامۃ)

الحاصل : اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انبیائے کرام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ جو مال و متاع وہ چھوڑ کر جائیں، وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باغِ فدَک کو بطورِ وراثت تقسیم کرنے سے صرف اس لیے انکار کیا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہوا تھا کہ انبیا کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبے پر انہوں نے یہی فرمانِ رسول پیش فرمایا تھا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے باغِ فدَک کا بطورِ وراثت ان کی مطالبہ اجتہادی خطا تھی، جس سے انہوں نے حدیثِ نبوی سننے کے بعد رجوع فرما لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت میں سے کسی نے بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے ملامت نہیں کیا، نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فدَک کو بطورِ وراثت تقسیم کیا۔

رہیں وہ روایات جن میں باغِ فدَک سے حصہ نہ ملنے پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، تو ان روایات کی اصل مراد یہ ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے وراثت کے مطالبے کے حوالے سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی کلام نہیں کی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی سننے کے بعد وہ اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئی تھیں۔

اور جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں، راجح یہی ہے سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے والدِ گرامی کی وفاتِ حسرت آیات پر اس قدر افسردہ تھیں اور اپنے خانگی معاملات میں اس قدر مصروف ہوئیں اور پھر صرف چھ ماہ بعد وفات پا گئیں، تو سمجھنے والے نے یہ سمجھ لیا کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہیں۔

لہٰذا فدَک کے معاملے کو بنیاد بنا کر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو غاصب قرار دینا عقلی و نقلی کسی حوالے سے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محبتِ صحابہ پر زندہ رکھے اور اسی پر موت دے۔

کسی صحیح اور معتبر دلیل سے ثابت نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ یہ کہنا کہ آپ رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے، دلیل کا محتاج ہے۔

بعض لوگ اس سلسلے میں کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ان مزعومہ دلائل پر اصولِ محدثین کی روشنی میں علمی و تحقیقی تبصرہ ملاحظہ ہو:

دلیل نمبر ① : اُمِ عارہ بنتِ عبادہ سے منسوب ہے کہ:

ایک دن میں عرب عورتوں کے پاس تھی کہ ابو طالب مغموم و پریشان تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: ابوطالب! کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے: فاطمہ بنتِ اسد اس وقت سخت دردِ زِہ میں مبتلا ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔اسی اثنا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: چچاجی کیا مسئلہ ہے؟انہوں نے بتایا: فاطمہ بنتِ اسد دردِ زِہ سے دوچار ہیں۔ان کو کعبہ میں لا کر بٹھا دیا گیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر بیٹھ جایئے۔انہوں نے ایک خوش،صاف ستھرا اور حسین ترین بچہ جنم دیا۔ابو طالب نے اس کا نام علی رکھ دیا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کو اٹھا کر گھر لائے۔

(مناقب عليّ بن أبي طالب لابن المغازلي، الرقم: 3)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی ابو طاہر یحییٰ بن حسن علوی کون ہے، کوئی پتہ نہیں۔

② محمد بن سعید دارمی کی توثیق درکار ہے۔

③ زیدہ بنت قریبہ کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

④ ان کی ماں ام العارہ بنتِ عبادہ کون ہے، معلوم نہیں۔

پے در پے ''مجہول'' راویوں کی بیان کردہ روایت کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟

دلیل نمبر ② : سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ:

''خانہ کعبہ میں سب سے پہلے سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔۔۔۔۔اور بنو ہاشم میں سب سے پہلے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔''

(أخبار مكّة للفاكهي : 198/3، الرقم : 2018)

تبصرہ: اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ امام فاکہی کے استاذ ابراہیم بن ابو یوسف کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔شریعت نے ہمیں ثقہ اور معتبر راویوں کی روایات کا مکلّف ٹھہرایا ہے، نہ کہ مجہول اور غیر معتبر راویوں کے بیان کردہ قصے کہانیوں کا۔

تنبیہ: امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك : 384/3) فرماتے ہیں کہ متواتر روایات سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ثابت ہے، لیکن یہ بات امام صاحب رحمہ اللہ کی خطا ہے، کیونکہ متواتر تو کیا اس مفہوم کی روایات ''حسن'' یا ''صحیح'' بھی نہیں۔

رہی مؤرخین کی تصریحات، تو وہ بھی اس کے بالکل خلاف ہیں، وہ سب یہی کہتے ہیں کہ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ پہلے اور آخری مولودِ کعبہ ہیں۔

الحاصل : سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں۔اس بارے میں کوئی صحیح وصریح روایت ذخیرۂ حدیث میں موجود نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀

مُجَالِد بن سعید ہمدانی کوفی (م : 144ھ) جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، نیز یہ آخری عمر میں ''اختلاط'' کا شکار بھی ہو گیا تھا، جیسا کہ :

① حافظ عبد الرحیم بن حسین، عراقی رحمہ اللہ (765-406ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ، وَقَدِ اخْتَلَطَ أَخِيرًا .

''جمہور محدثین کرام نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ یہ آخری عمر میں مختلط بھی ہو گیا تھا۔''

(طرح التثريب في شرح التقريب : 389/2)

② حافظ، ابو الحسن، علی بن ابو بکر، ہیثمی (735-807ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ . ''اسے جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔''

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد :5/33، 190)

③ علامہ، محمود بن احمد، عینی، حنفی (762-855ھ) لکھتے ہیں:

وَمُجَالِدٌ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ . ''مجالد کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري : 240/6، تحت الحديث : 934)

④ علامہ ابن مُفلح (816-884ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ . ''اسے اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔''

(المبدع في شرح المقنع : 345/7)

⑤ علامہ عبد الروف مناوی رحمہ اللہ (952-1031ھ) حافظ عراقی سے نقل کرتے ہیں:

''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔'' (فيض القدير :14/6، ح : 8247)

⑥ علامہ، احمد بن محمد بن علی، شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ. ''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے۔''

(نيل الأوطار: 273/2)

جارحین

① امام ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ حَدِيثُهُ عَنْ أَصْحَابِهِ كَأَنَّهُ حُلْمٌ.

''مجالد کی اپنے اصحاب سے بیان کردہ حدیث ایسے ہے، جیسے خواب۔''

(المجروحين لابن حبّان: 11/3، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز فرماتے ہیں: حَدِيثُ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، كَأَنَّهُ حُلْمٌ.

''مجالد کی شعبی سے بیان کردہ روایت گویا خواب ہے۔''

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه: 750)

مزید فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ. ''اس کی حدیث ضعیف ہے۔''

(سؤالات الميموني: 362)

نیز فرماتے ہیں: فَإِنَّهُ كَانَ يُكْثِرُ وَيَضْطَرِبُ.

''مجالد زیادہ روایات بیان کرتا تھا اور اضطراب کا شکار رہتا تھا۔''

(المعرفة والتاريخ للإمام يعقوب بن سفيان: 165/2، وسندهٗ صحيحٌ)

② امام، محمد بن ادریس، شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيثُ عَنْ مُجَالِدٍ يُجَالِدُ الْحَدِيثَ.

''مجالد سے بیان کی گئی روایات (صحیح) حدیث کی مخالفت کرتی ہیں۔''

(المجروحين لابن حبّان: 11/3، وسندهٗ حسنٌ)

③ امام، ابوعبداللہ، محمد بن سعد بن منیع رحمہ اللہ (168-230ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ ضَعِيفًا فِي الْحَدِيثِ . ''یہ حدیث میں ضعیف تھا۔''

(الطبقات الکبریٰ: 349/6)

④ علامہ، ابراہیم بن یعقوب، جوزجانی (م: 259ھ) لکھتے ہیں:

يُضَعَّفُ حَدِيثُهٗ . ''اس کی بیان کردہ حدیث ضعیف قرار دی جائے۔''

(أحوال الرجال: 126)

⑤ امام، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، نسائی رحمہ اللہ (215-303ھ) فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ . ''یہ ضعیف راوی ہے۔'' (الضعفاء المتروکون، ص: 233)

نوٹ: بعض اہل علم نے امام نسائی رحمہ اللہ سے مجالد کو ''ثقہ'' قرار دینا بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

⑥ امام، ابوالحسن، علی بن عمر، دارقطنی رحمہ اللہ (306-385ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِقَوِيٍّ . ''یہ قوی راوی نہیں۔'' (الضعفاء المتروکون: 532)

نیز فرماتے ہیں: لَيْسَ بِثِقَةٍ، ـــ، لَا يُعْتَبَرُ بِهٖ .

''یہ ثقہ راوی نہیں۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔'' (سؤالات البرقاني: 474)

⑦ امام، ابوحاتم، محمد، ابن حبان رحمہ اللہ (م: 354ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ رَدِيْءَ الْحِفْظِ، يُقَلِّبُ الْأَسَانِيدَ، وَيَرْفَعُ الْمَرَاسِيلَ، لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ . ''اس کا حافظہ بہت نکما تھا۔ یہ سندوں کو بدل دیتا تھا اور مراسیل کو مرفوع بنا دیتا تھا۔ اس کی بیان کردہ حدیث سے دلیل لینا جائز نہیں۔''

(المجروحین: 3/10-11)

⑧ امام، ابوزکریا، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (158-233ھ) فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ ضَعِيفٌ، وَاهِي الْحَدِيثِ . ''مجالد ضعیف راوی ہے اور اس کی بیان کردہ احادیث کمزور ہیں۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 362/8، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز فرماتے ہیں: مُجَالِدٌ وَّحَجَّاجٌ لَّا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِمَا .
''مجالد اور حجاج کی بیان کردہ حدیث کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔''

(تاريخ ابن معين برواية الدوري : 3142)

نیز فرماتے ہیں: كَانَ ضَعِيفًا . ''ضعیف راوی تھا۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 233/4، وسندهٗ حسنٌ، المجروحين لابن حبّان : 1039، وسندهٗ حسنٌ)

ایک مرتبہ فرمایا: إِسْرَائِيلُ وَشَرِيكٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مُّجَالِدٍ .
''اسرائیل اور شریک میرے نزدیک مجالد سے اچھے راوی ہیں۔''

(تاريخ ابن معين : 3056)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے مجالد کو ایک مقام پر ''ثقہ'' بھی کہا ہے۔

(تاريخ يحيى بن معين برواية العبّاس الدوري : 1277)

امام صاحب کا توثیق والا قول جمہور کے بھی اور ان کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے، لہٰذا جمہور کے موافق قول لیا جائے گا۔

⑨ امام، ابوسعید، یحییٰ بن سعید، قطان رحمہ اللہ (120-198ھ) فرماتے ہیں:

فِي نَفْسِي مِنْهُ شَيْءٌ . ''میرا دل اس کے بارے میں صاف نہیں۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 361/8، وسندهٗ صحيحٌ)

امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ نے عبداللہ بن سعید سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟

انہوں نے بتایا کہ میں وہب بن جریر کے پاس سیرت لکھنے جا رہا ہوں، جو مجالد سے مروی ہے۔اس پر آپ نے فرمایا:

تَكْتُبُ كَذِبًا كَثِيرًا، لَوْ شِئْتَ أَنْ يَّجْعَلَهَا لِيْ مُجَالِدٌ كُلَّهَا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَّسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَعَلَ .

''آپ بہت سے جھوٹ لکھنے جا رہے ہیں۔اگر آپ چاہیں کہ مجالد میرے لیے ان ساری سندوں کو شعبی اور مسروق کے واسطے سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچا دے، تو وہ ایسا کر دے گا۔''(الجرح والتعديل : 361/8، وسندهٗ صحيحٌ)

مطلب یہ ہے کہ مجالد کا حافظہ اس حد تک بگڑ گیا تھا کہ وہ ''تلقین'' قبول کرنے لگا تھا، یعنی جب اسے کوئی من گھڑت سند بیان کر کے کہتا کہ اصل سند اس طرح ہے، تو وہ اسے تسلیم کر لیتا تھا۔

⑩ امام ابو حاتم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا مجالد کی بیان کردہ حدیث کو دلیل بنایا جا سکتا ہے؟ تو فرمایا: نہیں، پھر فرمایا: وَلَيْسَ مُجَالِدٌ بِقَوِيِّ الْحَدِيثِ .

''مجالد کی بیان کردہ حدیث قوی نہیں ہوتی۔''(الجرح والتعديل : 362/8)

⑪ امام، ابو احمد، عبداللہ، ابن عدی رحمہ اللہ (277-365ھ) فرماتے ہیں:

أَكْثَرُ رِوَايَتِهٖ عَنْهُ (الشَّعْبِيِّ)، وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .

''اس نے زیادہ روایات شعبی کے واسطے سے بیان کی ہیں۔اس کی بیان کردہ اکثر روایات غیر محفوظ (منکر) ہیں۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 423/6)

⑫ امام، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ ضَعَّفَ مُجَالِدًا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ .

''بعض اہل علم نے مجالد کو ضعیف قرار دیا ہے۔وہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 648)

نیز فرماتے ہیں: وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُهُمْ فِي مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ . ''بعض اہل علم نے حافظے کی خرابی کی بنا پر مجالد پر کلام کی ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 1172)

⑬ امام،ابوبکر،محمد بن حسین،بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) فرماتے ہیں:

غَيْرُ مُحْتَجٍّ بِهٖ . ''اس کی بیان کردہ حدیث سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔''

(السنن الكبرىٰ للبيهقي : 128/8)

⑭ علامہ،علی بن احمد،ابنِ حزم رحمہ اللہ (384-456ھ) کہتے ہیں:

ضَعِيفٌ . ''یہ ضعیف راوی ہے۔''(المحلّٰی بالآثار : 62/3)

نیز فرماتے ہیں: هَالِكٌ . ''سخت ضعیف ہے۔''(المحلّٰی : 429/10)

⑮...⑲ حافظ منذری(مختصر سنن أبي داوٗد : 256/6)،حافظ بوصیری (اتّحاف الخيرة المهرة : 45)،علامہ ابن ملقن(البدر المنير : 391/9)،حافظ ابن حجر(فتح الباري : 480/9)اور حافظ ابنِ کثیر(البداية والنهاية : 141/8)نے بھی اس کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

لہٰذا حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ(البداية والنهاية : 14/3) کا اس کی حدیث کی ایک سند کو ''حسن'' کہنا صحیح نہیں۔

⑳ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَشْهُورٌ، صَاحِبُ حَدِيثٍ، عَلٰى لِينٍ فِيهِ . ''مشہور محدث ہے،البتہ کمزور راوی ہے۔''

(ميزان الاعتدال للذهبي : 438/3)

نیز فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ. ''قوی نہیں ہے۔''

(سير أعلام النبلاء للذهبي : 146/2)

اتنی جروح کے بعد اب مجالد کے بارے میں ذکر کی گئی توثیقات بھی ملاحظہ فرمائیں:

معدلین

① امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ نے امام یحییٰ بن معین سے اس کا ''ثقہ'' ہونا ذکر کیا ہے۔

(تاريخ الثقات : 1435)

اس کا جواب گزر چکا ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی یہ بات جمہور محدثین، نیز خود اپنی ہی جرح کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

② امام ابوعبداللہ، سفیان بن سعید، ثوری رحمہ اللہ (93-161ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَكَلَّمَ النَّاسُ فِيهِ، وَبِخَاصَّةٍ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ.

''ائمہ دین نے اس پر جرح کی ہے، خصوصاً امام یحییٰ بن سعید نے، تاہم وہ ثقہ ہے۔''

(المعرفة والتاريخ : 100/3)

③ امام، ابو یوسف، یعقوب بن سفیان، فسوی رحمہ اللہ (م: 277ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مُجَالِدٌ وَّالْأَجْلَحُ، فَقَدْ تَكَلَّمَ النَّاسُ فِيهِمَا، وَمُجَالِدٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ أَمْثَلُ مِنَ الْأَجْلَحِ.

''مجالد اور اجلح دونوں کے بارے میں محدثین کی جرح موجود ہے اور مجالد ہر حال میں اجلح سے اچھا ہے۔''(المعرفة التاريخ : 83/3)

یاد رہے کہ اجلح کندی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔

اس کے بارے میں علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَوْثِيقِهٖ.

''اکثر محدثین کرام اس کی توثیق ہی کرتے ہیں۔''(مجمع الزوائد: 189/1)

اس کی توثیق اور اس پر جرح کی حقیقت تفصیلاً جاننے کے لیے میرے مایۂ ناز شاگرد اور اندوختہ سرمایہ، حافظ ابو یحییٰ نور پوری حفظہ اللہ کی بیش قیمت کتاب ''صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنہ انکارِ حدیث(ص:271-275)'' ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: امام بخاری رحمہ اللہ سے مجالد کو ''صدوق'' کہنا ثابت نہیں۔

③ امام، ابوالحسن، احمد بن عبداللہ، عجلی رحمہ اللہ (181-261ھ) فرماتے ہیں:

جَائِزُ الْحَدِيثِ، حَسَنُ الْحَدِيثِ .

''اس کی حدیث درست اور حسن ہے۔''(تاريخ الثقات: 460)

④ امام، ابو بسطام، شعبہ بن حجاج، عتکی رحمہ اللہ (م: 160ھ) نے الحسن بن علی بن عاصم سے کہا: يَا حَسَنُ اسْتَخِرِ اللّٰهَ، وَأَدْبِرْ عَلٰى مُجَالِدٍ .

''حسن! اللہ سے خیر طلب کرو اور مجالد کے پاس جاؤ۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 232/4، وسندهٗ حسنٌ)

⑤ امام، ابوالحسن، علی بن عبد اللہ، مدینی رحمہ اللہ (161-234ھ) نے امام شعبی رحمہ اللہ کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: مُجَالِدٌ فَوْقَ أَشْعَثَ بْنِ سَوَّارٍ، فَوْقَ أَجْلَحَ الْكِنْدِيِّ . ''مجالد، اشعث بن سوار سے کم درجہ اور اجلح کندی سے بلند درجہ ہے۔''(المعرفة والتاريخ للفسوي: 1713، وسندهٗ صحيحٌ)

⑥ امام، ابوعبداللہ، محمد بن مثنّٰی، بصری رحمہ اللہ (118-215ھ) فرماتے ہیں:

يُحْتَمَلُ حَدِيثُهٗ لِصِدْقِهٖ . ''اس کی سچائی کی بنا پر اس کی حدیث روایت کی جائے گی۔''(تهذيب التهذيب لابن حجر: 37/10)

نوٹ: امام مسلم رحمہ اللہ نے مجالد بن سعید سے اصول میں کوئی روایت نہیں لی۔ صحیح مسلم میں مجالد کی روایت متابعت میں (دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر) ہے۔

تنبیہ نمبر ① :

ابوسعید،عبداللہ بن سعید،اشجع،کندی(م: 257ھ) کہتے ہیں:

ذَكَرَ رَجُلٌ عُثْمَانَ عِنْدَ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، فَقَالَ : مُجَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ لِّغُلَامِهِ : جُرَّهُ وَاطْرَحْهُ فِي الْبِئْرِ .

''مجالد بن سعید کے پاس ایک آدمی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا،تو وہ اپنے غلام سے کہنے لگا: اس کو کھینچ کر کنویں میں پھینک دو۔''(الضعفاء الكبير للعقيلي : 234/4)

اس کی سند ''انقطاع'' کی وجہ سے'' ضعیف'' ہے،کیونکہ ابو سعید 257ھ میں فوت ہوئے،جبکہ مجالد بن سعید 144ھ میں فوت ہو گئے تھے۔دونوں کا لقاء وسماع صرف ثابت ہی نہیں، بلکہ ممکن ہی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذِهِ حِكَايَةٌ مُّرْسَلَةٌ . ''یہ مرسل (منقطع) حکایت ہے۔''

(تاريخ الإسلام : 977/3، بتحقيق بشّار)

امام عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں:

''یحییٰ بن سعید اور ابو اسامہ کی مجالد سے بیان کردہ حدیث کچھ بھی نہیں، کیونکہ انہوں نے مجالد کے حافظے کی خرابی کے بعد اس سے بیان کیا ہے۔البتہ شعبہ،حماد بن زید اور ہشیم کی حدیث صحیح ہے، کیونکہ وہ مجالد کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے اس سے بیان کرتے ہیں۔''

(الجرح والتعديل : 361/8)

امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آخری عمر میں حافظے کا بگاڑ ہے۔

الحاصل: مجالد بن سعید،کوفی راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

سوال ① : اگر کوئی رات کو وتر پڑھے بغیر سو گیا ہو اور جب نیند سے بیدار ہو تو فجر طلوع ہو چکی ہو۔وہ کیا کرے؟

جواب : فجر طلوع ہونے کے بعد ہی وتر ادا کر لیے جائیں،جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَّامَ عَنْ وِتْرِهٖ، أَوْ نَسِيَهٗ، فَلْيُصَلِّهٖ إِذَا ذَكَرَهٗ» .

''جو شخص اپنے وتر سے سو جائے یا بھول جائے،تو جب (بیدار ہو یا جب) یاد آئے، اسے ادا کر لے۔''

(سنن أبي داوٗد :1431، سنن الدار قطني :22/2، ح :2621، المستدرك على الصحيحين للحاكم :302/1، السنن الكبرٰى للبيهقي :480/2، وسندهٗ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(خلاصة الأحكام :1905)

سوال ② : بعض لوگ ماہِ رجب میں اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں۔اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب : رجب کو زکوٰۃ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں،جیسا کہ علامہ ابنِ رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الزَّكَاةُ فَقَدِ اعْتَادَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبِلَادِ إِخْرَاجَ الزَّكَاةِ فِي شَهْرِ رَجَبَ، وَلَا أَصْلَ لِذٰلِكَ فِي السُّنَّةِ، وَلَا عُرِفَ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ السَّلَفِ .

''زکوٰۃ کے بارے میں ان علاقوں کے لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ رجب کے مہینے میں زکوٰۃ نکالتے ہیں۔اس طریقہ کار کی کوئی دلیل سنتِ نبوی میں نہیں، نہ اسلافِ امت میں سے کسی سے یہ منقول ہے۔''(لطائف المعارف، ص : 120)

سوال ③ : منوعہ اوقات میں کونسی نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب : تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، نمازِ طواف، اور نمازِ کسوف ایسی نمازیں ہیں، جو ایک سبب کے تحت ادا کی جاتی ہیں، ان نمازوں کی ادائیگی ممنوعہ اوقات میں جائز ہے۔

سببی نمازیں نہی کے عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں۔مثال کے طور پر مسجد میں داخل ہونا تحیۃ المسجد کا سبب ہے، یعنی یہ سببی نماز ہے، لہٰذا اسے ممنوع وقتوں میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

خطبہ جمعہ کے آغاز سے پہلے جتنی مرضی نفل نماز پڑھیں، لیکن جب امام خطبہ شروع کر دے، تو نماز ختم کر کے خطبہ سماعت کرنے کا حکم ہے۔لیکن دورانِ خطبہ آنے والا شخص مسجد میں داخل ہونے پر اس ممنوع وقت میں بھی دو رکعتیں ادا کر کے بیٹھے گا، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَقَدْ خَرَجَ الْإِمَامُ، فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ» .

''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (مسجد میں) آئے اور امام (خطبہ کے لیے) نکل آیا ہو، تو وہ دو رکعتیں پڑھے (پھر خطبہ سننے بیٹھے)۔''

(صحيح البخاري : 1166، صحيح مسلم : 875)

شارح مسلم، حافظ نووی رحمہ اللہ ان احادیث کے عموم کے متعلق لکھتے ہیں:

وَالْمُسْتَنْبَطُ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ أَنَّ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ لَا تُتْرَكُ فِي أَوْقَاتِ النَّهْيِ عَنِ الصَّلَاةِ، وَأَنَّهَا ذَاتُ سَبَبٍ، تُبَاحُ فِي كُلِّ وَقْتٍ، وَيَلْحَقُ بِهَا كُلُّ ذَوَاتِ الْأَسْبَابِ، كَقَضَاءِ الْفَائِتَةِ.

''ان احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تحیۃ المسجد کو نماز کے ممنوعہ اوقات میں بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔ یہ سببی نماز ہے، جو ہر وقت جائز ہے۔ یہی حال باقی تمام سببی نمازوں کا ہے، جیسا کہ (عذرِ شرعی کے باعث) فوت ہو جانے والی نماز کی قضائی۔''

(شرح صحيح مسلم: 164/6)

❀ فقیہ امت، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ، عِنْدَ صَلَاةِ الفَجْرِ: «يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الجَنَّةِ»، قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجٰى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طَهُورًا، فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، إِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بلال! مجھے وہ عمل بتائیے کہ اسلام لانے کے بعد جس کے سبب آپ کو رحمتِ الٰہی کی سب سے زیادہ امید ہو۔ میں نے جنت میں اپنے آگے آپ کے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے رحمتِ الٰہی کی سب سے زیادہ امید اس عمل سے ہے کہ میں نے دن یا رات، جس بھی وقت میں وضو کیا ہے، اس کے ساتھ جتنی مقدر میں تھی، اتنی نماز ضرور ادا کی ہے۔''

(صحيح البخاري: 1149، صحيح مسلم: 2458)

حافظ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَفِيهِ فَضِيلَةُ الصَّلَاةِ عَقِبَ الْوُضُوءِ، وَأَنَّهَا سُنَّةٌ، وَأَنَّهَا تُبَاحُ فِي أَوْقَاتِ النَّهْيِ؛ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَاسْتِوَائِهَا، وَغُرُوبِهَا، وَبَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ، لِأَنَّهَا ذَاتُ سَبَبٍ، وَهٰذَا مَذْهَبُنَا.

''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو کے بعد نماز (تحیۃ الوضو) کی ادائیگی فضیلت والاعمل ہے، یہ سنتِ نبوی ہے اور ممنوعہ اوقات میں، مثلاً طلوعِ آفتاب، زوالِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور فجر وعصر کی نماز کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ سببی نماز ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔''(شرح صحیح مسلم: 13/16)

❀ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ».

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو، تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں ادا کرے۔''

(صحيح البخاري: 444، صحيح مسلم: 714)

❀ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! [أَوْ] يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! إِنْ وُلِّيتُمْ مِّنْ هٰذَا الْأَمْرِ شَيْئًا، فَلَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ، وَصَلّٰى أَيَّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَّيْلٍ أَوْ نَهَارٍ.

''اے بنوعبد المطلب (یا فرمایا:) اے بنوعبد مناف! اگر تمہیں اس معاملے (بیت اللہ کے انتظام) میں سے کچھ سونپ دیا جائے، تو کسی کو اس کا طواف کرنے اور دن یا رات کے کسی بھی وقت میں نماز پڑھنے سے منع نہ کرنا۔''

(مسند الحميدي: 561، سنن النسائي: 852، 2924، وسندهٗ صحيحٌ، المعجم الكبير للطبراني: 128/11، ح: 11359، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے (1280، 2747) ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ کسوف وخسوف کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ، فَادْعُوا اللّٰهَ، وَكَبِّرُوا، وَصَلُّوا، وَتَصَدَّقُوا» .

''جب تم یہ معاملہ دیکھو،تو اللہ سے دُعا کرو،اس کی کبریائی بیان کرو،نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔''(صحيح البخاري : 1044، صحيح مسلم :901)

ان تمام احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سبھی نمازیں اوقاتِ ممنوعہ میں بھی ادا کی جا سکتی ہیں۔

سوال ④ : کیا جنبی مرد اور حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتے ہیں؟

جواب : آدمی حالتِ جنابت اور عورت حالتِ حیض میں میت کو غسل دے سکتے ہیں، کیونکہ وہ دونوں نجس نہیں ہوتے ،جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ جنبی تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: «إِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ» .

''مسلمان نجس نہیں ہوتا۔''(صحيح مسلم : 372، مسند أبي عوانة : 777، واللفظ لهٗ)

ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے،تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:عائشہ ! مجھے کپڑا تو پکڑا دیں۔سیدہ نے عرض کی: میں حائضہ ہوں۔اس پر آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

«إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ» .

''آپ کا حیض آپ کے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔''(صحيح مسلم : 299)

ثابت ہوا کہ جنبی اور حائضہ کا بدن نجس نہیں، بلکہ پاک ہوتا ہے۔غسلِ میت سے مقصود میت کی صفائی ستھرائی ہے۔وہ جنبی اور حائضہ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

امام،ابراہیم بن یزید،نخعی، تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

میری والدہ نے مجھے کبیر تابعی،علقمہ بن قیس رحمہ اللہ کے پاس بھیجا، تا کہ میں ان سے یہ

مسئلہ دریافت کروں: فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا .

''انہوں نے اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 237/3، وسندہٗ صحیحٌ)

تنبیہ: امام حسن بصری اور امام ابنِ سیرین رحمہما اللہ جنبی اور حائضہ کا میت کو غسل دینا مکروہ خیال کرتے تھے۔(مصنف ابن أبي شيبة : 248/3، وسندہٗ صحیحٌ)

یہ امام حسن بصری اور امام ابنِ سیرین کا ذاتی اجتہاد ہے،جس پر کوئی دلیل نہیں۔ کراہت کے ثبوت پر شرعی دلیل درکار ہوتی ہے،لہٰذا یہ بات قابل التفات نہیں۔

واللّٰہ أعلم بالصواب !

سوال ⑤ : کیا میت نجس ہوتی ہے؟

جواب : مؤمن زندہ ہو یا میت، دونوں حالتوں میں نجس اور پلید نہیں ہوتا،جیسا کہ:

سید الفقہاء والمحدثین،سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنبی تھا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد غسل کے لیے چلا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا: میں جنبی تھا،اس لیے غسل کرنے چلا گیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ» . ''سبحان اللہ! مؤمن نجس نہیں ہوتا۔''

(صحيح البخاری : 285، صحيح مسلم :371)

سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو غسل دیا،تو فرمایا:

وَلَوْ كَانَ نَجِسًا مَّا غَسَّلْتُهٗ . ''اگر یہ نجس ہوتے،تو میں انہیں غسل نہ دیتا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 267/3، وسندہٗ صحیحٌ)

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لَا تُنَجِّسُوا مَيِّتَكُمْ . ''اپنے مُردوں کو پلید نہ کہو۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 266/3، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز فرماتے ہیں: لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ، إِنَّ مَيِّتَكُمْ لَمُؤْمِنٌ طَاهِرٌ وَّلَيْسَ بِنَجَسٍ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تُغَسِّلُوا أَيْدِيَكُمْ .

''تمہیں اپنی میتوں کو غسل دینے پر غسل نہیں کرنا پڑے گا، کیونکہ تمہاری میت مؤمن اور پاک ہوتی ہے، نجس نہیں ہوتی۔ تمہیں اپنے ہاتھ دھونا ہی کافی ہوگا۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 316/1، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(تغليق التعليق :461/2)

امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

كَانُوا يَقُولُونَ : إِنْ كَانَ صَاحِبُكُمْ نَجَسًا، فَاغْتَسِلُوا مِنْهُ .

''صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہاری میت پلید ہے،تو اسے غسل دے کر خود بھی غسل کرلو(یعنی میت کو غسل دینے سے غسل فرض نہیں ہوتا)۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 267/3، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال ⑥ : حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی کے فاصلہ کی کیا حقیقت ہے؟

جواب : حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی کا فاصلہ رکھنا بدعت ہے،شریعتِ اسلامیہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ دین سازی کی مذموم کوشش ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز میں صفوں کی دُرُستی کے حوالے سے بہت تاکید فرمائی ہے۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں :

أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ : «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، وَتَرَاصُّوا» .

''نماز کی اقامت ہوگئی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف توجہ کی اور ارشاد فرمایا: اپنی صفوں کو درست کرو اور آپس میں گھتم گھتا ہو جاؤ۔''(صحيح البخاري : 719)

نبی اکرم ﷺ کی اس تعلیم کا جو مقصد صحابہ کرام نے سمجھا اور اسے اپنایا، وہ راویٔ حدیث، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ تھا:

وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ، وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ .

''(آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر) ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنا چپکا دیتا تھا۔''(صحيح البخاري : 725)

نبی اکرم ﷺ کی اس تعلیم اور صحابہ کرام کے اس فہم و عمل کی پیروی تب ہی ممکن ہے، جب صف میں کھڑا ہر نمازی اپنے کندھوں کے برابر پاؤں کو کھولے، لیکن اگر ایک نمازی اپنے دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلی کے برابر رکھے گا، تو ساتھ والے کے پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانا ممکن ہی نہیں رہے گا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ جس طریقے سے سنتِ نبوی اور عمل صحابہ پر عمل ممکن نہیں، اسی کو مسنون قرار دے دیا گیا ہے۔

اس بارے میں فقہ حنفی کی معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے:

وَيُسَنُّ تَفْرِيجُ الْقَدَمَيْنِ فِي الْقِيَامِ قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ .

''حالتِ قیام میں دونوں قدموں میں چار انگلی کا فاصلہ رکھنا مسنون ہے۔''

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص : 262، ردّ المحتار على الدرّ المختار : 444/1، الفتاوى الهندية المعروف به فتاویٰ عالمگیری : 73/1، نور الإيضاح، ص : 56، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق : 114/1، إمداد الأحكام : 466/1، طبعة دارالعلوم كراتشي)

الحاصل: یہ کہنا کہ حالتِ قیام میں مردوں اورعورتوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان بقدر چار انگشت فاصلہ رکھیں، بے بنیاد بات ہے۔ یہ فتویٰ نبی اکرم ﷺ کی صحیح احادیث،صحابہ کرام کے اجماعی تعامل اورفہمِ سلف کی مخالفت پر مبنی ہے۔

سوال ⑦: کیا عورت چھوٹے بچے کوغسل دے سکتی ہے؟

جواب: عورت چھوٹے بچے کی میت کوغسل دے سکتی ہے،اس کی دلیل اجماعِ امت ہے،جیسا کہ امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ كُلُّ مَنْ نَّحْفَظُ عَنْهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ تَغْسِلُ الصَّبِيَّ الصَّغِيرَ . ''جتنے بھی اہل علم ہمیں یاد ہیں،ان سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت چھوٹے بچے کوغسل دے سکتی ہے۔''

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف : 338/5)

جب یہی مسئلہ امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ سے پوچھا،تو انہوں نے فرمایا:

لَا أَعْلَمُ بِهٖ بَأْسًا . ''مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کوئی حرج ہو۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 251/3، وسندہٗ صحيحٌ)

سوال ⑧: امام بھول جائے تو اسے لقمہ دینا کیسا ہے؟

جواب: امام کے بھولنے پر اسے لقمہ دینا جائز ہے،جیسا کہ:

❁ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةً، فَقَرَأَ فِيهَا، فَلَبَسَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : لِأُبَيٍّ : «صَلَّيْتَ مَعَنَا ؟» قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : «فَمَا مَنَعَكَ ؟» . ''نبی اکرم ﷺ نے ایک

نماز پڑھائی۔آپ ﷺ اس میں قراءت کرتے ہوئے بھول گئے۔جب نماز سے فارغ ہوئے،تو سیدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا آپ نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔فرمایا: پھر (لقمہ دینے سے) کس چیز نے منع کر دیا؟''

(سنن أبي داوٗد : 907، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان (2242) اور حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع : 241/4) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ کی معجم کبیر (13216) اور مسند شامیین (771) میں بسندِ ''حسن'' یہ الفاظ بھی آتے ہیں: فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَفْتَحَ عَلَيَّ؟

''مجھے لقمہ دینے سے آپ کو کس چیز نے روکا تھا؟''

ایک روایت یوں آتی ہے: «وَلَا تَفْتَحْ عَلَى الْإِمَامِ» . ''امام کو لقمہ نہ دو۔''

(مسند الإمام أحمد :146/1، ح : 1244)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① ابو اسحاق سبیعی ''مدلس'' ہیں اور بصیغہ ''عن'' روایت کر رہے ہیں۔

② حارث بن عبداللہ اعور جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

❀ عامر بن سعد بجلی تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ قَاعِدًا بِمَكَّةَ، فَإِذَا رَجُلٌ عِنْدَ الْمَقَامِ طَيِّبُ الرِّيحِ يُصَلِّي، وَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ خَلْفَهُ يُلَقِّنُهُ، فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ .

''میں مکہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ایک عمدہ خوشبو والا شخص مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہا تھا۔اس کے پیچھے بیٹھا ہوا ایک شخص اسے لقمہ دے رہا تھا۔یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 212/3، وسندہٗ صحیحٌ)

❀ جلیل القدر تابعی، امام ثابت بنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَنَسٌ إِذَا قَامَ يُصَلِّي، قَامَ خَلْفَهُ غُلَامٌ مَّعَهُ مُصْحَفٌ، فَإِذَا تَعَايَا فِي شَيْءٍ فَتَحَ عَلَيْهِ . ''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو آپ کے پیچھے ایک غلام قرآنِ پاک لے کر کھڑا ہوتا۔ جب آپ کسی آیت میں بھولتے، تو غلام آپ کو لقمہ دے دیتا۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي : 212/3، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال ⑨ : بچوں کی صف کہاں ہونی چاہیے؟

جواب : سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سکھاتا ہوں۔ انہوں نے اپنی قوم کو جو نماز پڑھائی، اس کی صف بندی یوں ہوئی تھی:

فَصَفَّ الرِّجَالَ فِي أَدْنَى الصَّفِّ، وَصَفَّ الْوِلْدَانَ خَلْفَهُمْ، وَصَفَّ النِّسَاءَ خَلْفَ الْوِلْدَانِ . ''انہوں نے مردوں کو سب سے پہلی صف میں کھڑا کیا، بچوں کو ان کے پیچھے اور عورتوں کو بچوں کے پیچھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 343/5، وسندهٗ حسنٌ)

سوال ⑩ : حدیث میں وارد الفاظ «فَبِهَا وَنِعْمَتْ» کا کیا معنی ہے؟

جواب : حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

حَكَى الْأَزْهَرِيُّ أَنَّ قَوْلَهُ : «فَبِهَا وَنِعْمَتْ» مَعْنَاهُ : فَبِالسُّنَّةِ أَخَذَ، وَنِعْمَتِ السُّنَّةُ، قَالَهُ الْأَصْمَعِيُّ، وَحَكَاهُ الْخَطَّابِيُّ أَيْضًا .

''ازہری نے بیان کیا کہ حدیث کے ان الفاظ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس شخص نے سنت پر

عمل کیا اور یہ سنت بہت عمدہ ہے۔اس معنیٰ کو اصمعی نے بیان کیا اور اسے خطابی نے بھی نقل کیا ہے۔'' (التلخیص الحبیر : 67/2، تحت الحدیث : 655)

سوال ⑪ : سیدنا عبداللہ بن مسعود کا قول [أَخِّرُوهُنَّ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ] بلحاظِ سند کیسا ہے؟

جواب : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قول بلحاظِ سند ''ضعیف'' ہے۔

یہ معجم کبیر طبرانی (295/9، ح : 9484، 296/9، ح : 9485) میں ذکر ہوا ہے۔اس کی سند میں (سلیمان بن مہران) اعمش اور (ابراہیم بن یزید) نخعی راوی دونوں ''مدلس'' ہیں اور بصیغہ ''عن'' روایت کر رہے ہیں۔یہ مسلّم اصول ہے کہ ''ثقہ مدلس'' صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ ''عن'' سے روایت کرے تو وہ ''ضعیف'' ہوتی ہے، تاوقتیکہ سماع کی تصریح مل جائے۔

سوال ⑫ : شرعی حدود کا نفاذ کون کرے گا؟

جواب : شرعی حدود کا نفاذ خلیفہ یا مسلمان حکمران کا کام ہے، عوام کو حدود نافذ کرنے کا کوئی حق نہیں۔اگر یہ کام عوام اپنے ہاتھ میں لے لے، تو فساد فی الارض ہے اور اس کے بہت بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

مشہور مفسر، علامہ قرطبی رحمہ اللہ سورۂ نور کی آیت نمبر ② کے تحت لکھتے ہیں :

لَا خِلَافَ أَنَّ الْمُخَاطَبَ بِهٰذَا الْأَمْرِ الْإِمَامُ، وَمَنْ نَابَ مَنَابَهٗ .

''یہ اتفاقی بات ہے کہ اس حکم (شرعی حدود کے نفاذ) کا مخاطب خلیفہ اور اس کے قائم مقام شخص (مسلمان حکمران) ہے۔'' (تفسیر القرطبي : 161/12)

نیز فرماتے ہیں : اِتَّفَقَ أَئِمَّةُ الْفَتْوٰی عَلٰی أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَقْتَصَّ

مِنْ أَحَدٍ حَقَّهُ دُونَ السُّلْطَانِ، وَلَيْسَ لِلنَّاسِ أَنْ يَّقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ .

''تمام مفتیان ائمہ دین اس بات پر متفق ہیں کہ حکمران کو چھوڑ کر از خود کوئی کسی سے اپنا قصاص نہیں لے سکتا۔اسی طرح لوگوں کا ایک دوسرے سے قصاص لینا بھی جائز نہیں۔''

(تفسير القرطبي : 256/2)

مشہور فلسفی،علامہ ابنِ رشد،قرطبی لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَنْ يُّقِيمُ هٰذَا الْحَدَّ، فَاتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ الْإِمَامَ يُقِيمُهُ، وَكَذٰلِكَ الْأَمْرُ فِي سَائِرِ الْحُدُودِ .

''رہا یہ مسئلہ کہ اس (شراب کی) حد کو کون قائم کرے؟تو مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمران ہی اس حد کو نافذ کرسکتا ہے۔باقی شرعی حدود کا بھی یہی معاملہ ہے۔''(بداية المجتهد ونهاية المقتصد : 233/2)

مصلحت کا یہی تقاضا ہے اور انسانیت کا اسی میں دفاع ہے کہ امام یا اس کا نائب ہی حدود اللہ کا نفاذ کرے۔نبی کریم ﷺ حدود کو نافذ فرمایا کرتے تھے،آپ ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدین کا یہی طریقہ رہا ہے۔اس دور میں کسی اور کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں تھی۔

سوال (۱۳) : اگر لڑکا بے نماز ہو،تو اس سے اپنی بیٹی کا رشتہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب : رشتوں کے لین دین میں دین کو بنیاد بنانا چاہیے۔اگر بیٹی صالحہ ہے،تو اس کا شوہر بھی نیک و صالح ہونا ضروری ہے۔دوسرے لفظوں میں دینی حوالے سے مناسبت ضروری ہے۔نماز چھوڑنا کفر ہے۔بے نماز خیر سے محروم ہوتا ہے،لہٰذا اس سے ہرگز اپنی بیٹی کا نکاح نہیں کرنا چاہیے،ورنہ اس کے بُرے نتائج کے منتظر رہیں۔

سوال (۱۴) : بچوں کی شادی کب کرنی چاہیے؟

جواب : اسلامی معاشرے کی اصلاح و فلاح اور مسلمانوں کی خیر و بھلائی اسی میں

ہے کہ اولاد،خواہ بیٹا ہو یا بیٹی،جب بالغ ہو جائے،تو مناسب رشتہ ملتے ہی اس کی شادی کر دی جائے،جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا،رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِگرامی بیان کرتی ہیں :

«تَخَيَّرُوا لِنُطَفِكُمْ، فَأَنْكِحُوا الْأَكْفَاءَ، وَتَزَوَّجُوا إِلَيْهِمْ» .

''تم اپنی اولادوں کے لیے مناسب رشتوں کا انتخاب کرو،مناسب مردوں سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کرواور مناسب عورتوں سے اپنے بیٹوں کی شادی کرو۔''

(النفقة على العيال لابن أبي الدنيا : 130، تاريخ دمشق لابن عساكر : 84/15، وسندهٗ حسنٌ)

مناسبت کس چیز کا نام ہے؟اس بارے میں محدث العصر،ناصر الدین،علامہ البانی رحمہ اللہ (م:1420ھ)فرماتے ہیں :

وَلٰكِنْ يَّجِبُ أَنْ نَّعْلَمَ أَنَّ الْكَفَائَةَ إِنَّمَا هِيَ فِي الدِّينِ وَالْخُلُقِ فَقَطْ .

''یہ جاننا ضروری ہے کہ لڑکی اورلڑکے کی باہمی مناسبت صرف دین اور اخلاق میں ہوتی ہے۔''(سلسلة الأحاديث الصحيحة : 57/3، ح : 1067)

بدقسمتی سے لوگ دنیا کی خاطر آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔انہیں اولاد کی پرواہ نہیں، نوجوان نسل تباہ ہو گئی ہے۔وہ مغربی تہذیب کی دلدادہ بن چکی ہے اور اسلام سے بیگانہ ہے۔اگر بچوں کی بر وقت شادی کر دی جائے،تو ان کو صحت و عافیت والی لمبی عمر نصیب ہو سکتی ہے اور یقیناً دین و دنیا کی بھلائیاں ان کا مقدر بنیں گی۔

سوال ⑮ : حرام خوری کی کیا سزا ہے؟

جواب : اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور مؤمن بندوں کو حلال اور طیب رزق کھانے کا حکم فرمایا ہے۔حرام خوری کبیرہ گناہ ہے۔حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی،نیز حرام خوری کافر قوموں کا شیوہ اور باعث لعنت کام ہے،جیسا کہ :

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

«قَاتَلَ اللّٰهُ اليَهُودَ، إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ» . ''اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام جانوروں کی چربی حرام کی، تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھانا شروع کر دی۔'' (صحيح البخاري: 2236، صحيح مسلم: 1207)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

«يَا كَعْبُ بْنَ عُجْرَةَ ! إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ» . ''اے کعب بن عجرہ! جو گوشت حرام سے پروان چڑھا ہو، یقیناً وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جہنم ہی اس کو زیادہ مناسب ہے۔''

(مسند الإمام أحمد: 321/3، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (4514) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (422/4) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ حدیث سنن ترمذی (614، وسندهٗ حسنٌ) میں ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ ! إِنَّهُ لَا يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ . ''اے کعب بن عجرہ! جو گوشت حرام سے پلا ہو، آگ ہی اس کی مستحق ہوگی۔''

اس حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن'' قرار دیا ہے۔

سوال ⑯: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنا بدعت اور بے اصل عمل ہے، اگرچہ اس کے بارے میں درجِ ذیل سخت ''ضعیف'' اور غیر ثابت روایت بھی وارد ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اپنا دایاں ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ، أَذْهِبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحُزْنَ .

''اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو رحمٰن و رحیم ہے۔اے اللہ! میرے سارے دکھ درد دُور فرما دے۔''

(عمل اليوم والليلة لابن السنّي : 113، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني : 301/2)

یہ جھوٹی سند ہے، کیونکہ اس میں سلام طویل راوی ''متروک'' ہے۔

(تقريب التهذيب لابن حجر: 2702)

دوسرا راوی زید عمی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ . ''یہ راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔''(نتائج الأفكار : 253)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''یہ راوی جمہور محدثین کرام کے فیصلے کے مطابق ضعیف ہے۔''

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد : 110/10)

اس روایت کی ایک اور سند بھی ہے۔(المعجم الأوسط للطبراني :3178، الدعاء للطبراني :658، الكامل لابن عدي : 2085/6-2084، تاريخ بغداد للخطيب : 480/12)

لیکن اس میں کثیر بن سُلَیم،ابوسلمہ،مدینی راوی بھی سخت ''ضعیف'' ہے،اس روایت سے ملتی جلتی ایک روایت تاریخ اسلم واسطی (161 ص) میں یوں آتی ہے:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے،تو اپنا دایاں ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھ کر یوں دعا فرماتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ،

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اللّٰهُمَّ اذْهَبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحُزْنَ.

''اس اللہ کے نام کے ساتھ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو غیب و حاضر کو جاننے والا اور رحمٰن و رحیم ہے۔ اے اللہ! غم اور پریشانی کو مجھ سے دُور فرما دے۔''

اس کی سند بھی سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① عنبسہ بن عبدالواسطی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

② عمرو بن قیس تابعی ہیں اور وہ بلاواسطہ نبی کریم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں، لہٰذا یہ روایت ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے بھی ''ضعیف'' ہے۔

اس روایت جیسی ایک اور روایت امام ابونعیم اصبہانی کی اخبار اصفہان (104/2) میں بھی آتی ہے۔ اس کی سند بھی موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ اس میں داؤد بن محبر راوی ''متروک وکذاب'' ہے۔ نیز عباس بن رزین اسلمی کا بھی کوئی اتا پتا نہیں۔ یوں یہ روایت اپنی جمیع سندوں کے ساتھ سخت ''ضعیف'' ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دُعا کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ دین صحیح حدیثوں کا نام ہے، لہٰذا یہ عمل بدعت ہے۔

سوال ⑰: سینگی لگانے پر اُجرت لینا کیسا ہے؟

جواب: سینگی لگانے پر اجرت لینا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سینگی لگانے کی اُجرت لینے کے بارے میں سوال ہوا، تو انہوں نے فرمایا:

اِحْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ، وَأَعْطَاهُ صَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ، فَوَضَعُوا مِنْ خَرَاجِهِ، وَقَالَ: «إِنَّ أَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ». ''رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی۔ آپ ﷺ کو

ابوطیبہ نے سینگی لگائی تھی۔آپ ﷺ نے اسے اناج کے دو صاع (4200 گرام)عطا فرمائے،نیز اس کے مالکوں سے بات کی،تو انہوں نے ابوطیبہ کے خراج (واجب الادا مال) میں کچھ تخفیف کر دی۔آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی سب سے بہترین علاج ہے۔''

(صحيح البخاري : 2102، صحيح مسلم : 1577)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ لِّبَنِي بَيَاضَةَ، فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْرَهٗ، وَكَلَّمَ سَيِّدَهٗ فَخَفَّفَ عَنْهُ مِنْ ضَرِيبَتِهٖ، وَلَوْ كَانَ سُحْتًا لَّمْ يُعْطِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''نبی کریم ﷺ کو بنو بیاضہ کے ایک غلام نے سینگی لگائی۔آپ ﷺ نے اسے اُجرت عطا فرمائی،نیز اس کے مالک سے بات کی ،تو اس نے غلام کے ٹیکس میں کمی کر دی۔اگر یہ اُجرت حرام ہوتی ،تو نبی اکرم ﷺ اسے ہرگز نہ دیتے۔''(صحيح مسلم : 1202)

ایک روایت میں ہے: وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَّمْ يُعْطِهٖ .

''اگر سینگی لگانے کی اُجرت حرام ہوتی ،تو آپ ﷺ اسے نہ دیتے۔''

(صحيح البخاري : 2103)

سنن ابوداؤد کی روایت (3423) میں الفاظ یہ ہیں :

وَلَوْ عَلِمَهٗ خَبِيثًا لَّمْ يُعْطِهٖ .

''اگر آپ ﷺ اسے حرام سمجھتے ہوتے تو اسے اُجرت عطا نہ فرماتے۔''

تنبیہ ① : سیدنا محیصہ بن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے سینگی لگانے کی اُجرت کے بارے میں پوچھا،تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔وہ بار

بار پوچھتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْلِفْهُ نَاضِحَكَ، أَوْ أَطْعِمْهُ رَقِيقَكَ».

''اس سے اپنے جانور کو چارہ دے یا اپنے غلام کو کھانا کھلا دے۔''

(مسند الحميدي : 902، مسند الإمام أحمد : 43615، سنن أبي داوٗد : 3422، سنن الترمذي : 1277، سنن ابن ماجه : 2166، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' اور امام ابن جارود رحمہ اللہ (583) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَلَوْ كَانَ كَسْبُ الْحَجَّامِ مَنْهِيًّا عَنْهُ، لَمْ يَأْمُرْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِطْعَامَ الْمَرْءِ رَقِيقَهٗ مِنْهُ، إِذَا الرَّقِيقُ مُتَعَبَّدُونَ، وَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَّأْمُرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ بِإِطْعَامِ رَقِيقِهٖ حَرَامًا.

''اگر سینگی لگانے والے کی کمائی ممنوع ہوتی، تو آپ ﷺ اس شخص کو اس کمائی سے اپنے غلاموں کو کھانا کھلانے کا حکم نہ دیتے، کیونکہ غلام بھی مکلّف ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کسی مسلمان کو یہ حکم فرمائیں کہ وہ اپنے غلاموں کو حرام کا مال کھلائے۔''

(صحيح ابن حبّان : 559/1، تحت الحديث : 5154)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرُهُمْ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. ''صحابہ کرام اور دیگر اہل علم میں سے بعض نے سینگی لگانے والے کو اُجرت لینے کی اجازت دی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی فتویٰ ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 1278)

امام اندلس، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

فَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ نَزَّهَهُمْ عَنْ أَكْلِهِ، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَّمْ يَأْمُرْهُمْ أَنْ يُطْعِمُوهُ رَقِيقَهُمْ، لِأَنَّهُمْ مُّتَعَبَّدُونَ فِيهِمْ كَمَا تَعَبَّدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ.

''یہ حدیث بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ سینگی کی کمائی کھانے سے بچنا بہتر ہے۔اگر یہ حرام ہوتی تو آپ ﷺ انہیں یہ حکم نہ دیتے کہ وہ یہ کمائی اپنے غلاموں کو کھلا دیں، کیونکہ وہ جس طرح اپنے بارے میں مکلّف ہیں،اسی طرح غلاموں کے بارے میں مکلّف ہیں۔''(التمهيد لما في المؤطإ من المعاني والأسانيد: 225/2)

تنبیہ ②: سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک غلام خریدا، جو سینگی لگانا جانتا تھا۔انہوں نے اس کی سینگیاں توڑنے کا حکم دیا۔جب اس بارے میں پوچھا گیا،تو فرمایا:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ.

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے۔''

(صحيح البخاري: 2238)

شارح صحیح بخاری، علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (م:449) فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيلِ التَّوَرُّعِ وَالتَّنَزُّهِ.

''انہوں نے یہ کام ورع وتقویٰ کی بنا پر کیا تھا۔''(شرح صحيح البخاري: 220/6)

تنبیہ ③: سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«شَرُّ الْكَسْبِ مَهْرُ الْبَغِيِّ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ، وَكَسْبُ الْحَجَّامِ».

''فاحشہ کی روزی، کتے کی قیمت اور سینگی لگانے والے کی کمائی، بدترین کمائی ہے۔''

(صحيح مسلم: 1568)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: کَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِیثٌ .

''سینگی لگانے والے کی کمائی خبیث (گھٹیا) ہوتی ہے۔'' (صحیح مسلم: 1568)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مِنَ السُّحْتِ کَسْبُ الْحَجَّامِ، وَثَمَنُ الْکَلْبِ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ» .

''سینگی لگانے والے کی کمائی گھٹیا، کتے کی قیمت اور فاحشہ کی روزی حرام ہے۔''

(مستخرج أبي عوانة: 5288، شرح مشکل الآثار: 81/12، ح: 4661، وسندهٗ صحیحٌ)

اکثر اہلِ علم کے مطابق سینگی کے بارے میں یہ بیان کراہتِ تنزیہی پر محمول ہے، کیونکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوانے کی اُجرت ادا کی اور صحابی سے فرمایا کہ یہ کمائی اپنے غلاموں کو کھلا دو یا اس سے اپنے جانوروں کو چارہ ڈال دو۔ رہی کتے کی قیمت اور زانیہ کی روزی، تو یہ دونوں حرام ہیں۔ اگرچہ ان سب چیزوں کا ایک دوسرے پر عطف ڈالا گیا ہے، لیکن امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں: قَدْ یُعْطَفُ الشَّيْءُ عَلَی الشَّيْءِ وَحُکْمُهٗ مُخْتَلِفٌ . ''کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز کا دوسری پر عطف کیا جاتا ہے، لیکن دونوں کا حکم مختلف ہوتا ہے۔'' (التمهید: 227/2)

امام، سلیمان بن طرخان، تیمی، تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِعِکْرِمَةَ: لِمَ کُرِهَ کَسْبُ الْحَجَّامِ؟ قَالَ: لَا یُکْرَهُ .

''میں نے امام عکرمہ تابعی رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ سینگی لگانے والے کی کمائی کیوں مکروہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: مکروہ نہیں ہے۔'' (مصنّف ابن أبي شیبة: 263/6، وسندهٗ صحیحٌ)

کوفہ میں سینگی لگانے والے زید، ابو اسامہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ سَالِمًا (ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ) وَالْقَاسِمَ (بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي

بَكْرٍ الصِّدِّيقِ) فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ، فَلَمْ يَرَيَا بِهِ بَأْسًا .

''میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے امام سالم رحمہ اللہ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام قاسم رحمہ اللہ سے سینگی لگانے والے کی کمائی کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا۔'' (مصنّف ابن أبي شيبة : 263/6، 264، وسندهٗ صحيحٌ)

الحاصل پچھنا یا سینگی لگانا اور اس پر اُجرت لینا دینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال ⑱ : کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوبارہ زندہ کیا گیا تھا؟

جواب : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت نہیں۔ اس کے متعلق ایک جھوٹی روایت پیش کی جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ إِلَى الْحَجُونِ كَئِيبًا حَزِينًا، فَأَقَامَ بِهِ مَا شَاءَ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ رَجَعَ مَسْرُورًا، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَزَلْتَ إِلَى الْحَجُونِ كَئِيبًا حَزِينًا، فَأَقَمْتَ بِهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ رَجَعْتَ مَسْرُورًا، قَالَ : «سَأَلْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، فَأَحْيَا لِي أُمِّي، فَآمَنَتْ بِي، ثُمَّ رَدَّهَا» .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غم اور پریشانی کی حالت میں مقامِ حجون کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں جتنی دیر اللہ نے چاہا، قیام فرمایا، پھر خوش وخرم واپس پلٹے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا معاملہ ہے کہ آپ مقامِ حجون کی طرف غم و پریشانی کی حالت میں تشریف لے گئے تھے، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا آپ نے قیام فرمایا، پھر آپ خوش وخرم لوٹ آئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے ربّ سے دُعا کی۔ اس نے میرے لیے میری والدہ کو زندہ کر دیا، وہ مجھ پر ایمان لے آئیں، پھر اللہ نے انہیں فوت

کر دیا۔''(ناسخ الحدیث ومنسوخه لابن شاهین : 656، السابق واللاحق للخطیب :283/1، 284، الموضوعات لابن الجوزي : 283/1، اللآلي المصنوعة في الأحادیث الموضوعة للسیوطي :244/1، الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر للجورقاني : 207)

یہ روایت جھوٹی ہے، کیونکہ :

① اس کے مرکزی راوی ابوغزیہ، محمد بن یحییٰ، زہری کے بارے میں ؛

ا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : يَضَعُ .

''یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔''(الضعفاء والمتروکون : 482)

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَالْمُتَّهَمُ بِهٖ هُوَ .

''اس حدیث کو اسی نے گھڑا ہے۔''(لسان المیزان : 91/4)

اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

② اس کے ایک راوی محمد بن حسن بن زیاد، ابوبکر، نقاش کے بارے میں :

ا۔ حافظ ابوبکر برقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : كُلُّ حَدِيثِهٖ مُنْكَرٌ .

''اس کی بیان کردہ ساری حدیثیں منکر ہیں۔''(تاریخ بغداد للخطیب : 205/2)

۲۔ خود خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَفِي أَحَادِيثِهٖ مَنَاكِيرُ بِأَسَانِيدَ مَشْهُورَةٍ . ''اس کی بیان کردہ احادیث مشہور سندوں کے ساتھ منکر روایات ہیں۔''
(تاریخ بغداد : 202/2)

۳۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اَلَّذِي وَضَحَ لِي أَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مَعَ جَلَالَتِهٖ وَنُبْلِهٖ مَتْرُوكٌ، لَيْسَ بِثِقَةٍ .

''جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنی جلالت و شوکت کے باوجود

متروک ہے، ثقہ نہیں۔'' (تاریخ الإسلام: 36/8، بتحقیق الدکتور بشّار)

✳ حافظ، مقری، ابو عمرو، عثمان بن سعید بن عثمان، دانی رحمہ اللہ (م: 444ھ) کا اُس کی شہادت کو مقبول قرار دینا صحیح نہیں۔

❁ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی سند میں ابو العلاء، محمد بن علی، قاضی کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال: 654/3)

اس سند کے دوسرے راوی ابو طالب، عمر بن ربیع، خشاب کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں: إِنَّهٗ كَذَّابٌ. ''یہ کذاب ہے۔'' (میزان الاعتدال: 196/3)

اس سند کے تیسرے راوی علی بن احمد، کعبی [ابو القاسم، علی بن ایوب، کعبی] کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بَصَرِيٌّ مُتَّهَمٌ.

''یہ بصرہ کا رہنے والا راوی ہے، اس پر حدیث گھڑنے کا الزام ہے۔''

(لسان المیزان: 192/4)

اس کا چوتھا راوی احمد بن یحییٰ ''مجہول'' ہے۔

یوں یہ روایت من گھڑت اور خود ساختہ ہے۔

اب اس روایت کے بارے میں ائمہ دین اور محدثین کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمائیں:

① اس روایت کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''منکر و باطل'' قرار دیا ہے۔

(لسان المیزان لابن حجر: 91/4)

② حافظ ابن الجوزی اپنے استاذ ابو فضل ناصر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ. ''یہ حدیث من گھڑت ہے۔'' (الموضوعات: 284/1)

③ خود حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ بِلَا شَكٍّ، وَالَّذِي وَضَعَهٗ قَلِيلُ الْفَهْمِ، عَدِيمُ

الْعِلْمِ، إِذْ لَوْ كَانَ لَهٗ عِلْمٌ لَّعَلِمَ أَنَّ مَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّا يَنْفَعُهٗ أَنْ يُّؤْمِنَ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، لَا بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، وَيَكْفِي فِي رَدِّ هٰذَا الْحَدِيثِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾، وَقَوْلُهٗ فِي الصَّحِيحِ : اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأَبِي، فَلَمْ يَأْذَنْ.

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔جس شخص نے اسے گھڑا ہے، وہ کم عقل اور علم سے کورا تھا۔اگر اس کے پاس علم ہوتا، تو اسے ضرور معلوم ہوتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، اس کو دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کے بعد ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے، تو اس کے لیے مفید نہیں۔اس من گھڑت حدیث کے ردّ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے : ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ (البقرة 2 : 217)(جو کفر کی حالت میں مر جائیں[وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں])۔اسی طرح صحیح مسلم(976)میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے : میں نے اپنے ربّ سے اپنے والد کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی۔''

(الموضوعات :284/1)

④ حافظ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بِسَنَدٍ فِيهِ مَجْهُولُونَ.

''یہ ایسی سند سے مروی ہے، جس میں کئی مجہول راوی موجود ہیں۔''

(الروض الأنف : 187/2)

⑤ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ.

''یہ منکر حدیث ہے۔''(لسان المیزان لابن حجر : 305/4)

⑥ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فَإِنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ كَذِبٌ،

لِمَا صَحَّ مِنْ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا، فَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ (صحيح مسلم : 976). ''یہ جھوٹی حدیث ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی، تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی[صحيح مسلم : 976]۔''(ميزان الاعتدال : 684/2)

⑦ حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(الحاوي للفتاوي : 230/2)

نیز لکھا ہے: هٰذَا الْحَدِيثَ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ.

''اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''(أيضًا)

فائدہ مہمہ : حافظ ابن دحیہ کلبی (544-633ھ) کہتے ہیں :

إِنَّ الْحَدِيثَ فِي إِيمَانِ أُمِّهِ وَأَبِيهِ مَوْضُوعٌ، يَرُدُّهُ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ وَالْإِجْمَاعُ، قَالَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ : ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (النساء 4 : 18)، فَمَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّمْ يَنْفَعُهُ الْإِيمَانُ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، فَكَيْفَ بَعْدَ الْإِعَادَةِ ؟

''رسول اللہ ﷺ کے والدین کے (دوبارہ زندہ ہوکر) ایمان لانے والی روایت من گھڑت ہے۔قرآنِ کریم اور اجماعِ امت اس کا ردّ کرتے ہیں۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (النساء 4 : 18) (اور[ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی] جو کفر کی حالت میں فوت ہوتے ہیں)۔چنانچہ جو بھی شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے،اسے مرنے کے بعد لوٹائے جانے پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے بعد ایمان لائے،تو بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں،چہ جائیکہ دوبارہ زندہ ہوکر ایمان لایا جائے۔''(التذكرة بأحوال الموتٰى وأمور الآخرة للقرطبي،ص : 140)

حافظ ابن دحیہ کا ردّ کرتے ہوئے علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

لَيْسَ إِحْيَاءُ هُمَا وَإِيمَانُهُمَا بِمُمْتَنِعٍ عَقْلًا وَّشَرْعًا .

''ان کا دوبارہ زندہ ہوکر ایمان لانا عقلی اور شرعی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے۔''

(التذکرۃ، ص: 141)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے سنّی مفسر، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا كُلُّهُ مُتَوَقِّفٌ عَلٰى صِحَّةِ الْحَدِيثِ، فَإِذَا صَحَّ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ .

''یہ ساری بحث تو حدیث کی صحت پر موقوف ہے۔اگر اس بارے میں مروی حدیث صحیح ثابت ہو جائے، تو پھر واقعی یہ ممکن ہوگا (لیکن یہ روایت ہی من گھڑت ہے)۔''

(تفسیر ابن کثیر: 4/195)

الحاصل یہ جھوٹی روایت ہے، نیز قرآنِ کریم، صحیح احادیث اور اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے والدین کا دوبارہ زندہ ہونا قطعاً ثابت نہیں۔

سوال ⑱ : کیا حائضہ عورت قرآنِ کریم کی تلاوت سن سکتی ہے؟

جواب : جی ہاں! سن سکتی ہے، البتہ خود تلاوت نہیں کرسکتی۔

سوال ⑲ : کیا فتح مکہ کے موقع پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کعبہ کی چھت پر اذان کہنا ثابت ہے؟

جواب : فتح مکہ کے موقع پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کعبہ کی چھت پر اذان کہنا ثابت نہیں۔اس بارے میں مروی روایات کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں :

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے کہ:

أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا، يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَأَذَّنَ عَلَى

الْكَعْبَةِ . ''رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، تو انہوں نے کعبہ کے اوپر اذان کہی۔''(اتّحاف المهرة لابن حجر : 4606)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت ہے، اس کو یحییٰ بن ہاشم، سمسار، کوفی راوی نے گھڑا ہے۔ یہ ''کذاب'' اور ''وضاع'' ہے۔

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت ہے کہ:

أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا، فَرَقِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ، فَأَذَّنَ بِالصَّلَاةِ . ''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، تو انہوں نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر نماز کے لیے اذان کہی۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 405/7، ح : 36919، أخبار مكّة للفاكهي : 185)

تبصرہ : اس کی سند موسیٰ بن عُبَیدہ راوی کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ یہ راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

③ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت یوں ہے:

وَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا، فَأَذَّنَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَوْقَ الْكَعْبَةِ . ''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، تو انہوں نے فتح مکہ والے دن کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔''(جامع معمر بن راشد : 19464)

تبصرہ : ابو قلابہ تابعی رحمہ اللہ کی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملاقات تک نہیں ہوئی۔ یوں یہ روایت ''منقطع'' ہے۔

یہی روایت أحاديث إسماعيل بن جعفر (ح : 477 مختصراً) میں بیان ہوئی، تو اس میں ابوقلابہ نے نُبِّئْتُ (مجھے خبر دی گئی) کا لفظ بولا ہے۔ خبر دینے والا کون تھا؟ کچھ معلوم نہیں۔

④ ایک روایت یہ ہے:

جَاءَتِ الظُّهْرُ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا أَنْ يُؤَذِّنَ بِالظُّهْرِ، فَوْقَ ظَهْرِ الْكَعْبَةِ.

''فتح مکہ والے دن جب ظہر کا وقت ہوا،تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر ظہر کی نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم فرمایا۔''(أخبار مكّة للأزرقي، ص :274/1)

تبصرہ: یہ سخت ترین''ضعیف'' روایت ہے۔ایک تو محمد بن عمر واقدی جمہور محدثین کرام کے نزدیک''ضعیف'' اور''متروک''راوی ہے۔دوسرے یہ کہ اس کے ''اشیاخ''نامعلوم ہیں۔

⑤ جویریہ بن اسماء ضبعی کا بیان ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِهِنْدٍ يَّوْمَ الْفَتْحِ : «كَيْفَ تَرَيْنَ الْإِسْلَامَ ؟» قَالَتْ : بِأَبِي وَأُمِّي، مَا أَحْسَنَهٗ لَوْلَا ثَلَاثُ خِصَالٍ ؛ التَّجْبِيَةُ، وَالْخِمَارُ، وَزَقْوُ هٰذَا الْعَبْدِ الْأَسْوَدِ فَوْقَ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ : «أَمَّا قَوْلُكِ : التَّجْبِيَةُ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا بِرُكُوعٍ، وَأَمَّا زَقْوُ هٰذَا الْعَبْدِ الْأَسْوَدِ فَوْقَ الْكَعْبَةِ، فَنِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ هُوَ، وَأَمَّا الْخِمَارُ، فَأَيُّ شَيْءٍ أَسْتَرُ مِنَ الْخِمَارِ».

''نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ والے دن (سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی)سیدہ ہند رضی اللہ عنہا سے پوچھا: بتاؤ کہ اسلام کو کیسا پایا؟وہ کہنے لگیں: میرے ماں باپ آپ پر قربان!بہت اچھا پایا،لیکن یہ تین باتیں نہ ہوتیں تو اور اچھا ہوتا؛ (رکوع میں) گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا عمل ،دوپٹہ اور کعبے کی چھت پر اس سیاہ غلام کا چیخنا(اذان کہنا)۔آپ ﷺ نے فرمایا: گھٹنوں پر

ہاتھ رکھنا تو اس لیے ضروری ہے کہ رکوع کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔رہی بات اس غلام کی کعبے کی چھت پر چڑھنے کی، تو یہ اللہ کا بندہ بہت اچھا ہے اور دوپٹے سے زیادہ پردے والی کون سی چیز ہے؟''(تاریخ دمشق لابن عساکر : 182/70، 183)

تبصرہ : اس کی سند''ضعیف''ہے، کیونکہ جویریہ بن اسماء تبع تابعی ہیں اور بلاواسطہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کر رہے ہیں۔یوں یہ روایت''معضل''، یعنی سخت منقطع ہے۔

⑥ ابن ابوملیکہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا، يَوْمَ الْفَتْحِ، فَأَذَّنَ فَوْقَ الْكَعْبَةِ . ''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن حکم فرمایا، تو انہوں نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔''(الطبقات الکبرٰی لابن سعد : 177/3، دلائل النبوّة للبیهقي : 79/5، تاریخ دمشق لابن عساکر : 466/10)

تبصرہ : اس کی سند''مرسل''ہونے کی بنا پر''ضعیف''ہے۔تابعی بلاواسطہ رسولِ اکرم ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔

⑦ عروہ بن زبیر تابعی رحمہ اللہ سے منسوب روایت ہے کہ:

إِنَّ بِلَالًا أَذَّنَ، يَوْمَ الْفَتْحِ، فَوْقَ الْكَعْبَةِ .

''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔''

(مصنّف ابن أبي شیبة : 407/7، ح : 36926)

تبصرہ : اس قول کی سند ابوخالد احمر کی''تدلیس''کی وجہ سے''ضعیف''ہے، نیز عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے سماع ولقاء کا مسئلہ بھی ہے۔

⑧ سعید بن مسیّب تابعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ، فَلَمْ يَزَلْ فِيهَا، حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَقَالَ: «يَا بِلَالُ! قُمْ، فَأَذِّنْ فَوْقَ الْكَعْبَةِ بِالصَّلَاةِ».

''رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے، تو ظہر کے وقت تک اس میں رہے۔ پھر فرمایا: بلال! کھڑے ہو جائیے اور کعبہ کی چھت پر نماز کے لیے اذان کہیے۔''

(المغازي للواقدي: 737/2، دلائل النبوّة للبيهقي: 328/4)

تبصرہ: اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ محمد بن عمر واقدی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔ نیز سعید بن مسیّب تابعی رحمہ اللہ بلاواسطہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، یوں یہ روایت ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے بھی ''ضعیف'' ہے۔

⑨ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بعض لوگ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ، أَمَرَ بِلَالًا، فَعَلَا عَلَى الْكَعْبَةِ عَلٰى ظَهْرِهَا، فَأَذَّنَ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهَا.

''رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور نماز کے لیے اذان کہی۔''(السيرة النبويّة لابن كثير: 575/3)

تبصرہ: اس روایت کو بیان کرنے والے بعض آلِ جبیر بن مطعم نامعلوم اور ''مجہول'' لوگ ہیں۔ نامعلوم لوگوں کی بیان کردہ باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

امام ابو حاتم، محمد، ابن حبان رحمہ اللہ (م: 354ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے:

وَالِاعْتِبَارُ بِالْآثَارِ بِرِوَايَةِ الْعُدُولِ وَالثِّقَاتِ، دُونَ الضُّعَفَاءِ وَالْمَجَاهِيلِ.

''ان آثار کا اعتبار کیا جائے گا، جو عادل اور ثقہ راویوں کے بیان کردہ ہوں۔ کمزور اور

مجہول راویوں کی بیان کردہ روایات کا کوئی اعتبار نہیں۔''(الثقات : 278/8)

⑩ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ:

فَرَقِيَ بِلَالٌ عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ . ''بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے۔''

(أخبار مكّة للفاكهي، ص : 186)

تبصرہ : یہ سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① محمد بن عبدالعزیز بن عمر زہری راوی ''ضعیف، متروک، منکرالحدیث'' ہے۔

② احمد بن محمد بن عبدالعزیز ''مجہول'' ہے۔

③ ابن شہاب زہری ''مدلس'' ہیں۔

④ امام فاکہی رحمہ اللہ کے استاذ عبداللہ بن ابوسلمہ کی توثیق نہیں مل سکی۔

الحاصل اس مفہوم کی ساری روایات ''ضعیف'' ہیں۔سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا کعبہ کی چھت پر اذان کہنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

سوال ⑳ : کیا نمازِ جمعہ کے لیے چالیس یا پچاس افراد ضروری ہیں؟

جواب : نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے چالیس یا پچاس افراد ضروری نہیں، جن روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے، ان کا تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

① سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْجُمُعَةُ عَلَى الْخَمْسِينَ رَجُلًا، وَلَيْسَ عَلٰى دُونَ الْخَمْسِينَ جُمُعَةٌ» .

''نمازِ جمعہ پچاس افراد پر فرض ہوتا ہے، پچاس سے کم افراد پر جمعہ فرض نہیں۔''

(سنن الدارقطني : 1580، الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 135/2، 136، ت : 335، المعجم الكبير للطبراني : 244/8)

تبصرہ: یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی جعفر بن زبیر سخت ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ . ''یہ متروک راوی ہے۔''(سنن الدارقطني : 1580)

② سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت یوں ہے:

عَلَى الْخَمْسِينَ جُمُعَةٌ . ''(کم از کم) پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے۔''

(سنن الدارقطني : 1581)

اس روایت کو بیان کرنے والا بھی وہی جعفر بن زبیر ہے، جس کا حال پچھلی روایت کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثٌ فِي الْخَمْسِينَ، لَا يَصِحُّ إِسْنَادُهُ . ''اس بارے میں پچاس آدمیوں والی ایک حدیث مروی ہے۔اس کی سند صحیح نہیں۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي : 179/3)

③ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ:

مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ فِي كُلِّ ثَلَاثَةٍ إِمَامًا، أَوْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ جُمُعَةً، وَأَضْحٰى وَفِطْرًا، وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ جَمَاعَةٌ .

''یہ سنت رائج رہی ہے کہ تین آدمیوں میں ایک امام ہوتا ہے یا ہر چالیس اور اس سے زیادہ لوگوں پر جمعہ وعیدین مشروع ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ (کم از کم) اتنے لوگ ہی جماعت کہلاتے ہیں۔''(سنن الدارقطني : 1579، السنن الكبرٰى للبيهقي : 177/3)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عبد العزیز بن عبد الرحمن قریشی راوی غیر ثقہ اور غیر معتبر ہے۔اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِضْرَبْ عَلٰی أَحَادِيثِهٖ، هِيَ كَذِبٌ، أَوْ قَالَ : مَوْضُوعَةٌ .

''اس کی بیان کردہ احادیث کو چھوڑ دو۔وہ جھوٹی ہیں[یا فرمایا]،وہ من گھڑت ہیں۔''

(العلل برواية عبد اللّٰه بن أحمد : 5419)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الضعفاء والمتروكون (350) میں ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ . ''یہ ضعیف راوی ہے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 177/3)

نیز فرماتے ہیں: وَهٰذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ، لَا يَنْبَغِي أَنْ يُّحْتَجَّ بِهٖ .

''یہ حدیث ضعیف ہے۔اسے دلیل بنانا جائز نہیں۔''(معرفة السنن والآثار : 468/2)

④ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک جھوٹی روایت ہے کہ:

إِذَا بَلَغَ أَرْبَعِينَ رَجُلًا، فَعَلَيْهِمُ الْجُمُعَةُ .

''جب تعداد چالیس مردوں تک پہنچ جائے،تو ان پر جمعہ فرض ہو جاتا ہے۔''

(التلخيص الحبير : 623)

تبصرہ : اس کو ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا أَصْلَ لَهٗ . ''یہ بے سروپا روایت ہے۔''(أيضًا)

⑤ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت میں ہے:

لَا جُمُعَةَ إِلَّا بِأَرْبَعِينَ . ''چالیس سے کم افراد پر جمعہ نہیں ہے۔''

(التلخيص الحبير : 624)

اس کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بے سند روایت ہے۔

فائدہ ① : نبی اکرم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل سیدنا اسعد بن

زُرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے نواحی علاقے میں جمعہ پڑھایا، وہ چالیس لوگ تھے۔

(سنن أبي داؤد : 1069، سنن ابن ماجه : 1082، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود (291)، امام ابن خزیمہ (1724) اور امام ابن حبان (7013) رحمہم اللہ نے "صحیح" قرار دیا ہے، جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ (281/1) نے اسے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر "صحیح" کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ.

"اس کی سند حسن ہے۔" (التلخيص الحبير : 625)

اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ چالیس سے کم افراد جمعہ ادا نہیں کر سکتے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ (أيضًا)

فائدہ ②: ام عبداللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْجُمُعَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ قَرْيَةٍ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهَا إِلَّا أَرْبَعَةٌ».

"جمعہ کی ادائیگی ہر بستی پر فرض ہے، اگرچہ اس میں چار ہی آدمی ہوں۔"

(سنن الدارقطني : 1592، السنن الكبرٰى للبيهقي : 179/3، مجمع الزوائد : 841/2)

اس روایت کی سند "ضعیف" ہے، کیونکہ:

① معاویہ بن یحییٰ مدنی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک "ضعیف" ہے۔

② معاویہ بن سعید تجیبی کی سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے کسی نے توثیق نہیں کی، لہٰذا "مجہول الحال" ہے۔

اس کی متابعت سنن دارقطنی (1593) میں ولید بن محمد موقری نے کی ہے۔ اس حدیث کو درج کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ولید "متروک" راوی ہے۔

فائدہ ③ : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول منسوب ہے :

أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْمَدِينَةَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِهَا يَوْمَ جُمُعِهِمْ، قَبْلَ أَنْ يَّقْدَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلّٰى بِهِمْ .

''سب سے پہلے جو مہاجرین مدینہ منورہ میں تشریف لائے، ان میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہی وہ پہلے شخص تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل جمعہ کے دن وہاں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 267/2، ح : 733، المعجم الأوسط للطبراني : 6294)

یہ روایت بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① صالح بن ابو الاخضر راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں : وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : 150/2)

حافظ بوصیری لکھتے ہیں : لَيَّنَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین کرام نے کمزور قرار دیا ہے۔'' (مصباح الزجاجة : 395)

② اس کی سند میں امام زہری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔

اس حدیث سے بھی کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمعہ کے لیے افراد کی کوئی تعداد معین ہو، جس سے کم افراد جمعہ ادا نہ کر سکتے ہوں۔

اس سلسلے میں تمام اختلاف کرنے والوں کے سارے دلائل کو دیکھ کر حتمی فیصلہ کرتے ہوئے علامہ، محمد بن علی، شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250 ھ) فرماتے ہیں :

وَلَيْسَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْهَا دَلِيلٌ يُّسْتَدَلُّ بِهٖ قَطُّ، إِلَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ : إِنَّهَا

تَنْعَقِدُ جَمَاعَةُ الْجُمُعَةِ بِمَا تَنْعَقِدُ بِهٖ سَائِرُ الْجَمَاعَاتِ .

''ان میں سے کسی بھی موقف پر کوئی قابل استدلال دلیل نہیں،البتہ یہ موقف دلائل سے مزین ہے کہ نمازِ جمعہ کی جماعت اتنے افراد کی موجودگی میں ہو جائے گی، جتنے افراد کی موجودگی میں باقی نمازوں کی جماعت ہو جاتی ہے۔(السیل الجرار، ص : 182)

علامہ،ابوعبدالرحمٰن،محمد ناصرالدین،البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) فرماتے ہیں :

هٰذَا هُوَ الصَّوَابُ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی .

''یہی بات درست ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ!''(سلسلة الأحاديث الضعيفة : 1204)

سوال ⑳ : قرآنِ مجید کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

جواب : جائزنہیں، کیونکہ قرآن و حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ سلف صالحین میں سے بھی کسی سے یہ عمل منقول نہیں،جیسا کہ شیخ الاسلام،ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْقِيَامُ لِلْمُصْحَفِ وَتَقْبِيلُهٗ؛ لَا نَعْلَمُ فِيهِ شَيْئًا مَّأْثُورًا عَنِ السَّلَفِ .

''قرآنِ کریم کے لیے قیام اور اس کو چومنے کے بارے میں سلف سے منقول کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں۔''(الفتاوی الکبرٰی :49/1، مجموع الفتاوٰی : 65/23)

بعض لوگ حجر اسود کے بوسے پر قرآنِ مجید کے بوسے کو قیاس کرتے ہیں،لیکن ان کا یہ قیاس فاسد ہے، کیونکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ .

''اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا،تو کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔''(صحيح البخاري : 1610، صحيح مسلم : 1270)

ثابت ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بوسہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں دیا تھا، نیز یہ بھی

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی تعظیمی عمل کو سرانجام نہ دینا یا اس کی تعلیم نہ دینا اس کے غیر شرعی اور ناجائز ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔

علامہ، ابو ولید، سلیمان بن خلف، باجی رحمہ اللہ (403-474ھ) لکھتے ہیں :

وَقَوْلُهُ : وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُك مَا قَبَّلْتُكَ، تَبْيِينٌ بِأَنَّ تَقْبِيلَهُ وَتَعْظِيمَهُ لَيْسَ لِذَاتِهِ، وَلَا لِمَعْنًى فِيهِ، وَإِنَّمَا هُوَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرَعَ ذٰلِكَ طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى .

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ (اے حجر اسود!) اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا، واضح کرتا ہے کہ حجر اسود کا بوسہ اور اس کی تعظیم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے نہیں کی تھی، نہ ہی حجر اسود میں کوئی ذاتی کمال تھا، بلکہ یہ اس لیے کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مشروع کیا تھا۔''

(المنتقٰی شرح المؤطإ : 287/2)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حجر اسود کو بوسہ دینے والی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں :

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَكَبَّ عَلَى الرُّكْنِ، فَقَالَ : إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، وَلَوْ لَمْ أَرَ حِبِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَكَ وَاسْتَلَمَكَ، مَا اسْتَلَمْتُكَ وَلَا قَبَّلْتُكَ، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود پر جھکے اور فرمایا : میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، اگر میں نے اپنے محبوب ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے اور چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں بھی تجھے نہ بوسہ دیتا نہ چومتا۔ تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ اسوۂ حسنہ ہیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 21/1، وسندهٗ حسنٌ)

نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی یا تابعی سے حجر اسود کے علاوہ کسی بھی چیز کو تعظیماً بوسہ دینا قطعاً ثابت نہیں۔قرآنِ کریم کو حجر اسود پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔اگر یہ قیاس جائز ہوتا، تو اسلافِ امت اور محدثین کرام ایسا ضرور کرتے۔

صحابیٔ رسول، سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

طُفْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَلَمَّا كُنْتُ عِنْدَ الرُّكْنِ الَّذِي يَلِي الْبَابَ مِمَّا يَلِي الْحَجَرَ، أَخَذْتُ بِيَدِهِ لِيَسْتَلِمَ، فَقَالَ : أَمَا طُفْتَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قُلْتُ : بَلٰى، قَالَ : فَهَلْ رَأَيْتَهُ يَسْتَلِمُهُ ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : فَانْفُذْ عَنْكَ، فَإِنَّ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةً حَسَنَةً .

''میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔جب میں دروازے کے پاس حجراسود کے ساتھ والے کونے تک پہنچا، تو میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ وہ اس کونے کو بوسہ دیں۔وہ فرمانے لگے : کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طواف کیا ہے؟ میں نے عرض کیا : جی ہاں، تو انہوں نے فرمایا : کیا آپ ﷺ کو اس کونے کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے؟ میں نے کہا : نہیں۔اس پر انہوں نے فرمایا : اسے چھوڑو، تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں اسوۂ حسنہ ہے۔''(مسند الإمام أحمد : 253، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

إِنَّهٗ طَافَ مَعَ مُعَاوِيَةَ بِالْبَيْتِ، فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ : لِمَ تَسْتَلِمُ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ ؟ وَلَمْ يَكُنْ رَّسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : لَيْسَ شَيْءٌ مِّنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : صَدَقْتَ .

''انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سارے کونوں کو چومنے لگے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: آپ ان دونوں کونوں کو کیوں چوم رہے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں نہیں چوما کرتے تھے۔اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیت اللہ کی کوئی چیز بھی چھوڑنے والی نہیں۔یہ سن کر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہی اسوۂ حسنہ ہے۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: آپ نے سچ فرمایا ہے۔''(مسند الإمام أحمد 217/1، وسندهٗ حسنٌ)

ثابت ہوا کہ حجر اسود پر کسی چیز کو قیاس کرتے ہوئے اسے تعظیماً بوسہ دینا جائز نہیں۔ صرف انہی چیزوں کو بطورِ تعظیم چوما جا سکتا ہے، جن کی مشروعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

شیخ الاسلام، ابوالعباس، احمد بن عبدالحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَكُلُّ مَنْ أَلْحَقَ مَنْصُوصًا بِمَنْصُوصٍ يُّخَالِفُ حُكْمُهٗ، فَقِيَاسُهٗ فَاسِدٌ، وَكُلُّ مَنْ سَوّٰى بَيْنَ شَيْئَيْنِ، أَوْ فَرَّقَ بِغَيْرِ الْأَوْصَافِ الْمُعْتَبَرَةِ فِي حُكْمِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ، فَقِيَاسُهٗ فَاسِدٌ.

''جس نے بھی ایک منصوص چیز کو دوسری ایسی منصوص چیز کے ساتھ ملا دیا، جس کا حکم مختلف تھا، اس کا قیاس فاسد ہے۔اسی طرح جس نے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں بیان کردہ اوصاف کو مدنظر رکھے بغیر دو مختلف چیزوں کا حکم ایک کر دیا یا دو ایک حکم والی چیزوں کا حکم مختلف کر دیا، اس کا قیاس بھی فاسد ہے۔''(مجموع الفتاوٰی: 287/9، 288)

علامہ، ابوعبداللہ، محمد بن محمد بن محمد، ابن الحاج، مالکی رحمہ اللہ (م: 737ھ) لکھتے ہیں:

وَلِأَجْلِ ذٰلِكَ كَرِهَ عُلَمَاؤُنَا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمُ التَّمَسُّحَ بِجِدَارِ الْكَعْبَةِ، أَوْ بِجُدْرَانِ الْمَسْجِدِ، أَوْ بِالْمُصْحَفِ، إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يُتَبَرَّكُ بِهٖ، سَدًّا

لِّهٰذَا الْبَابِ، وَلِمُخَالِفَةِ السُّنَّةِ، لِأَنَّ صِفَةَ التَّعْظِيمِ مَوْقُوفَةٌ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكُلُّ مَا عَظَّمَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُعَظِّمُهُ وَنَتَّبِعُهُ فِيهِ، فَتَعْظِيمُ الْمُصْحَفِ قِرَائَتُهُ، وَالْعَمَلُ بِمَا فِيهِ، لَا تَقْبِيلُهُ وَلَا الْقِيَامُ إِلَيْهِ، كَمَا يَفْعَلُ بَعْضُهُمْ فِي هٰذَا الزَّمَانِ، وَكَذٰلِكَ الْمَسْجِدُ تَعْظِيمُهُ الصَّلَاةُ فِيهِ، لَا التَّمَسُّحُ بِجُدْرَانِهِ.

''اسی لیے ہمارے علماءِ کرام رحمہم اللہ نے کعبہ کی دیوار، مسجد کی دیواروں یا مصحف کے ساتھ اپنا جسم لگانے اور اس طرح کے دیگر کاموں کو مکروہ قرار دیا ہے، جو تبرک کی نیت سے کیے جاتے ہیں۔اس کا مقصد جہاں اس (غیر شرعی تبرک کے) دروازے کو بند کرنا ہے، وہاں سنت کی مخالفت (سے بچنا) بھی ہے، کیونکہ تعظیم کا طریقہ رسول اللہ ﷺ پر موقوف ہے۔ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے (جس طرح) قابل تعظیم قرار دیا ہے، ہم بھی آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق اس کی تعظیم کریں گے۔مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی (شرعی) تعظیم اس کی تلاوت اور اس کے احکامات پر عمل کرنے سے ہوگی، نہ کہ اس کے لیے قیام کر کے اور اس کو چوم کر، جیسا کہ موجودہ دَور کے بعض لوگ کرتے ہیں۔اسی طرح مسجد کی (شرعی) تعظیم اس میں نماز پڑھنا ہے، نہ کہ اس کی دیواروں کے ساتھ اپنا جسم رگڑنا۔'' (المدخل :263/1)

بعض لوگ قرآنِ مجید کو بوسہ دینا سیدنا عمر، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما، سیدنا عمر بن عبد العزیز اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن ایسا ہرگز ثابت نہیں، مدعی پر دلیل لازم ہے۔

باقی صحابیِ رسول سیدنا عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ کے متعلق مسند دارمی میں جو روایت آتی ہے، وہ ''منقطع'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ابن ابو ملیکہ کی سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے

ملاقات نہیں ہوئی۔دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں بوسے کا ذکر نہیں، بلکہ قرآنِ کریم کو چہرے پر رکھنے کا ذکر ہے۔

الحاصل قرآنِ کریم کو بوسہ دینا یا اسے چہرے پر رکھنا بے اصل اور بدعت ہے۔نہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی دلیل ہے، نہ اسلافِ امت نے ایسا کیا۔ہر بھلائی سلف صالحین کی پیروی میں اور ہر شر سلف صالحین کی مخالفت میں ہے۔

سوال (۲۲): سجدۂ شکر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: کسی مصیبت کے ٹل جانے، کسی بیماری سے شفا حاصل ہونے، کسی خوش خبری کے ملنے یا کسی بڑی نعمت کے نصیب ہونے پر سجدۂ شکر کرنا مشروع و مستحب ہے، جیسا کہ:

❀ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، جو کہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اس بنا پر ان سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے تھے، وہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ، أَوْفٰى عَلٰى جَبَلِ سَلْعٍ، بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ: يَا كَعْبُ ابْنَ مَالِكٍ! أَبْشِرْ، قَالَ: فَخَرَرْتُ سَاجِدًا، وَعَرَفْتُ أَنْ قَدْ جَاءَ فَرَجٌ، وَآذَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَوْبَةِ اللّٰهِ عَلَيْنَا، حِينَ صَلّٰى صَلَاةَ الفَجْرِ، فَذَهَبَ النَّاسُ يُبَشِّرُونَنَا.

''میں نے جبلِ سلع پر چڑھ کر منادی کرنے والے شخص کو سنا، وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے)۔ میں سجدۂ (شکر) میں گر گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ خوش حالی آ گئی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھ کر اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے۔پھر لوگ ہمیں خوش خبری دینے کے لیے آنے لگے۔''(صحيح البخاري: 4418، صحيح مسلم: 2769)

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

إِنَّهٗ كَانَ إِذَا جَاءَهٗ أَمْرُ سُرُورٍ، أَوْ بُشِّرَ بِهٖ، خَرَّ سَاجِدًا، شَاكِرًا لِلّٰهِ .

''بلاشبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوشی والا معاملہ آتا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش خبری دی جاتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر جاتے۔''

(سنن أبي داوٗد : 2774، سنن الترمذي : 1578، وقال : حسنٌ، سنن ابن ماجه : 1394، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کا راوی بکار بن عبدالعزیز جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔

امام ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، رَأَوْا سَجْدَةَ الشُّكْرِ .

''اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ وہ سجدۂ شکر کو مشروع سمجھتے ہیں۔''

احادیثِ مبارکہ، فعلِ صحابی اور اکثر اسلافِ امت کے خلاف امام ابوحنیفہ کا موقف بھی سنتے چلیں :

وَسَجْدَةُ الشُّكْرِ لَا عِبْرَةَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَهِيَ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَهٗ، لَا يُثَابُ عَلَيْهَا، وَتَرْكُهَا أَوْلٰى، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى : هِيَ قُرْبَةٌ، يُثَابُ عَلَيْهَا .

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ شکر کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے نزدیک یہ سجدہ مکروہ ہے، اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا، بلکہ اس کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ اس کے برعکس امام ابویوسف اور محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے، اس پر ثواب ملتا ہے۔''

(الفتاوی الهندیّة، المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری : 135/1، 136، طبع دار الفكر، بیروت)

احناف مقلدین اس مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے سجدۂ شکر کو مشروع و مستحب قرار دیتے

ہیں اور یہی ان کے ہاں مفتیٰ بہ قول ہے۔

اس کے باوجود جناب حسین احمد، مدنی، دیوبندی صاحب نے یہ لکھ رکھا ہے:

''ہم جیسے لوگوں کو نہ اختیار ہے اور نہ ہماری اس قدر سمجھ ہے کہ امام کے قول کو ردّ کریں۔''

(تقریر ترمذی، ص:71)

سوال ۲۳: کیا فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کی قراءت بھی کی جا سکتی ہے؟

جواب: فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی قراءت کی جا سکتی ہے، جیسا کہ:

❀ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ، فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً، وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً.

''نبی کریم ﷺ نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تقریباً تیس آیات کی تلاوت فرماتے اور آخری دو رکعتوں میں تقریباً پندرہ آیات کی۔''(صحيح مسلم: 452)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی کچھ پڑھنا سنت و مستحب ہے۔

❀ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نمازِ مغرب کی امامت کی، تو تیسری رکعت میں آیتِ کریمہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا۔۔۔﴾(آلِ عمران 3: 8) کی تلاوت فرمائی۔

(المؤطّأ للإمام مالك: 25، وسندهٗ صحيحٌ)

نافع رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

كَانَ إِذَا صَلّٰى وَحْدَهٗ، يَقْرَأُ فِي الْأَرْبَعِ جَمِيعاً، فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ، وَكَانَ يَقْرَأُ أَحْيَاناً بِالسُّورَتَيْنِ وَالثَّلَاثِ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْ صَلَاةِ الْفَرِيضَةِ، وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ، كَذٰلِكَ، بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ.

''آپ رضی اللہ عنہ جب اکیلے نماز ادا کرتے، تو چاروں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور قرآنِ کریم کی کوئی سورت پڑھتے۔ کبھی فرض نماز کی ایک رکعت میں دو دو، تین تین سورتیں بھی پڑھ لیتے تھے۔ مغرب کی دونوں رکعتوں میں اسی طرح سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی تلاوت فرماتے تھے۔''(المؤطأ للإمام مالك : 26، وسندهٗ صحيحٌ)

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرنا بھی مسنون ہے۔(صحيح مسلم :451)

سوال ۲۴: جمعہ کی رات نمازِ عشاء کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون کی قراءت کرنا کیسا ہے؟

جواب: جمعہ کی رات نمازِ عشاء میں کوئی مخصوص قراءت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ روایت منسوب ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِينَ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی قراءت

فرماتے تھے۔''(صحيح ابن حبّان :1841، السنن الكبرٰى للبيهقي : 201/3)

اس روایت کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کے راوی سعید بن سماک بن حرب کو امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔(الجرح والتعديل : 32/4)

دوسری علت یہ ہے کہ سماک بن حرب اگرچہ ''ثقہ'' ہیں،لیکن آخری عمر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔سعید بن سماک ان لوگوں میں سے نہیں،جنہوں نے سماک بن حرب سے ان کے حافظے کی خرابی سے پہلے روایات سنی تھیں۔

ناصر السنۃ،علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کو''ضعیف'' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

فَلَا يَثْبُتُ بِهِ الِاسْتِحْبَابُ فَضْلًا عَنِ السُّنِّيَّةِ، بَلْ إِنَّ الْتِزَامَ ذٰلِكَ مِنَ الْبِدَعِ، وَهُوَ مَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِّنْ أَئِمَّةِ الْمَسَاجِدِ فِي دِمَشْقَ وَغَيْرِهَا، مِنَ الْبُلْدَانِ السُّورِيَّةِ، وَلٰكِنَّهُمْ جَمَعُوا بَيْنَ الْبِدْعَةِ وَإِرْضَاءِ النَّاسِ، فَقَدْ تَرَكُوا قِرَاءَةَ ﴿الْمُنَافِقُوْنَ﴾ أَصْلًا وَّالْتَزَمُوا قِرَاءَةَ الشَّطْرِ الثَّانِي مِنَ ﴿الْجُمُعَةِ﴾ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، تَخْفِيفًا عَنِ النَّاسِ، زَعَمُوا !

''اس حدیث سے تو استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا، چہ جائیکہ سنت ہونا ثابت ہو۔ بلکہ اس پر پابندی کرنا بدعت ہوگا۔دمشق اور شام کے دیگر علاقوں میں بہت سے ائمہ مساجد ایسا کرتے ہیں۔انہوں نے تو بدعت اور لوگوں کی خوش نودی دونوں چیزوں کو جمع کیا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے خیال میں لوگوں پر تخفیف کرنے کے لیے سورۂ منافقون کی تلاوت بالکل ترک کر دی ہے اور دونوں رکعتوں میں سورۂ جمعہ کے آخری رکوع کی تلاوت کرتے ہیں۔''

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، وأثرها السيء في الأمّة : 35/2، ح : 559)

خلیفۃ المسلمین، دامادِ رسولِ امین، سیدنا مولیٰ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ پاک سے ہونے والی اپنی بیٹی سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین، خلیفہ راشد، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کیا۔ یہ بات تواتر اور اجماع کی حد تک ثابت ہے۔ اہل سنت اور شیعہ اس میں متفق ہیں، بلکہ شیعہ محدثین اور فقہاء نے اس نکاح کا تذکرہ اپنی کتب میں کیا ہے، جیسا کہ:

شیعہ مؤرّخ، احمد بن یعقوب نے 17 ہجری میں خلافتِ فاروقی کے احوال میں لکھا ہے:

وَفِي هٰذِهِ السَّنَةِ خَطَبَ عُمَرُ إِلٰى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ، وَأُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ، فَقَالَ عَلِيٌّ : إِنَّهَا صَغِيرَةٌ، فَقَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ : «كُلُّ نَسَبٍ وَّسَبَبٍ يَّنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي وَصِهْرِي، فَأَرَدْتُّ أَنْ يَّكُونَ لِي سَبَبٌ وَّصِهْرٌ بِرَسُولِ اللّٰهِ، فَتَزَوَّجَهَا وَأَمْهَرَهَا عَشْرَةَ آلَافِ دِينَارٍ .

''اسی سال سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف ان کی بیٹی امِ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کے لئے پیغامِ نکاح بھیجا۔ یاد رہے کہ یہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لختِ جگر تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: امِ کلثوم ابھی عمر میں چھوٹی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میں یہ رشتہ صرف اس لیے طلب کر رہا ہوں کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: روزِ قیامت تمام نسب اور سبب

منقطع ہو جائیں گے، سوائے میرے تعلق،نسب اور سسرالی رشتہ کے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق اور سسرالی رشتہ ہو۔اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ دس ہزار دینار حق مہر کے عوض اپنی صاحبزادی کی شادی کر دی۔''

(تاريخ اليعقوبي : 2/149، 150)

محمد بن جعفر کُلَینی نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے۔ آپ سے اس عورت کی عدت کے بارے میں پوچھا گیا،جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو کہ وہ عدت کہاں گزارے؟ اپنے خاوند کے گھر یا جہاں چاہے گزار سکتی ہے؟اس پر امام صاحب نے فرمایا: جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے، پھر فرمایا:

إِنَّ عَلِيًّا لَّمَّا مَاتَ عُمَرُ أَتٰى أُمَّ كُلْثُومٍ، فَأَخَذَ بِيَدِهَا، فَانْطَلَقَ بِهَا إِلٰى بَيْتِهٖ .

''جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے گھر لے گئے۔''(الكافي في الفروع، كتاب الطلاق، 6/115، 116)

طوسی شیعہ نے امام باقر رحمہ اللہ سے یہ روایت ذکر کی ہے:

مَاتَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عَلِيٍّ وَّابْنُهَا زَيْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ، لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا هَلَكَ قَبْلُ، فَلَمْ يُورِثْ أَحَدُهُمَا مِنَ الْآخِرَةِ، وَصُلِّيَ عَلَيْهِمَا جَمِيعًا .

''سیدہ اِم کلثوم بنت علی اور ان کے بیٹے زید بن عمر بن خطاب بالکل ایک ہی وقت میں فوت ہوئے، یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ دونوں میں سے پہلے کون فوت ہوا، نہ دونوں میں سے کوئی دوسرے کا وارث بنا۔ دونوں کی نمازِ جنازہ بھی اکٹھی ادا کی گئی۔''

(تهذيب الأحكام، كتاب الميراث : 9/262)

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سگی بہن، سیدہ اِم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سے نکاح کو درج ذیل شیعہ علماء نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

سید مرتضٰی ''علم الہدیٰ''(الشافي، ص: 166)، **فخر شیعہ، ابن شہر آشوب** (مناقب آل أبي طالب: 162/3، طبعة ممبئى، الهند)، **شیعہ عالم اربلی**(كشف الغمّة في معرفة الأئمّة، ص: 10، طبع إيران، القديم)، **ابن ابو الحدید**(شرح نهج البلاغة: 124/3)، **مقدس اردبیلی**(حديقة الشيعة، ص: 277، طبعة طهران)، **قاضی نور اللہ شوشتری ملقب بہ الشہید الثالث**(مجالس المؤمنين، ص: 76، طبعة إيران، القديم) **وغیرہ**۔

اس نکاح سے فقہائے شیعہ نے ہاشمیہ عورت کے غیر ہاشمی مرد کے ساتھ نکاح کے جواز کا استدلال کیا ہے۔

شیعہ فقیہ حلّی (م: 672ھ) نے لکھا ہے:

وَيَجُوزُ إِنْكَاحُ الْحُرَّةِ الْعَبْدَ، وَالْعَرَبِيَّةِ الْعَجَمِيَّ، وَالْهَاشِمِيَّةَ غَيْرَ الْهَاشِمِيِّ.

''آزاد عورت کا غلام مرد کے ساتھ، عربی عورت کا عجمی مرد کے ساتھ اور ہاشمی عورت کا غیر ہاشمی مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے۔''

(شرائع الإسلام في مسائل الحلال والحرام، كتاب النكاح: 467/2)

اس کتاب کے شارح العاملی ملقب بہ الشہید الثانی نے لکھا ہے:

وَزَوَّجَ النَّبِيُّ ابْنَتَهُ عُثْمَانَ، وَزَوَّجَ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ بِأَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ، وَلَيْسَا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ، وَكَذٰلِكَ زَوَّجَ عَلِيٌّ ابْنَتَهُ أُمَّ كُلْثُومٍ مِّنْ عُمَرَ، وَتَزَوَّجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ، وَتَزَوَّجَ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ أُخْتَهَا سَكِيْنَةَ، وَكُلُّهُمْ مِّنْ غَيْرِ بَنِي هَاشِمٍ.

''نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، اپنی دوسری

بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ یہ دونوں بنو ہاشم کے آدمی نہیں تھے۔اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی شادی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی، ایسے ہی سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عثمان کی شادی سیدہ فاطمہ بنت حسین سے اور سیدنا مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شادی ان (فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا) کی بہن سکینہ سے ہوئی۔ یہ سب غیر ہاشمی تھے۔''(مسالك الأفهام شرح شرائع الإسلام، باب لواحق العقد : 410/7)

مشہور معتزلی شیعہ،ابن ابوالحدید نے ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے :

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَجَّهَ إِلٰى مَلِكِ الرُّومِ بَرِيدًا، فَاشْتَرَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ امْرَأَةُ عُمَرَ طِيبًا بِدَنَانِيرَ، وَجَعَلَتْهُ فِي قَارُورَتَيْنِ، وَأَهْدَتْهُمَا إِلَى امْرَأَةِ مَلِكِ الرُّومِ، فَرَجَعَ الْبَرِيدُ إِلَيْهَا، وَمَعَهُ مِلْءُ الْقَارُورَتَيْنِ جَوَاهِرَ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا عُمَرُ، وَقَدْ صُبَّتِ الْجَوَاهِرُ فِي حِجْرِهَا، فَقَالَ : مِنْ أَيْنَ لَكِ هٰذَا ؟ فَأَخْبَرَتْهُ، فَقَبَضَ عَلَيْهِ وَقَالَ : هٰذَا لِلْمُسْلِمِينَ، قَالَتْ : كَيْفَ، وَهُوَ عِوَضُ هَدِيَّتِي؟ قَالَ : بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَبُوكَ، فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ : لَكَ مِنْهُ بِقِيمَةِ دِينَارِكَ، وَالْبَاقِي لِلْمُسْلِمِينَ جُمْلَةً، لِأَنَّ بَرِيدَ الْمُسْلِمِينَ حمله .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے قاصد کو رومی بادشاہ کی طرف بھیجا،آپ کی زوجہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے کچھ دینار کی خوشبو خریدی اور اسے دو بوتلوں میں بند کر کے رومی بادشاہ کی بیوی کو تحفہ بھیجا۔ جب قاصد واپس آیا، تو وہ جواہرات کی بھری دو بوتلیں لایا۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، تو ان کی گود میں جواہرات پڑے تھے۔آپ نے پوچھا : یہ جواہرات کہاں سے آئے ہیں؟انہوں نے بتایا، تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ جواہرات ان سے لے لئے اور فرمایا : یہ مسلمانوں کے ہیں۔سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا :

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ تو میرے بھیجے ہوئے ہدیے کے عوض میں آئے ہیں۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے اور آپ کے درمیان آپ کے والد فیصلہ کریں گے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹی تیرے دیناروں کی قیمت کے برابر جواہرات تجھے ملیں گے،باقی تمام مسلمانوں کے حصے میں آئیں گے، کیونکہ قاصد مسلمانوں ہی کا تھا۔''

(شرح نهج البلاغة : 575/4، طبعة بيروت، 1375هـ)

ہم نے یہ حوالہ جات معروف اہل حدیث عالم،شہیدِ اسلام،علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی مایۂ ناز کتاب [الشيعة وأهل البيت] (ص : 106 ... 109) سے لیے ہیں۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں۔جب شیعہ نے یہ بات تسلیم کر لی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ اِم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیا تھا، تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تینوں خلفائے راشدین کے درمیان بے حد محبت اور گہرا تعلق تھا، وہ ایک دوسرے کے احترام میں رشتے ناطے تک قائم کرتے تھے اور ایک دوسرے کے حقوق کے پاسبان اور پاسدار تھے۔۔۔تو شیعہ نے امام ابوعبداللہ جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے ایک قول گھڑ لیا۔وہ یہ ہے:

إِنَّ ذٰلِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ . ''یہ رشتہ ہم سے چھین لیا گیا تھا۔''

(الكافي في الفروع : 141/2، طبعة الهند)

شیعہ اصولِ حدیث کے مطابق یہ قول ''صحیح'' ہے، البتہ اہل سنت کے اصولِ حدیث کی رو سے یہ قول جھوٹا اور مردود ہے، کیونکہ:

① علی بن ابراہیم بن ہاشم ابوالحسن قمی
② اس کا باپ ابراہیم بن ہاشم ابن الخلیل ابواسحاق قمی
③ محمد بن ابوعمیر

④ ہشام بن سالم

⑤ حماد بن عثمان

⑥ ابوالحسن زرارہ بن امین الشیبانی

یہ سب کے سب ''مجہول'' ہیں۔

ان اشخاص کی توثیق نہیں مل سکی، ان میں سے بعض کے تو حالات زندگی ہی کا پتہ نہیں چل سکا۔ یہ نامعلوم جھوٹوں کی کارستانی ہے۔

شیعہ عالم مقدس اردبیلی نے لکھا ہے:

إِنَّ عَلِيًّا لَّمْ يَكُنْ يُّرِيدُ أَنْ يُّزَوِّجَ ابْنَتَهٗ أُمَّ كُلْثُومٍ مِّنْ عُمَرَ، وَلٰكِنَّهٗ خَافَ مِنْهُ، فَوَكَّلَ عَمَّهٗ عَبَّاسًا لِّيُزَوِّجَهَا مِنْهُ.

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کریں، مگر ڈر کی وجہ سے انہوں نے یہ کام کیا، چنانچہ اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیں۔'' (حديقة الشيعة، ص: 277)

کیا ایسے لوگ اہل بیت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خیرخواہ ہو سکتے ہیں؟ ایک جھوٹی کہانی گھڑ کر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ (معاذ اللہ) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہایت بزدل تھے اور اپنے حقوق کے حصول میں اس قدر چشم پوشی سے کام لیتے تھے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے ان کی عزت و عصمت تک چھین لی، مگر انہوں نے پوری زندگی زبان تک نہیں کھولی۔ ایسی رسوائی والی باتوں سے ہم اللہ رب العزت کی پناہ میں آتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس قسم کی باتوں سے بہت بلند تھے۔ جس دل میں ذرہ برابر ایمان ہو، وہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ رسوا کن بات منسوب نہیں کرسکتا۔ ایک دن آنے والا ہے جس دن اللہ رب العزت ایسے جھوٹوں کو اپنی گرفت میں لے گا، پھر کوئی ان کو چھڑا نہیں سکے گا۔

کتبِ اہل سنت اور سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح

اس حوالے سے اہل سنت کی کتب سے بھی دلائل ملاحظہ ہوں:

① سیدنا ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَسَمَ مُرُوطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِّنْ نِّسَاءِ الْمَدِينَةِ، فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ، فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهٗ: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ! أَعْطِ هٰذَا ابْنَةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي عِنْدَكَ، يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ، فَقَالَ عُمَرُ: أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ، وَأُمُّ سَلِيطٍ مِّنْ نِّسَاءِ الْأَنْصَارِ، مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عُمَرُ: فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ.

''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم کیں، تو ایک عمدہ چادر بچ گئی۔ آپ کے پاس بیٹھے لوگوں میں سے کسی نے کہا: امیر المومنین! آپ یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو عنایت کر دیجئے جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اس شخص کی مراد سیدہ امِ کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میری بیوی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں) بی بی امِ سلیط رضی اللہ عنہا اس چادر کی زیادہ مستحق ہیں۔ وہ انصاری عورت تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہوئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ عورت غزوۂ اُحد کے دن پانی کی مشکیں اپنی کمر پر لاد کر ہمارے پاس لاتی تھی۔'' (صحيح البخاري: 2725)

② نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى عَلَى تِسْعِ جَنَائِزَ جَمِيعًا، فَجَعَلَ الرِّجَالَ يَلُونَ الْإِمَامَ، وَالنِّسَاءَ يَلِينَ الْقِبْلَةَ، فَصَفَّهُنَّ صَفًّا وَّاحِدًا، وَوُضِعَتْ جَنَازَةُ أُمِّ

كُلْثُومِ بِنْتِ عَلِيٍّ امْرَأَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَابْنٍ لَّهَا، يُقَالُ لَهٗ زَيْدٌ، وُضِعَا جَمِيعًا، وَالْإِمَامُ يَوْمَئِذٍ سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ، وَفِي النَّاسِ ابْنُ عُمَرَ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ، وَأَبُو سَعِيدٍ، وَأَبُو قَتَادَةَ، فَوُضِعَ الْغُلَامُ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نو میتّوں پر اکٹھی نماز جنازہ ادا کی۔انہوں نے مردوں کو امام اور عورتوں کو قبلہ کی جانب رکھا۔ان سب کی ایک صف بنا دی،جبکہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں انہیں اور ان کے زید نامی بیٹے،دونوں کو اکٹھا رکھا۔اس روز سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ امام تھے،جبکہ جنازہ پڑھنے والوں میں سیدنا عبداللہ بن عمر،سیدنا ابوہریرہ،سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ بچے کو امام کی جانب رکھا گیا۔''(سنن النسائي : 1980، سنن الدارقطني : 79/2، 80، السنن الكبرٰى للبيهقي : 33/4، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (545) نے صحیح کہا ہے۔

اس کی سند کو حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع شرح المهذب : 224/5) نے ''حسن''، جبکہ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (البدر المنير : 385/5) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخيص الحبير : 146/2) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

③ امام شعبی رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ صَلّٰى عَلٰى أَخِيهِ، وَأُمِّهِ أُمِّ كُلْثُومِ بِنْتِ عَلِيٍّ، فَجَعَلَ الْغُلَامَ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ، وَالْمَرْأَةَ فَوْقَ ذٰلِكَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی اور اپنی والدہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی،انہوں نے بچے کو امام کی جانب رکھا اور عورت کو اوپر والی جانب۔''

(مسند علي ابن الجعد : 574، وسندهٗ صحيحٌ)

④ امام شعبی رحمہ اللہ ہی بیان کرتے ہیں :

صَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلٰى زَيْدِ بْنِ عُمَرَ، وَأُمِّهٖ أُمِّ كُلْثُومِ بِنْتِ عَلِيٍّ، فَجَعَلَ الرَّجُلَ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ، وَالْمَرْأَةَ مِنْ خَلْفِهٖ، فَصَلّٰى عَلَيْهِمَا أَرْبَعًا، وَخَلْفَهُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ، وَالْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی زید بن عمر اور اپنی والدہ سیدہ امِ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔انہوں نے بچے کو امام کی جانب رکھا اور عورت کو اس کے پیچھے رکھا، چار تکبیروں کے ساتھ ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ان کی اقتدا میں محمد بن حنفیہ، سیدنا حسین بن علی اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے نمازِ جنازہ ادا کی۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 38/4، وسندهٗ صحيحٌ)

⑤ عمار بن ابوعمار، مولیٰ بنو ہاشم رحمہ اللہ کہتے ہیں :

شَهِدْتُهُمْ يَوْمَئِذٍ، وَصَلّٰى عَلَيْهِمَا سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ، وَكَانَ أَمِيرَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ، وَخَلْفَهٗ ثَمَانُونَ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''میں سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے زید بن عمر بن خطاب کی نمازِ جنازہ میں شریک تھا۔سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی نماز جنادہ ادا کی۔وہ ان دنوں گورنر تھے۔ان کے پیچھے اَسّی صحابہ کرام موجود تھے۔''

(الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 340/8، وسندهٗ حسنٌ)

شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کے مابین یوں جمع و تطبیق کی ہے :

فَيُحْمَلُ عَلٰى أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَمَّ بِهِمْ حَقِيقَةً بِإِذْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، وَيُحْمَلُ قَوْلُهٗ : إِنَّ الْإِمَامَ كَانَ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ، يَعْنِي الْأَمِيرَ، جَمْعًا بَيْنَ

الرِّوَايَتَيْنِ، أَوْ أَنَّ نِسْبَةَ ذٰلِكَ لِابْنِ عُمَرَ لِكَوْنِهٖ أَشَارَ بِتَرْتِيبِ وَضْعِ تِلْكَ الْجَنَائِزِ، عَلَى الْجِنَازَةِ فِي الصَّلَاةِ.

''درحقیقت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔ حدیث میں یہ جو مذکور ہے کہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے امام تھے، تو اس سے مراد امارت ہے۔ یوں ان روایات کے درمیان جمع کی صورت بنتی ہے، یا پھر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے جنازہ پڑھانے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے نمازِ جنازہ کے لئے چارپائیوں کو ترتیب میں رکھنے کا اشارہ فرمایا تھا۔''(التلخيص الحبير : 146/2)

❁❁❁❁❁❁❁

ماہنامہ السنۃ کی اشاعت کے پانچ سال

ہمارے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ ماہنامہ السنۃ،جہلم کی اشاعت کے پانچ سال مکمل ہو گئے ہیں۔الحمد للہ! انتہائی کٹھن حالات کے باوجود ان پانچ سالوں میں ایک بھی شمارہ اشاعت سے محروم نہیں رہا۔

البتہ اس موقع پر ہم قارئین کرام سے گزشتہ کچھ شماروں کی تاخیر سے اشاعت پر معذرت بھی کرتے ہیں اور یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ماہنامہ السنۃ کو سہ ماہی یا ششماہی نہیں کیا جا رہا۔نامساعد حالات کی بنا پر جو تاخیر ہو رہی ہے، اسے جلد ہی ختم کر دیا جائے گا اور عنقریب آپ کا محبوب و مرغوب رسالہ ہر ماہ باقاعدگی سے آپ کو ملنا شروع ہو جائے گا۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں کم از کم دعاؤں کا تعاون ہی جاری رکھیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس عمل پر استقامت عطا فرمائے اور علم کا یہ مینار ہمیشہ جگمگاتا رہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

ہمارے پیارے رسول،محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ایک مکمل اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں تاقیامت تبدیلی کی گنجائش نہیں،کیونکہ انسانیت کے مختلف ادوار اور مختلف حالات میں جو قوانین متغیر رہے تھے،اسلام نے ان کو مستقل کر دیا ہے۔نزولِ وحی کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے لیے ایک ٹھوس دستورِ زندگی عطا فرما دیا گیا۔یہ کمال ہی کا تقاضا تھا کہ صرف افراد کو نہیں، بلکہ معاشرے کو بھی مدنظر رکھ کر قوانین مرتب کر دیے گئے۔ جن کاموں سے معاشرے میں خرابی واقع ہوتی تھی،ان کو بتدریج حرام کر دیا گیا۔شراب کی مثال لے لیں کہ کس طرح غیر محسوس انداز سے مسلمان معاشرے کو اس سے پاک کیا گیا۔ پہلے نمازوں کے اوقات میں نشہ نہ کرنے کا حکم فرما کر مسلمانوں سے اس کی لت ختم کی، پھر اس کے فوائد کی نسبت اس کی خرابیوں کے زیادہ ہونے کا بتا کر اس سے عمومی نفرت کا رجحان پیدا کیا اور آخر میں اسے مستقل طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔

نکاحِ متعہ بھی انہی چیزوں میں سے ہے،جنہیں اسلام نے اصلاحِ معاشرہ کی خاطر ابدی طور پر حرام قرار دے دیا ہے۔جیسے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عہدِ رسالت میں شراب پی جاتی رہی، اسی طرح تدریجی حکمتِ عملی کے تحت عہد نبوی میں نکاحِ متعہ بھی ایک وقت تک جائز رہا،لیکن پھر اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا گیا اور اس کی جگہ شرعی نکاح ہی کو حتمی اور لازمی اصول بنا دیا گیا۔

اب جس طرح کسی مسلمان کا شراب کی حرمت سے پہلے تک کے عہدِ رسالت میں صحابہ کرام کے شراب پینے کے واقعات کو دلیل بنا کر شراب کو حلال قرار دینا جائز نہیں،اسی

طرح کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ حرمتِ متعہ سے پہلے پیش آنے والے عہدِ نبوی کے واقعات کو دلیل بناتے ہوئے اب بھی نکاحِ متعہ کے جواز پر اصرار کرے۔

نکاحِ متعہ کے فرد اور معاشرے پر نہایت مضر اثرات تھے، جن کی بنا پر اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا گیا۔ اس کے مقابلے میں شرعی نکاح کو رائج کیا گیا، جو مفاسد سے بالکل خالی اور فرد و معاشرے کے لیے بے شمار فوائد کا حامل ہے۔

شرعی نکاح کا اہم مقصد عفت و عصمت کا تحفظ ہے، جو کہ نکاحِ متعہ سے حاصل نہیں ہوتا، نیز نکاحِ شرعی میں اہم جز و دوام و استمرار ہے، جو کہ متعہ میں نہیں پایا جاتا۔ نکاحِ شرعی کا اہم فائدہ محبت و مودّت اور سکون ہے، جو کہ نکاحِ متعہ میں ناپید ہے۔ نکاحِ شرعی میں بیک وقت ایک سے زائد بیویوں کا تصور تو ہے، لیکن ایک سے زائد خاوندوں کا تصور قطعاً نہیں، جبکہ نکاحِ متعہ میں ایک سے زائد خاوندوں کا تصور واضح طور پر پایا جاتا ہے۔ ایک عورت کے لیے نکاحِ متعہ کے ذریعے ایک ہی دن میں بیسیوں افراد سے منہ کالا کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔

نکاحِ متعہ کے ذریعے معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے اور انسانوں میں بہیمانہ رویے پروان چڑھتے ہیں۔ ایک عورت جب نکاحِ متعہ کے ذریعے کئی مردوں سے تعلق رکھتی ہے، تو کیا معلوم اس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ کس کا ہے؟ ایسے بچے عام طور پر خونخوار درندے ہی بنتے ہیں، پرامن شہری نہیں بن پاتے۔ نکاحِ متعہ میں ولی (باپ، بھائی) کے حقوق بھی پامال ہوتے ہیں۔ عصمت جو انسانیت کا جوہر ہے، ختم ہو جاتی ہے اور ماحول میں آوارگی پھیلتی ہے۔

شیخ الاسلام، ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَالنِّكَاحُ الْمَبِيْحُ هُوَ النِّكَاحُ الْمَعْرُوفُ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ، وَهُوَ النِّكَاحُ

الَّذِي جَعَلَ اللّٰهُ فِيهِ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً .

''جائز نکاح وہی ہے، جو مسلمانوں کے ہاں معروف ہے۔یہی وہ نکاح ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے زوجین میں مودّت و رحمت کا باعث بنایا ہے۔''(مجموع الفتاوٰی : 32/92، 93)

نکاحِ متعہ کی بے شمار قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے شادی شدہ خواتین بھی بدکاری کی راہ اختیار کر لیتی ہیں،جیسا کہ:

❁ شیعہ کے شیخ الطائفہ،ابوجعفر،محمد بن حسن،طوسی (م : 460ھ) نے لکھا ہے :

وَلَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يَّسْأَلَهَا ؛ هَلْ لَّهَا زَوْجٌ أَمْ لَا .

''نکاحِ متعہ کرنے والے مرد کے لیے عورت سے یہ پوچھنا ضروری نہیں کہ اس کا کوئی خاوند ہے یا نہیں۔''(النہایۃ، ص : 490)

ان قباحتوں کے باوجود نکاحِ متعہ شیعہ مذہب کا بنیادی جزو ہے،جیسا کہ:

❁ شیعہ فقیہ،محمد بن حسن،الحر العاملی (م : 1104ھ) نے لکھا ہے :

إِنَّ إِبَاحَةَ الْمُتْعَةِ مِنْ ضَرُورِيَّاتِ مَذْهَبِ الْإِمَامِيَّةِ .

''نکاحِ متعہ کا جائز قرار دینا امامی شیعوں کی مذہبی ضرورت ہے۔''

(وسائل الشیعۃ : 245/7)

نکاحِ متعہ اور اجماعِ امت

امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نکاحِ متعہ تاقیامت حرام ہو چکا ہے،جیسا کہ:

❁ امام ابوعُبَید،قاسم بن سلام رحمہ اللہ (150-224ھ) فرماتے ہیں :

فَالْمُسْلِمُونَ الْيَوْمَ مُجْمِعُونَ عَلٰى هٰذَا الْقَوْلِ : إِنَّ مُتْعَةَ النِّسَاءِ قَدْ

نُسِخَتْ بِالتَّحْرِيمِ، ثُمَّ نَسَخَهَا الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ ـــ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ كَانَ يَتَرَخَّصُ فِيهَا، إِلَّا مَا كَانَ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَإِنَّهُ كَانَ ذٰلِكَ مَعْرُوفًا مِّنْ رَّأْيِهِ، ثُمَّ بَلَغَنَا أَنَّهُ رَجَعَ عَنْهُ.

''آج مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں سے نکاحِ متعہ کو منسوخ کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔کتاب وسنت نے اسے منسوخ کیا ہے۔کوئی ایک بھی ایسے صحابی معلوم نہیں ہوئے، جو نکاحِ متعہ کی رخصت دیتے ہوں،سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ اس کے جواز پر ان کا مشہور فتویٰ تھا۔پھر ہم تک یہ بات بھی پہنچ گئی کہ (حق معلوم ہونے پر)انہوں نے اپنے اس فتوے سے رجوع فرما لیا تھا۔''(الناسخ والمنسوخ، ص: 80)

امام ابوعبید رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْيَوْمَ جَمِيعًا، مِّنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، وَأَهْلِ الْحِجَازِ، وَأَهْلِ الشَّامِ، وَأَصْحَابِ الْأَثَرِ، وَأَصْحَابِ الرَّأْيِ، وَغَيْرِهِمْ، أَنَّهُ لَا رُخْصَةَ فِيهَا لِمُضْطَرٍّ وَّلَا لِغَيْرِهِ، وَأَنَّهَا مَنْسُوخَةٌ حَرَامٌ، عَلٰى مَا ذَكَرْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ.

''اس دور میں اہل عراق،اہل حجاز اور اہل شام، نیز اصحاب الحدیث واصحاب الرائے وغیرہ سب اہل علم کا اتفاقی فتویٰ یہی ہے کہ کسی کو کوئی مجبوری ہو یا نہ ہو،نکاحِ متعہ کی اجازت نہیں، نیز یہ منسوخ اور حرام ہے،جیسا کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت کر دیا ہے۔''(الناسخ والمنسوخ، ص: 82)

❁ حافظ،ابومحمد،حسین بن مسعود،بغوی رحمہ اللہ (م: 516ھ)فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، وَهُوَ كَالْإِجْمَاعِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ.

''علماء کرام کا نکاحِ متعہ کو حرام قرار دینے پر اتفاق ہے۔یہ مسلمانوں کا ایک اجماع ہی ہے۔''

(شرح السنّة : 100/9)

❁ حافظ،عبد الرحمٰن بن علی،ابن الجوزی رحمہ اللہ (508-579ھ) فرماتے ہیں:

فَقَدْ وَقَعَ الْإِتِّفَاقُ عَلَى النَّسْخِ . ''نکاحِ متعہ کے منسوخ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔''(كشف المشكل من حديث الصحيحين :146/1)

❁ مشہور مفسر،ابوعبداللہ،محمد بن احمد،قرطبی رحمہ اللہ (600-671ھ) فرماتے ہیں:

فَانْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى تَحْرِيمِهَا . ''نکاحِ متعہ کو حرام قرار دینے پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے۔''(تفسير القرطبي : 133/5)

❁ امام،ابوجعفر،احمد بن محمد بن سلامہ،طحاوی رحمہ اللہ (238-321ھ) فرماتے ہیں:

فَهٰذَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ نَهٰى عَنْ مُّتْعَةِ النِّسَاءِ، بِحَضْرَةِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيْهِ مِنْهُمْ مُّنْكِرٌ، وَفِي هٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى مُتَابَعَتِهِمْ لَهٗ عَلٰى مَا نَهٰى عَنْهُ مِنْ ذٰلِكَ، وَفِي إِجْمَاعِهِمْ عَلَى النَّهْيِ فِي ذٰلِكَ عَنْهَا دَلِيلٌ عَلٰى نَسْخِهَا، وَحُجَّةٌ .

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی موجودگی میں عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا۔ان میں سے کسی ایک نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سب صحابہ کرام متعہ سے منع کرنے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہمنوا تھے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ اجماع متعہ کے منسوخ ہونے کی دلیل و برہان ہے۔''

(شرح معاني الآثار : 26/3)

نکاحِ متعہ اور قرآنِ کریم

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ❁ اِلَّا عَلٰی أَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ❁ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ❁﴾ (المؤمنون 23 : 5-7، المعارج 70 : 29-31)

''اور وہ لوگ (مؤمن ہیں)، جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے۔ ایسے لوگ ملامت نہیں کیے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ اس کے علاوہ کچھ تلاش کریں، وہ زیادتی کے مرتکب ہیں۔''

معلوم ہوا کہ بیوی اور لونڈی کے علاوہ کسی سے جنسی تعلق رکھنا جائز نہیں۔ جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے، وہ مرد کی نہ بیوی ہوتی ہے نہ لونڈی، لہٰذا متعہ حرام ہے۔

ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ابو ملیکہ رحمہ اللہ نے متعہ کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے ارشاد فرمایا: بَیْنِي وَبَیْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ، قَالَ : وَقَرَأَتْ هٰذِهِ الْآیَةَ : ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ❁﴾ --- .

''میرے اور تمہارے مابین اللہ کی کتاب سے فیصلہ ہوگا۔ انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ❁﴾ ([مؤمن وہ ہیں،] جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں)۔''(الناسخ والمنسوخ للقاسم بن سلّام : 131، مسند الحارث [بغية الباحث] : 479، السنن الكبرٰی للبيهقي : 206/7، 207، وسندهٗ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ .

''یہ حدیث امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔''المستدرك : 305/2، 393)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ان کی موافقت کی ہے۔

❀ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (النور 24 : 33)

''اور جو لوگ نکاح (کے لیے مالی استطاعت) نہیں پاتے، وہ اپنی عزت کی حفاظت کریں، حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

اس آیت ِکریمہ کی تفسیر میں الکیاالہراسی کے نام سے معروف، مفسر وفقیہ، علامہ، ابوالحسن، علی بن محمد، طبری رحمہ اللہ (450-504ھ) فرماتے ہیں:

أَمَرَهُمْ بِالتَّعَفُّفِ عِنْدَ تَعَذُّرِ النِّكَاحِ عَمَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَذٰلِكَ عَلَى الْوُجُوبِ، وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ إِبَاحَةَ الِاسْتِمْتَاعِ مَوْقُوفَةٌ عَلَى النِّكَاحِ، وَلِذٰلِكَ يُحَرِّمُ مَا عَدَاهُ، وَلَا يُفْهَمُ مِنْهُ التَّحْرِيمُ بِمِلْكِ الْيَمِينِ، لِأَنَّ مَنْ لَّا يَقْدِرُ عَلَى النِّكَاحِ لِعَدَمِ الْمَالِ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شِرَاءِ الْجَارِيَةِ غَالِبًا، وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى بُطْلَانِ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، وَدَلِيلٌ عَلٰى تَحْرِيمِ الِاسْتِمْنَاءِ.

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نکاح نہ ہو سکنے کی صورت میں جنسی تسکین کے حرام ذرائع سے منع فرمایا۔ یہ ممانعت وجوبی ہے۔ یہ آیت ِکریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنسی تسکین کا جواز نکاح پر موقوف ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے باقی سارے ذرائع کو حرام قرار دے دیا ہے۔ یاد رہے کہ اس آیت سے لونڈیوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ (ان کا ذکر تو اس لیے نہیں کیا گیا کہ) جو شخص مال نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا، وہ عموماً لونڈی خریدنے پر بھی قادر نہیں ہوتا۔ یہ آیت نکاحِ متعہ کی حرمت پر بھی دلیل ہے اور اس سے مشت زنی کا حرام ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔'' (أحكام القرآن: 4/313، 314)

تنبیہ : بعض لوگ قرآنِ کریم سے متعہ کے جواز کا استدلال کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں۔اس حوالے سے وہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۲۴ پیش کرتے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے :

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾

''جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ،ان کو ان کے حق مہر ضروری طور پر ادا کرو۔''

مشہور مفسر،علامہ قرطبی رحمہ اللہ ،ابن خُوَیزمنداد بصری (م :390ھ) سے نقل کرتے ہیں :

وَلَا يَجُوزُ أَنْ تُحْمَلَ الْآيَةُ عَلٰى جَوَازِ الْمُتْعَةِ، لِأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ نِّكَاحِ الْمُتْعَةِ وَحَرَّمَهٗ، وَلِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ : ﴿فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾، وَمَعْلُومٌ أَنَّ النِّكَاحَ بِإِذْنِ الْأَهْلِينَ هُوَ النِّكَاحُ الشَّرْعِيُّ، بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْنِ، وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ لَيْسَ كَذٰلِكَ .

''اس آیتِ کریمہ سے متعہ کا جواز کشید کرنا جائز نہیں،کیونکہ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ متعہ سے منع فرما دیا ہے اور اسے حرام قرار دے دیا ہے،دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے (اس سے اگلی آیت میں)ارشاد فرمایا :﴿فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾(تم ان عورتوں سے ان کے گھر والوں کی اجازت سے نکاح کرو) اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ عورت کے گھر والوں کی اجازت،یعنی ولی اور دو گواہوں کی موجودگی میں جو نکاح ہوتا ہے، وہ نکاحِ شرعی ہی ہوتا ہے،نکاحِ متعہ کی صورت یہ نہیں ہوتی۔''

(تفسير القرطبي : 5/129، 130)

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم سے نکاحِ متعہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ صرف نکاحِ شرعی کا اثبات ہوتا ہے۔

نکاحِ متعہ اور احادیثِ رسول ﷺ

نکاحِ متعہ پہلی دفعہ غزوۂ خیبر میں منع ہوا تھا، پھر فتح مکہ کے موقع پر تین دن تک اس کی اجازت دی گئی، پھر قیامت تک کے لیے حرام کر دیا گیا۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ممانعت کی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ① : سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ، وَعَنْ لُّحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ . ''غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا تھا۔''

(صحيح البخاري : 5115، صحيح مسلم : 30/1407)

ایک روایت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

نَهٰى عَنْ مُّتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ .

''آپ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن عورتوں سے نکاحِ متعہ کرنے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔''

(صحيح البخاري : 606/2، ح : 4216، صحيح مسلم : 452/1، ح : 1407)

صحیح مسلم کی ایک روایت (1407/31) یوں ہے:

إِنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُلَيِّنُ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ، فَقَالَ : مَهْلًا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ ! فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ لُّحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ . ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عورتوں سے متعہ کرنے کے بارے میں نرم بات کرتے سنا، تو فرمایا: ابن عباس! اس فتوے سے رُک جاؤ،

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔''

صحیح مسلم کی دوسری روایت (1407/32) میں یہ الفاظ ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُّتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ.

''رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن عورتوں سے نکاحِ متعہ کرنے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔''

حدیثِ علی رضی اللہ عنہ اور علماء حدیث:

اس حدیث کی صحت کے بارے میں اہل علم کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

① امام، ابوجعفر، احمد بن محمد، نحاس (م: 338ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا اخْتِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ فِي صِحَّةِ الْإِسْنَادِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَاسْتِقَامَةِ طَرِيقِهِ بِرِوَايَتِهِ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْرِيمَ الْمُتْعَةِ.

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک بیان کی گئی سند اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے متعہ کی تحریم نقل کرنے کی صحت میں علماءِ کرام کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔'' (الناسخ والمنسوخ، ص: 322)

② معروف محدث ومفسر، حافظ، ابومحمد، حسین بن مسعود، بغوی رحمہ اللہ (م: 516ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُّتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ. ''اس حدیث کی صحت پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔'' (شرح السنّة: 99/9، ح: 2292)

③ حافظ، ابوالفرج، عبدالرحمٰن بن علی، ابن الجوزی (508-597ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ مُتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ . ''بلاشبہ اس کی صحت پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(إعلام العالم بعد رسوخه بناسخ الحديث ومنسوخه، ص : 343)

④ حافظ، ابوالفضل، عبدالرحیم بن حسین، عراقی رحمہ اللہ (725-806ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . ''اس کی صحت پر اتفاق ہے۔'' (شرح البقرة والتذكرة : 66/2)

⑤ حافظ، ابو الحسن، علی بن محمد بن عبد الصمد، سخاوی رحمہ اللہ (558-643ھ) بھی فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . ''یہ حدیث متفق علیہ ہے۔'' (فتح المغيث : 350/3)

⑥ امیرالمومنین فی الحدیث، امام، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، بخاری رحمہ اللہ (194-256ھ) فرماتے ہیں:

وَبَيَّنَهٗ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ مَنْسُوخٌ .

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ متعہ منسوخ ہو گیا ہے۔''

(صحيح البخاري، تحت الحديث : 5119)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :

اس حدیث میں یومِ خیبر کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ متعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام ہوا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اس حدیث میں یومِ خیبر کے الفاظ راوی کا وہم ہیں، کیونکہ امام زہری رحمہ اللہ کے تمام شاگرد یومِ خیبر کے الفاظ بیان کرنے میں متفق ہیں۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سالم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ الْمُتْعَةِ، فَقَالَ : حَرَامٌ، قَالَ : فَإِنَّ فُلَانًا يَّقُولُ فِيهَا، فَقَالَ : وَاللّٰهِ ! لَقَدْ عُلِمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ، وَمَا كُنَّا مُسَافِحِينَ.

''ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعہ کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: یہ حرام ہے۔ اس نے کہا: فلاں شخص اس کے جواز کا قائل ہے، تو فرمایا: اللہ کی قسم! یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دے دیا تھا۔ ہم زنا کار نہیں۔''(الموطّأ لابن وهب : 249، صحيح أبي عوانة : 29/3، شرح معاني الآثار للطحاوي : 25/3، السنن الكبرىٰ للبيهقي : 207/7، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''قوی'' قرار دیا ہے۔(التلخيص الحبير : 155/3)

تنبیہ ①: علامہ، ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (691-751ھ) لکھتے ہیں:

''خیبر کے زمانہ میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں متعہ حرام ہو، کیونکہ خیبر میں ساری کی ساری عورتیں یہودی تھیں، ان سے متعہ ممکن نہیں تھا، اس لیے کہ اس وقت اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہی نہیں تھا، تو ان سے متعہ کیسے صحیح تھا؟ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح سورۃ المائدہ کی آیت ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾ کے نزول کے بعد جائز ہوا۔ یہ سورت بالکل آخری سورتوں میں سے ہے۔''(دیکھیں زاد المعاد : 460/3)

اس کے جواب میں شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَقَعْ فِي الْحَدِيثِ التَّصْرِيحُ بِأَنَّهُمُ اسْتَمْتَعُوا فِي خَيْبَرَ، وَإِنَّمَا فِيهِ مُجَرَّدُ النَّهْيِ، فَيُؤْخَذُ مِنْهُ أَنَّ التَّمَتُّعَ مِنَ النِّسَاءِ كَانَ حَلَالًا.

''حدیث میں یہ صراحت تو نہیں ملتی کہ صحابہ کرام نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فی الواقع متعہ کیا تھا۔ اس حدیث میں تو صرف ممانعت کا ذکر ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس دور میں متعہ حلال تھا۔''(فتح الباري : 171/9)

نیز فرماتے ہیں: يُّمْكِنُ أَنْ يُّجَابَ بِأَنَّ يَهُودَ خَيْبَرَ كَانُوا يُصَاهِرُونَ الْأَوْسَ وَالْخَزْرَجَ قَبْلَ الْإِسْلَامِ، فَيَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ هُنَاكَ مِنْ نِّسَائِهِمْ مَنْ وَّقَعَ التَّمَتُّعُ بِهِنَّ، فَلَا يَنْهَضُ الِاسْتِدْلَالُ بِمَا قَالَ.

''اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ خیبر کے یہود اسلام سے قبل اوس وخزرج سے سسرالی رشتے رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ ان کی عورتوں سے متعہ ہوا ہو، لہٰذا ابن قیم رحمہ اللہ کے بیان کردہ احتمال سے استدلال درست نہیں۔''(فتح الباري : 170/9)

تنبیہ ② : سنن نسائی کی ایک روایت (3369) میں یوم خیبر کی بجائے یوم حنین کے الفاظ ہیں۔

یوم حنین کے الفاظ وہم پر مبنی ہیں، انہیں بیان کرنے میں عبد الوہاب ثقفی منفرد ہے۔ باقی سارے راوی یوم خیبر ہی بیان کرتے ہیں۔

ان الفاظ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ تَصْحِيفٌ مِّنْ خَيْبَرَ.

''ظاہر ہے کہ یہ خیبر سے تصحیف (پڑھنے میں غلطی) ہوئی ہے۔''(التلخيص الحبير : 155/3)

اب فتح مکہ کے موقع پر ہونے والی ابدی حرمت ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ② : سیدنا سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ

شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا».

''لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے نکاحِ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی،لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔جس کے پاس نکاحِ متعہ والی کوئی عورت ہو،وہ اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو تم نے ان کو دے دیا،اس میں سے کوئی چیز واپس نہ لو۔''

(صحیح مسلم: 21/1406)

ایک روایت (صحیح مسلم: 1406) میں یہ الفاظ بھی ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ، وَهُوَ يَقُولُ. ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ حجر اسود اور دروازے کے درمیان کھڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے۔''

دوسری روایت (صحیح مسلم: 22/1406) میں ہے:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُتْعَةِ عَامَ الْفَتْحِ، حِينَ دَخَلْنَا مَكَّةَ، ثُمَّ لَمْ نَخْرُجْ مِنْهَا حَتّٰى نَهَانَا عَنْهَا.

''رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں فتح مکہ والے سال مکہ میں داخل ہوتے ہوئے متعہ کی اجازت دی،پھر ہم نکلے نہیں تھے کہ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا۔''

تیسری روایت (صحیح مسلم: 25/1406) کے الفاظ یوں ہیں:

نَهٰى يَوْمَ الْفَتْحِ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ.

''آپ ﷺ نے ہمیں عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرما دیا۔''

چوتھی روایت میں یہی بات یوں بیانی ہوئی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ، وَقَالَ: «أَلَا إِنَّهَا

حَرَامٌ مِّنْ يَّوْمِكُمْ هٰذَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَانَ أَعْطٰى شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ» .

''بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے متعہ سے منع کیا اور ارشاد فرمایا: خبردار! یہ آج کے دن سے قیامت تک کے لیے حرام ہو گیا ہے۔ جس نے (کسی عورت کو متعہ کے عوض) کوئی چیز دی ہو، وہ واپس نہ لے۔''(صحیح مسلم : 28/1406)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر نکاحِ متعہ حرام کیا گیا، پھر بہت ہی محدود عرصے، تقریباً تین دن، کے لیے فتح مکہ کے موقع پر اس کی اجازت دی گئی اور اس کے بعد فتح مکہ والے دن اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا گیا۔

متعہ کی حرمت کے حوالے سے دیگر روایات کا جائزہ

متعہ کی حرمت اور غزوۂ اوطاس!

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَخَّصَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا .

''رسول اللہ ﷺ نے اوطاس والے سال متعہ کی تین دن اجازت دی، پھر اس سے منع فرما دیا۔''(صحیح مسلم : 18/1405)

ظاہری طور پر ان دونوں احادیث میں قیامت تک متعہ حرام ہونے کا موقع الگ الگ معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ دونوں احادیث ایک ہی بات کو بیان کر رہی ہیں۔

ان میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَعَامُ أَوْطَاسٍ وَّعَامُ الْفَتْحِ وَاحِدٌ، فَأَوْطَاسٌ وَّإِنْ كَانَتْ بَعْدَ الْفَتْحِ، فَكَانَتْ فِي عَامِ الْفَتْحِ بَعْدَهٗ بِيَسِيرٍ، فَمَا نَهٰى عَنْهُ ؛ لَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يُّنْسَبَ إِلٰى

عَامِ أَحَدِهِمَا أَوْ إِلَى الْآخَرِ، وَفِي رِوَايَةِ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ مَّا دَلَّ عَلٰى أَنَّ الْإِذْنَ فِيهِ كَانَ ثَلَاثًا، ثُمَّ وَقَعَ التَّحْرِيمُ، كَمَا هُوَ فِي رِوَايَةِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، فَرِوَايَتُهُمَا تَرْجِعُ إِلٰى وَقْتٍ وَّاحِدٍ، ثُمَّ إِنْ كَانَ الْإِذْنُ فِي رِوَايَةِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ بَعْدَ الْفَتْحِ فِي غَزْوَةِ أَوْطَاسٍ، فَقَدْ نُقِلَ نَهْيُهُ عَنْهَا بَعْدَ الْإِذْنِ فِيهَا، وَلَمْ يَثْبُتِ الْإِذْنُ فِيهَا بَعْدَ غَزْوَةِ أَوْطَاسٍ، فَبَقِيَ تَحْرِيمُهَا إِلَى الْأَبَدِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ !

''غزوۂ اوطاس اور فتح مکہ کا سال ایک ہی ہے۔اوطاس کا واقعہ اگرچہ بعد میں وقوع پذیر ہوا،لیکن یہ اسی سال فتح مکہ کے کچھ ہی عرصہ بعد ہوا تھا۔لہٰذا اس ممانعت کو غزوۂ اوطاس کے سال کی طرف منسوب کر لیں یا فتح مکہ کے سال کی طرف،کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سیدنا سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تین دن تک متعہ کی اجازت دی گئی تھی، پھر حرمت نازل ہو گئی۔یہی بات سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہوئی ہے۔یوں دونوں روایات ایک ہی وقت بتا رہی ہیں۔اگر سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں واقعۂ فتح مکہ کے بعد غزوۂ اوطاس ہی میں متعہ کی اجازت بیان ہوئی ہو،تو بھی اس اجازت کے بعد متعہ سے ممانعت مروی ہے اور اس کے بعد اس کی اجازت بالکل مروی نہیں،لہٰذا اس طرح بھی متعہ کی ابدی حرمت باقی ہے۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 204/7)

یعنی فتح مکہ اور غزوۂ اوطاس ایک ہی سال میں ہوئے،لہٰذا کسی نے اسے فتح مکہ کی طرف منسوب کیا اور کسی نے غزوۂ اوطاس کی طرف۔یہ واقعہ ایک ہی ہے اور دراصل فتح مکہ کے موقع پر ہی متعہ کی ابدی حرمت کا اعلان فرما دیا گیا تھا۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ :

یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ جب متعہ غزوۂ خیبر میں حرام

ہونے کے بعد فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لیے دوبارہ جائز ہوا تھا اور پھر ابدی طور پر حرام ہوا تھا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو متعہ کے حوالے سے فتح مکہ والی حرمت ہی ذکر کرتے، نہ کہ غزوۂ خیبر والی، جو بعد میں منسوخ بھی ہو گئی تھی؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَإِمَّا أَنْ يَّكُونَ الْإِذْنُ الَّذِي وَقَعَ عَامَ الْفَتْحِ لَمْ يَبْلُغْ عَلِيًّا، لِقِصَرِ مُدَّةِ الْإِذْنِ، وَهُوَ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ.

''ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جو اجازت دی گئی تھی، وہ بہت مختصر عرصے، یعنی صرف تین دن کے لیے دی گئی تھی، اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع نہ پہنچ سکی ہو گی۔''(فتح الباري في شرح صحيح البخاري: 171/9)

نیز فرماتے ہیں: يُمْكِنُ الِانْفِصَالُ عَنْ ذٰلِكَ بِأَنَّ عَلِيًّا لَّمْ تَبْلُغْهُ الرُّخْصَةُ فِيهَا يَوْمَ الْفَتْحِ، لِوُقُوعِ النَّهْيِ عَنْهَا عَنْ قُرْبٍ.

''اس اشکال سے بچنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن متعہ کے بارے میں اجازت معلوم نہ ہو سکی، کیونکہ فوراً ہی تو دوبارہ متعہ سے منع فرما دیا گیا تھا۔''

(فتح الباري: 169/9)

متعہ کی حرمت اور حجۃ الوداع!

گزشتہ صفحات میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ نکاحِ متعہ کی حرمت ایک بار غزوۂ خیبر کے موقع پر ہوئی، پھر فتح مکہ کے سال تین دن کے لیے اس کی رخصت دی گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لیے اسے حرام فرما دیا۔ اس حقیقت کے برعکس کچھ روایات میں حجۃ الوداع کا تذکرہ ملتا ہے، اس بارے میں تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

❁ سیدنا سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت یوں ہے:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، يَنْهٰى عَنْ نِّكَاحِ الْمُتْعَةِ. ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر نکاحِ متعہ سے منع فرماتے ہوئے سنا۔''(مسند الإمام أحمد : 404/3، سنن أبي داوٗد : 2072)

یہ روایت ''شاذ''(ضعیف) ہے۔اسماعیل بن امیہ راوی نے اسے بیان کرنے میں امام زہری رحمہ اللہ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت،جن میں معمر بن راشد،صالح بن کیسان، سفیان بن عیینہ،عمرو بن حارث شامل ہیں، کی مخالفت کی ہے۔

اس بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَرِوَايَةُ الْجَمَاعَةِ أَوْلٰى. ''امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کرنے والے زیادہ شاگردوں کی روایت راجح ہے۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي : 204/7)

پھر اس روایت میں صرف متعہ سے ممانعت کا ذکر ہے، متعہ کی اجازت کا نہیں، لہٰذا اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے متعہ کی ابدی حرمت کا اعلان تو فتح مکہ والے سال ہی فرما دیا تھا، البتہ مزید تاکید کے لیے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی اس کا اعلان فرما دیا۔

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَلَعَلَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ إِعَادَةَ النَّهْيِ لِيَشِيعَ وَيَسْمَعَهُ مَنْ لَّمْ يَسْمَعْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ. ''شاید آپ ﷺ نے ممانعت کا اعلان دوبارہ اس لیے کر دیا ہو کہ یہ بات خوب نشر ہو جائے اور جو پہلے نہیں سن پایا تھا، اب سن لے۔''

(فتح الباري : 170/9)

❁ سنن ابن ماجہ (1692) وغیرہ میں ربیع بن سبرہ سے بیان کرتے ہوئے عبد العزیز بن عمر راوی نے بھی حجۃ الوداع کے ''شاذ'' الفاظ بیان کیے ہیں، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْأَكَابِرِ؛ ابْنُ جُرَيْجٍ وَّالثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُمَا، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَر، وَهُوَ وَهْمٌ، فَرِوَايَةُ الْجُمْهُورِ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ زَمَنَ الْفَتْحِ.

''اسی طرح اکابر محدثین کی ایک جماعت، مثلاً ابن جریج اور سفیان ثوری وغیرہ نے عبد العزیز بن عمر سے حجۃ الوداع کے الفاظ نقل کیے ہیں، لیکن یہ (عبد العزیز بن عمر کا) وہم ہے۔ زیادہ راویوں نے ربیع بن سبرہ سے یہی بیان کیا ہے کہ متعہ کی حرمت فتح مکہ کے موقع پر ہوئی تھی۔'' (السنن الكبرٰى للبيهقي: 207/7)

ثابت ہوا کہ صحیح الفاظ وہی ہیں، جو صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے فتح مکہ والے سال منع فرمایا تھا۔

اسی بارے میں شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا حَجَّةُ الْوَدَاعِ؛ فَهُوَ اخْتِلَافٌ عَلَى الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، وَالرِّوَايَةُ عَنْهُ بِأَنَّهَا فِي الْفَتْحِ أَصَحُّ وَأَشْهَرُ.

''رہا (متعہ کی حرمت کے سلسلے میں) حجۃ الوداع (کا ذکر)، تو اس بارے میں ربیع بن سبرہ سے بیان کرنے میں کسی سے اختلاف ہوا ہے۔ ان سے صحیح ترین اور مشہور ترین روایت یہی ہے کہ متعہ کی حرمت فتح مکہ کے موقع پر ہوئی۔'' (فتح الباري: 170/9)

یاد رہے کہ طیوریات (740/2) والی روایت امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

متعہ کی حرمت اور غزوۂ تبوک!

❀ فقیہ امت، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَنَزَلْنَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ، فَرَآى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَصَابِيحَ، وَرَآى نِسَاءً يَبْكِينَ، فَقَالَ : «مَا هٰذَا؟»، فَقِيلَ : نِسَاءٌ تُمُتِّعَ مِنْهُنَّ يَبْكِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «حَرَّمَ [أَوْ قَالَ : هَدَمَ] الْمُتْعَةَ النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالْعِدَّةُ، وَالْمِيرَاثُ» .

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں غزوۂ تبوک کے لیے نکلے۔ دورانِ سفر ہم ثنیۃ الوداع کے مقام پر ٹھہرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغوں کو جلتے اور عورتوں کو روتے دیکھا، تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا: یہ وہ عورتیں ہیں جن سے متعہ کیا گیا تھا، وہ رو رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح، طلاق، عدت اور وراثت نے متعہ کو حرام کر دیا ہے۔''

(مسند أبي يعلى : 6625، سنن الدارقطني : 259/3، شرح معاني الآثار للطحاوي : 26/3، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (4149) نے ''صحیح'' کہا ہے، جبکہ حافظ ابن قطان فاسی (بيان الوهم والإيهام الواقعين في كتاب الأحكام : 84/5) اور حافظ ابن حجر (التلخيص الحبير : 154/3، ح : 1500) رحمہما اللہ نے اس کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

اس کا راوی مؤمل بن اسماعیل جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ، حسن الحدیث'' ہے۔

اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر متعہ کی حرمت ہوئی، بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے متعہ کی حرمت نازل ہو چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

موقع پر اس کو دوبارہ بیان فرما دیا۔

شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قِصَّةُ تَبُوكَ؛ فَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ التَّصْرِيحُ بِأَنَّهُمُ اسْتَمْتَعُوا مِنْهُنَّ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ، فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُونَ ذٰلِكَ وَقَعَ قَدِيمًا، ثُمَّ وَقَعَ التَّوْدِيعُ مِنْهُنَّ حِينَئِذٍ وَّالنَّهْيُ، أَوْ كَانَ النَّهْيُ وَقَعَ قَدِيمًا، فَلَمْ يَبْلُغْ بَعْضَهُمْ فَاسْتَمَرَّ عَلَى الرُّخْصَةِ .

''غزوۂ تبوک کے سلسلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ صحابہ کرام نے اس موقع پر عورتوں سے متعہ کیا۔ممکن ہے کہ متعہ تو پہلے ہی ہوا ہو،لیکن عورتوں سے جدائی اس وقت ہوئی ہو اور اسی وقت یہ ممانعت بھی بیان ہوگئی ہو۔یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ممانعت پہلے سے ہوگئی ہو،لیکن بعض صحابہ کرام کو اس کا علم نہ ہوا ہو اور وہ اس رخصت پر عمل کرتے رہے ہوں۔''(فتح الباري : 170/9)

❀ سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى غَزْوَةِ تَبُوكَ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا عِنْدَ الْعَقَبَةِ مِمَّا يَلِي الشَّامَ، جَائَتْ نِسْوَةٌ، فَذَكَرْنَا تَمَتُّعَنَا، وَهُنَّ يَجُلْنَ فِي رِحَالِنَا، أَوْ قَالَ : يَطُفْنَ فِي رِحَالِنَا، فَجَائَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرَ إِلَيْهِنَّ، فَقَالَ : «مَنْ هٰؤُلَاءِ النِّسْوَةُ؟»، فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! نِسْوَةٌ تَمَتَّعْنَا مِنْهُنَّ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجَنَتَاهُ، وَتَمَعَّرَ لَوْنُهٗ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ، فَقَامَ فِينَا، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى

عَلَيْهِ، ثُمَّ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ، فَتَوَادَعْنَا يَوْمَئِذٍ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ، وَلَمْ نَعُدْ، وَلَا نَعُودُ لَهَا أَبَدًا، فَبِهَا سُمِّيَتْ يَوْمَئِذٍ ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ.

''ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ تبوک کے لیے نکلے۔جب ہم شام کی طرف عقبہ کے قریب پہنچے، تو کچھ عورتیں آئیں۔ہم نے ان سے متعہ کا معاہدہ کر لیا، وہ ہمارے خیموں میں گھوم پھر رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔عورتوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ وہ عورتیں ہیں،جن سے ہم نے متعہ کیا ہے۔آپ ﷺ غصے میں آ گئے،حتی کہ رخسار مبارک سرخ ہو گئے اور چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔آپ ﷺ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر ہمیں متعہ سے منع فرما دیا۔ ہم مردوں اور عورتوں نے اسی وقت جدائی اختیار کر لی۔دوبارہ کبھی ایسا نہیں کیا، نہ اب کبھی کریں گے۔اسی بنا پر اس جگہ کا نام ثنیۃ الوداع (جدائی کی گھاٹی) پڑ گیا۔''

(الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار، ص: 178، نصب الراية للزيلعي: 179/3)

لیکن یہ روایت باطل (جھوٹی) ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عباد بن کثیر ''متروک'' ہے۔

② عبد اللہ بن محمد بن عقیل راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِينَ. ''اکثر محدثین کرام نے اسے ضعیف کہا ہے۔''

(المجموع شرح المهذّب: 155/1)

علامہ مناوی رحمہ اللہ حافظ ابو الفتح یعمری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ لِسُوءِ حِفْظِهِ. ''جمہور محدثین کرام نے اس کے

حافظے کی خرابی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔''(فيض القدير : 527/5)

متعہ اور عمرۃ القضاء !

امام معمر اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ:

مَا حَلَّتِ الْمُتْعَةُ قَطُّ، إِلَّا ثَلَاثًا فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ، مَا حَلَّتْ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا . ''متعہ صرف عمرۃ القضاء کے دوران تین دن حلال ہوا تھا، اس سے پہلے یا بعد کبھی حلال نہیں ہوا۔''(مصنّف عبد الرزّاق : 503/7، 504، ح : 14040)

یہ قول امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کو حرام کیا تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں متعہ حلال ہی تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو حرام قرار دیا تھا۔ آیئے ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

❀ صحابیٔ رسول، سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نَسْتَمْتِعُ بِالْقَبْضَةِ مِنَ التَّمْرِ وَالدَّقِيقِ، الْأَيَّامَ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، حَتّٰى نَهٰى عَنْهُ عُمَرُ، فِي شَأْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ .

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کھجوروں اور آٹے کی ایک مٹھی کے عوض متعہ کیا کرتے تھے، حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حریث کے معاملے میں ہمیں اس سے منع فرما دیا۔''(صحيح مسلم : 16/1405)

اس حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں متعہ سے روکا، یہ نہیں کہ انہوں نے خود اسے حرام کیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعہ کی حرمت معلوم نہیں ہو سکی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر معلوم ہو گئی۔ سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں متعہ سے روکا،تو یہی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کر دیا تھا، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لَنَا فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ حَرَّمَهَا، وَاللّٰهِ ! لَا أَعْلَمُ أَحَدًا يَّتَمَتَّعُ وَهُوَ مُحْصَنٌ، إِلَّا رَجَمْتُهُ بِالْحِجَارَةِ، إِلَّا أَنْ يَّأْتِيَنِي بِأَرْبَعَةٍ يَّشْهَدُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَحَلَّهَا بَعْدَ إِذْ حَرَّمَهَا .

”جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے،تو انہوں نے لوگوں سے یوں خطاب فرمایا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (فتح مکہ کے موقع پر) تین دن متعہ کی اجازت دی، پھر اسے حرام کر دیا۔اللہ کی قسم! میں اگر کسی بھی شادی شدہ کو متعہ کرتا پاؤں گا،تو اسے پتھروں سے رجم کر دوں گا،سوائے اس صورت کے کہ وہ چار ایسے گواہ لائے، جو گواہی دیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام کرنے کے بعد پھر حلال کر دیا تھا۔“(سنن ابن ماجہ : 1963، وسندہٗ حسنٌ)

اسی لیے شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثَبَتَ نَهْيُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فِي حَدِيثِ الرَّبِيعِ ابْنِ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِيهِ، بَعْدَ الْإِذْنِ فِيهِ، وَلَمْ نَجِدْ عَنْهُ الْإِذْنَ فِيهِ بَعْدَ النَّهْيِ عَنْهُ، فَنَهْيُ عُمَرَ مُوَافِقٌ لِنَهْيِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ : وَتَمَامُهٗ أَنْ يُّقَالَ لَعَلَّ جَابِرًا وَّمَنْ نُقِلَ عَنْهُ اسْتِمْرَارُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ بَعْدَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أَنْ نَّهٰى عَنْهَا عُمَرُ لَمْ يَبْلُغْهُمُ النَّهْيُ، وَمِمَّا يُسْتَفَادُ أَيْضًا أَنَّ عُمَرَ لَمْ يَنْهَ عَنْهَا اجْتِهَادًا، وَإِنَّمَا نَهٰى عَنْهَا مُسْتَنِدًا إِلٰى نَهْيِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ وَقَعَ التَّصْرِيحُ عَنهُ بِذٰلِكَ فِيمَا أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ طَرِيقِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : لَمَّا وَلِيَ عُمَرُ خَطَبَ، فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لَنَا فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ حَرَّمَهَا .

''رسول اللہ ﷺ کا متعہ کی اجازت دینے کے بعد اس سے منع کرنا سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ثابت ہے، جبکہ ممانعت کے بعد اس کی اجازت ثابت نہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ سے منع کرنا رسول اللہ ﷺ کی ممانعت کی موافقت میں تھا۔ یہ بات تب سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور ان لوگوں کو، جو رسول اللہ ﷺ کے بعد متعہ کرتے رہے اور ان کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے روکا، ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے روکنے کا عمل اپنے اجتہاد سے نہیں کیا تھا، بلکہ اس ممانعت کی دلیل انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے ہی کو بنایا تھا۔ اس بات کی تصریح سنن ابن ماجہ کی اس روایت میں موجود ہے، جو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا : بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (فتح مکہ کے موقع پر) تین دن متعہ کی اجازت دی تھی، پھر اس سے (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) منع فرما دیا۔''(فتح الباري : 172/9)

نیز یہ حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی متعہ شریعتِ اسلامیہ میں منسوخ اور حرام تھا، اسی لیے تو وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر اس کے قائل ہو گئے، ورنہ جس چیز کی رخصت رسول اللہ ﷺ نے دی ہو، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کو کیسے حرام کر سکتے ہیں اور ان کے کہنے پر دوسرے صحابہ کرام کیونکر اس سے رُک سکتے ہیں؟

جیسا کہ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (238-321ھ) فرماتے ہیں :

وَأَمَّا قَوْلُ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : كُنَّا نَتَمَتَّعُ حَتّٰى نَهَانَا عَنْهَا عُمَرُ، فَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ لَمْ يَعْلَمْ بِتَحْرِيمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهَا، حَتّٰى عَلِمَهٗ مِنْ قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَفِي تَرْكِهٖ مَا قَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاحَهٗ لَهُمْ، دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْحُجَّةَ قَدْ قَامَتْ عِنْدَهٗ عَلٰى نَسْخِ ذٰلِكَ وَتَحْرِيمِهٖ .

''رہا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ہم متعہ کرتے رہے،حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے روک دیا،تو ہوسکتا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متعہ سے روکنا معلوم نہ ہوا ہو اور اس ممانعت کا علم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے سے ہی ہوا ہو۔پھر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی رخصت سے رُک جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس کا منسوخ اور حرام ہونا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) ثابت ہو چکا تھا۔''(شرح معاني الآثار : 26/3)

متعہ اور علمائے امت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ :

❁ صحابیٔ رسول،سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَّنْكِحَ امْرَأَةً إِلَّا نِكَاحَ الْإِسْلَامِ، يُمْهِرُهَا، وَيَرِثُهَا وَتَرِثُهٗ، وَلَا يُقَاضِيهَا عَلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ، إِنَّهَا امْرَأَتُهٗ، فَإِنْ مَّاتَ أَحَدُهُمَا لَمْ يَتَوَارَثَا .

''کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ کسی عورت سے اسلام کے نکاح کے علاوہ کوئی اور نکاح کرے۔مرد عورت کو حق مہر دے گا اور بیوی (کے فوت ہونے پر اس) کا وارث بنے گا،(اور اس کے فوت ہونے پر) بیوی اس کی وارث بنے گی۔کوئی مرد عورت سے معین

مدت تک نکاح نہ کرے کہ وہ اس کی بیوی تو ہو،لیکن اگر وہ فوت ہو جائے، تو وہ اس کی وارث نہ بن سکے۔''(السنن الکبریٰ للبیهقي : 207/7، وسندهٔ صحیحٌ)

❁ امام عروہ بن زبیر تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَامَ بِمَكَّةَ، فَقَالَ : إِنَّ نَاسًا أَعْمَى اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ، كَمَا أَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ، يُفْتُونَ بِالْمُتْعَةِ، يُعَرِّضُ بِرَجُلٍ، فَنَادَاهُ، فَقَالَ : إِنَّكَ لَجِلْفٌ جَافٍ، فَلَعَمْرِي، لَقَدْ كَانَتِ الْمُتْعَةُ تُفْعَلُ عَلٰى عَهْدِ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ، يُرِيدُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ : فَجَرِّبْ بِنَفْسِكَ، فَوَاللّٰهِ، لَئِنْ فَعَلْتَهَا لَأَرْجُمَنَّكَ بِأَحْجَارِكَ .

''سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں کھڑے ہوئے اور ایک شخص کی طرف تعریض کرتے ہوئے فرمایا : کچھ لوگوں کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اندھی کی ہیں،ان کے دل بھی اندھے کر دیئے ہیں اور وہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں۔پھر انہوں نے اس آدمی کو بلایا،تو وہ کہنے لگا : تم بڑے سخت طبع آدمی ہو،قسم سے متعہ تو امام المتقین ،یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہوتا رہا ہے۔اس پر سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے : اپنی ذات پر ذرا تجربہ تو کرو۔اللہ کی قسم ! اگر تم نے ایسا کیا،تو میں ضرور تمہیں تیرے پتھروں کے ساتھ رجم کر دوں گا۔''(صحیح مسلم : 27/1406)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوع :

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نکاحِ متعہ کو جائز سمجھتے تھے،لیکن جب انہیں متعہ کی حرمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان معلوم ہوا،تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع فرما لیا تھا،جیسا کہ :

❀ ابو جمرہ، نصر بن عمران تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، فَقَالَ مَوْلًى لَّهٗ: إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْغَزْوِ، وَالنِّسَاءُ قَلِيلٌ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: صَدَقْتَ.

''میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں کے متعہ کے بارے میں سوال کیا، تو ان کے غلام نے کہا: یہ تو اس وقت غزوات میں جائز ہوتا تھا، جب عورتیں کم تھیں۔ اس پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تُو نے سچ کہا ہے۔''

(شرح معاني الآثار للطحاوي: 26/3، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں:

هٰذَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: إِنَّمَا أُبِيحَتْ وَالنِّسَاءُ قَلِيلٌ، أَيْ فَلَمَّا كَثُرْنَ ارْتَفَعَ الْمَعْنَى الَّذِي مِنْ أَجْلِهٖ أُبِيحَتْ.

''یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، جو فرما رہے ہیں کہ متعہ اس وقت جائز قرار دیا گیا تھا، جب عورتیں کم تھیں۔ یعنی جب عورتیں زیادہ ہو گئیں، تو وہ سبب ختم ہو گیا، جس کی بنا پر اسے جائز قرار دیا گیا تھا (لہٰذا اسے حرام کر دیا گیا)۔'' (شرح معاني الآثار: 26/3)

مشہور لغوی، ابن منظور، افریقی (282-370ھ) لکھتے ہیں:

فَالثَّابِتُ عِنْدَنَا أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَرَاهَا حَلَالًا، ثُمَّ لَمَّا وَقَفَ عَلٰى نَهْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا رَجَعَ عَنْ إِحْلَالِهَا.

''ہمارے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو حلال سمجھتے تھے، پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا تھا، تو انہوں نے اس کو حلال قرار دینے سے رجوع فرما لیا تھا۔'' (لسان العرب: 330/8)

امام ابوعُبَید، قاسم بن سلام رحمہ اللہ (150-224ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ كَانَ يَتَرَخَّصُ فِيهَا، إِلَّا مَا كَانَ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَإِنَّهُ كَانَ ذٰلِكَ مَعْرُوفًا مِّنْ رَّأْيِهِ، ثُمَّ بَلَغَنَا أَنَّهُ رَجَعَ عَنْهُ.

''ہمارے علم میں کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا، جو متعہ کی اجازت دیتا ہو، سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ ان کا فتویٰ اس بارے میں مشہور تھا، لیکن پھر ہمیں یہ روایت بھی پہنچ گئی کہ انہوں نے اس فتوے سے رجوع فرما لیا تھا۔'' (الناسخ والمنسوخ، ص: 80)

تابعین اور نکاحِ متعہ:

امام سعید بن مسیّب تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نَسَخَ الْمُتْعَةَ الْمِيرَاثُ. ''متعہ کو وراثت نے منسوخ کر دیا ہے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة: 551/3، ح: 17070، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردِ رشید، امام عروہ بن زبیر تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَلَا وَإِنَّ الْمُتْعَةَ هِيَ الزِّنَا. ''خبردار! نکاحِ متعہ زنا ہی ہے۔''

(الناسخ والمنسوخ للقاسم بن سلّام: 130، مصنّف ابن أبي شيبة: 552/3، وسندهٗ حسنٌ)

امام مالک رحمہ اللہ اور متعہ:

صاحبِ ہدایہ، علامہ مرغینانی حنفی (م: 593ھ) نے لکھا ہے:

وَقَالَ مَالِكٌ: هُوَ جَائِزٌ. ''امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ جائز ہے۔''

(الهداية شرح بداية المبتدي: 333/2)

لیکن امام مالک رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت غلط ہے، اس پر کئی دلائل ہیں:

① امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مؤطا'' میں متعہ کی حرمت پر حدیث ذکر کی

ہے۔شارحِ ہدایہ،علامہ عینی حنفی (762-855ھ)اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

عَادَةُ مَالِكٍ أَنْ لَّا يَرْوِيَ حَدِيثًا فِي مُؤَطَّإِهِ إِلَّا وَهُوَ يَذْهَبُ وَيَعْمَلُ بِهِ، وَلَوْ ذُكِرَ عَنْهُ مَا ذَكَرَهُ الْأَكْمَلُ لَذَكَرَهُ أَصْحَابُهُ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُ شَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ .

''امام مالک رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی کتاب مؤطا میں جو بھی حدیث ذکر کرتے ہیں، اس کے مطابق اپنا مذہب بھی بناتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اگر بات ایسے ہی ہوتی،جیسے اکمل نے ذکر کی ہے(کہ امام مالک رحمہ اللہ متعہ کو جائز سمجھتے تھے)،تو امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردان سے یہ بات ذکر کرتے،لیکن ان سے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی گئی۔''(البناية شرح الهداية : 63/5)

② علمائے حق میں سے کسی نے اس قول کو امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا۔

③ صاحبِ ہدایہ کے ردّ میں کاکی حنفی لکھتے ہیں :

هٰذَا سَهْوٌ، فَإِنَّ الْمَذْكُورَ فِي كُتُبِ مَالِكٍ حُرْمَةُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ .

''یہ صاحبِ ہدایہ کی غلطی ہے،کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی کتب میں نکاحِ متعہ کی حرمت ذکر کی گئی ہے۔''(البناية شرح الهداية للعيني الحنفي : 63/5)

④ مالکیوں کی کتابوں میں متعہ کو بالاجماع حرام لکھا گیا ہے۔

⑤ شارحِ ہدایہ،علامہ ابن ہمام حنفی(790-861ھ) لکھتے ہیں :

نِسْبَتُهٗ إِلٰى مَالِكٍ غَلَطٌ . ''امام مالک کی طرف اس قول کی نسبت غلط ہے۔''

(فتح القدير : 247/3)

⑥ اس بارے میں ابن نجیم حنفی(م:790ھ) لکھتے ہیں :

وَمَا فِي الْهِدَايَةِ، مِنْ نِّسْبَتِهٖ إِلٰى مَالِكٍ، فَغَلَطٌ، كَمَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُونَ .

''ہدایہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جو متعہ کے جواز کی نسبت کی گئی ہے، وہ غلط ہے، جیسا کہ شارحین نے ذکر کیا ہے۔''(البحر الرائق شرح کنز الدقائق : 115/3)

معلوم ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا متعہ کو جائز کہنا قطعاً ثابت نہیں۔

اھل حجاز اور متعہ:

✿ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ:

يُجْتَنَبُ أَوْ يُتْرَكُ مِنْ قَوْلِ أَهْلِ الْعِرَاقِ خَمْسٌ، وَمِنْ قَوْلِ أَهْلِ الْحِجَازِ خَمْسٌ، وَمِنْ قَوْلِ أَهْلِ الْعِرَاقِ : شُرْبُ الْمُسْكِرِ، وَالْأَكْلُ عِنْدَ الْفَجْرِ فِي رَمَضَانَ، وَلَا جُمُعَةَ إِلَّا فِي سَبْعَةِ أَمْصَارٍ، وَتَأْخِيرُ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتّٰى يَكُونَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ أَرْبَعَةَ أَمْثَالِهِ، وَالْفِرَارُ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَمِنْ قَوْلِ أَهْلِ الْحِجَازِ : اسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي، وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ، وَالْمُتْعَةُ بِالنِّسَاءِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمَيْنِ، وَالدِّينَارُ بِالدِّينَارَيْنِ يَدًا بِيَدٍ، وَإِتْيَانُ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ .

''پانچ اقوال اہل عراق کے اور پانچ اقوال اہل حجاز کے چھوڑ دیئے جائیں؛ اہل عراق کے یہ پانچ قول ترک کیے جائیں : ① نشہ آور چیز پینا۔ ② رمضان میں فجر کے نزدیک کھانا۔ ③ سات شہروں کے علاوہ کہیں بھی جمعہ نہ ہونا۔ ④ چار گنا سایہ ہونے تک عصر کی نماز کو لیٹ کرنا۔ ⑤ کفار سے لڑائی کے دوران بھاگ جانا۔ اور اہل حجاز کے یہ پانچ اقوال قابل ترک ہیں؛ ① موسیقی سننا۔ ② دو نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کرنا۔ ③ عورتوں سے متعہ کرنا۔ ④ نقد کی صورت میں ایک درہم کے بدلے دو درہم اور ایک دینار کے بدلے دو دینار کا لین دین کرنا۔ ⑤ عورتوں سے غیر فطری مباشرت۔''

(معرفة علوم الحديث للحاكم : 65، تاريخ دمشق لابن عساكر : 54/58، 59)

لیکن اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے شاگرد ابوعبداللہ بن بحر کی توثیق نہیں مل سکی۔ غیر معتبر اور نامعلوم لوگوں کی بیان کردہ بات قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

❁ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک قول میں متعہ کے جواز کی نسبت اہل مکہ کی طرف کی گئی ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر :362/1)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی محمد بن ادریس بن حجاج المعروف بہ ابن ابوحمادہ ''مجہول'' ہے۔ متقدمین ائمہ محدثین میں سے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اس میں ایک اور علت بھی ہے۔

متعہ اور حج تمتع؟

بعض احادیث میں حج تمتع کو بھی متعہ کہا گیا ہے۔ اس سے بھی بعض لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان احادیث کو نکاحِ متعہ پر دلیل بنا لیتے ہیں، جیسا کہ:

❁ مسلم القری، تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلْنَا عَلٰی أَسْمَاءِ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، فَسَأَلْنَاهَا عَنْ مُّتْعَةِ النِّسَاءِ، فَقَالَتْ: فَعَلْنَاهَا عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''ہم سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان سے عورتوں کے متعہ (حج) کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایسا کیا ہوا ہے۔'' (السنن الکبرٰی للنسائي : 5515، مسند أبي داوٗد الطیالسي : 1742، وسندهٗ حسنٌ)

معجم کبیر طبرانی (103/24) میں صرف ''متعہ'' کے الفاظ ہیں۔

اس سے مراد حجِ تمتع ہے، کیونکہ اسے بھی مجازاً متعہ حج کہا جاتا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: فَسَأَلْنَاهَا عَنْ مُّتْعَةِ الْحَجِّ لِلنِّسَاءِ.

''ہم نے سیدہ اسماء سے عورتوں کے لیے حج تمتع کرنے کے بارے میں پوچھا۔''

اسی پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں حج تمتع کیا ہوا ہے۔

اس بات کی وضاحت صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے:

❁ مسلم القری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ مُتْعَةِ الْحَجِّ، فَرَخَّصَ فِيهَا، وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَنْهٰى عَنْهَا، فَقَالَ : هٰذِهِ أُمُّ ابْنِ الزُّبَيْرِ تُحَدِثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِيهَا، فَادْخُلُوا عَلَيْهَا، فَاسْأَلُوهَا، قَالَ : فَدَخَلْنَا عَلَيْهَا، فَإِذَا امْرَأَةٌ ضَخْمَةٌ عَمْيَاءُ، فَقَالَتْ : قَدْ رَخَّصَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا .

''میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے اس کی رخصت دی، جبکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس سے منع فرماتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہی بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں رخصت دی تھی، ان کے پاس جاؤ اور پوچھ لو۔ ہم سیدہ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے، وہ نابینا اور بھاری بھرکم عورت تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کی اجازت دی تھی۔''(صحیح مسلم : 1238)

اس کی مزید تائید صحیح بخاری (1796) اور صحیح مسلم (1237) کی ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ حدیث میں متعہ سے مراد متعۃ الحج ہے، نہ کہ نکاحِ متعہ۔

الحاصل : قرآن وسنت اور اجماعِ امت کی رُو سے نکاحِ متعہ قیامت تک حرام کر دیا گیا ہے۔ اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

تعظیم کی نیت سے کسی کے پاؤں چومنا ناجائز اور غیر مشروع عمل ہے۔بعض لوگ کچھ روایات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک چومتے تھے،لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔اس پر سہاگہ یہ کہ صحابہ کرام،تابعین عظام اور تبع تابعین کے تین بہترین ادوار میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس سلسلے میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں،ان کا مختصر تحقیقی تجزیہ پیش خدمت ہے:

روایت نمبر ① : سیدنا صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر نو آیاتِ بینات کے متعلق سوال کیے۔آپ ﷺ نے ان کے جوابات دے دیے،تو:

فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ . ''انہوں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔''(مسند الإمام أحمد :4/239، 240، سنن الترمذي :2733، السنن الكبرٰى للنسائي :3527، سنن ابن ماجه :3705، مختصرًا)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ . ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُ لَهٗ عِلَّةً بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوهِ . ''یہ حدیث صحیح ہے۔ہمیں اس میں کسی بھی قسم کی کوئی علت

معلوم نہیں ہوئی۔''(المستدرك على الصحيحين :15/1)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت کی ہے۔

تجزیہ : یہ حدیث ''منکر'' ہے۔اس کا راوی عبد اللہ بن سلمہ اگرچہ ''حسن الحدیث'' ہے،لیکن آخری عمر میں اس کے حافظے میں خرابی پیدا ہوگئی تھی،جیسا کہ اس کے شاگرد عمرو بن مرہ فرماتے ہیں : كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَمَةَ قَدْ كَبِرَ، وَكَانَ يُحَدِّثُنَا، فَنَعْرِفُ وَنُنْكِرُ . ''عبد اللہ بن سلمہ بوڑھے ہو گئے تھے۔وہ ہمیں حدیث بیان کرتے تو ہمیں ان سے کچھ معروف اور کچھ منکر حدیثیں ملتیں۔''

(مسند علي بن الجعد : 66، العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد برواية عبد اللّٰه : 1824، الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي : 1920، واللفظ لهٗ)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : تَعْرِفُ وَتُنْكِرُ .

''یہ معروف اور منکر دونوں قسم کی روایات بیان کرتا ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 74/5)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَلَا يُتَابَعُ فِي حَدِيثِهٖ .

''ثقہ راوی اس کی روایات کی متابعت نہیں کرتے۔''(التاريخ الكبير : 99/5)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''منکر'' کہا ہے۔(السنن الكبرٰی : 3527)

سنی مفسر،حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں :

وَهُوَ حَدِيثٌ مُّشْكَلٌ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَمَةَ فِي حِفْظِهٖ شَيْءٌ، وَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ، وَلَعَلَّهُ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ التِّسْعُ الْآيَاتُ بِالْعَشْرِ الْكَلِمَاتِ، فَإِنَّهَا وَصَايَا فِي التَّوْرَاةِ، لَا تَعَلُّقَ لَهَا بِقِيَامِ الْحُجَّةِ عَلٰى فِرْعَوْنَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ !

''اس حدیث میں اشکال ہے۔عبد اللہ بن سلمہ کے حافظے میں کچھ خرابی تھی، محدثین کرام نے اس پر جرح بھی کی ہے۔ممکن ہے کہ اس کو نو آیات اور دس کلمات میں اشتباہ ہو گیا ہو، کیونکہ دَس کلمات تو تورات میں وصیت کی صورت میں ہیں،ان کا فرعون کے خلاف دلیل بننے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔''(تفسير ابن كثير : 124/5)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عبد اللہ بن سلمہ کے بارے میں فرماتے ہیں :

صَدُوقٌ، تَغَيَّرَ حِفْظُهٗ . ''یہ سچا راوی تھا،لیکن اس کے حافظے میں خرابی واقع ہو گئی تھی۔''(تقريب التهذيب : 3364)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدَ بْنَ يَعْقُوبَ الْحَافِظَ، وَيَسْأَلُهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ : لِمَ تَرَكَا حَدِيثَ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ أَصْلًا، فَقَالَ : لِفَسَادِ الطَّرِيقِ إِلَيْهِ .

''میں نے امام ابوعبد اللہ،محمد بن یعقوب الحافظ کو سنا،ان سے محمد بن عبید اللہ یہ سوال کر رہے تھے کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کو بالکل ہی کیوں چھوڑ دیا تھا؟اس پر انہوں نے فرمایا : کیونکہ اس کی سند خراب تھی۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم :15/1)

اس کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی توجیہ صحیح نہیں۔

مذکورہ بحث کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن سلمہ کی جس حدیث کو محدثین کرام ''منکر'' قرار دیں گے، وہ ''ضعیف'' ہو گی اور باقی ''حسن'' ہوں گی۔

روایت نمبر ② : صحابیٔ رسول،زارع بن عامر رضی اللہ عنہ،جو وفدِ عبدالقیس میں شامل تھے،ان کی طرف منسوب ہے کہ :

لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا، فَنَتَقَبَّلُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ . ''جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو ہم جلدی کرتے ہوئے اپنے کجاووں سے نکلے اور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔''

(سنن أبي داوٗد : 5225، القبل والمعانقة والمصافحة لابن الأعرابي : 41، الأدب المفرد للبخاري : 975)

تجزیہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کو بیان کرنے والی راویہ امِ ابان بنت وازع کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی، لہٰذا حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا اس کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ :

رَوَتْ ـــ حَدِيثًا حَسَنًا، سَاقَتْهُ بِتَمَامِهِ وَطُولِهِ سِيَاقَةً حَسَنَةً .

''امِ ابان نے ـــ ایک حسن حدیث روایت کی ہے۔ اس نے اس حدیث کو مکمل اور طول کے ساتھ اچھا بیان کیا ہے۔'' (الاستيعاب في معرفة الأصحاب : 80/4)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امِ ابان کو ''مجہولات'' میں شمار کیا ہے۔ (میزان الاعتدال : 611/4)

روایت نمبر ③ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا : اللہ کے رسول! میں یقیناً مسلمان ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں، جس سے میرا ایمان بڑھ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا : آپ اس درخت کو بلائیں، وہ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے درخت کو بلایا اور وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور سلام کہا۔ آپ ﷺ نے اسے واپس اپنی جگہ جانے کا کہا، تو وہ چلا گیا، تب اس دیہاتی نے کہا :

اِئْذَنْ لِي أَنْ أُقَبِّلَ رَأْسَكَ وَرِجْلَيْكَ .

''مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے سر اور دونوں پاؤں مبارک کو چوموں۔''

آپ ﷺ نے اسے اجازت دی، تو اس نے ایسا کر لیا۔

(مسند الدارمي : 1472، القبل لابن الأعرابي : 42، تقبيل اليد لأبي بكر بن المقري : 5، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 172/4، دلائل النبوّة لأبي نعيم الأصبهاني :291)

تجزیہ : یہ روایت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی صالح بن حیان قرشی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح الاسناد'' کہا، تو اس کے ردّ میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: بَلْ وَاهٍ ، وَفِي إِسْنَادِهِ صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ مَتْرُوكٌ .

''یہ ضعیف روایت ہے، اس کی سند میں صالح بن حیان راوی متروک ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(تقريب التهذيب :2851)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' ہی کہا ہے۔

(تاريخ ابن معين برواية الدارمي : ص : 134، ت : 434)

امام نسائی رحمہ اللہ اسے غیر ثقہ کہتے ہیں۔(الضعفاء والمتروكون : 295)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .

''اس کی بیان کردہ اکثر روایات غیر محفوظ ہیں۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 55/4)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں ''فیہ نظر'' فرمایا ہے۔(التاريخ الكبير : 275/4)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''لیس بالقوی'' کہا ہے۔(الضعفاء والمتروكون : 289)

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 398/4)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَرْوِي عَنِ الثِّقَاتِ أَشْيَاءَ لَا تُشْبِهُ حَدِيثَ الْأَثْبَاتِ، لَا يُعْجِبُنِي الِاحْتِجَاجُ بِهِ إِذَا انْفَرَدَ .

''یہ ثقہ راویوں سے منسوب کر کے ایسی روایات نقل کرتا ہے، جو ثقہ راویوں کی احادیث سے میل نہیں کھاتیں۔ مجھے اس حدیث سے استدلال کرنا پسند نہیں، جس کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہو۔''(المجروحين :369/1)

امام حربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَهُ أَحَادِيثُ مُنْكَرَةٌ .

''اس نے منکر احادیث بیان کی ہیں۔''(تهذيب التهذيب لابن حجر : 387/4)

امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جَائِزُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ الْحَدِيثُ، وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ، وَهُوَ فِي إِعْدَادِ الشُّيُوخِ .

''یہ جائز الحدیث ہے، اس کی حدیث لکھ لی جائے گی، مگر یہ قوی نہیں۔ اس کا شمار شیوخ میں ہوتا ہے۔''(تاريخ العجلي : 225)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ، وَلَمْ يُوَثِّقْهُ أَحَدٌ .

''یہ ضعیف راوی ہے، اسے کسی محدث نے ثقہ نہیں کہا۔''(مجمع الزوائد :105/1)

روایت نمبر ④ :

سیدنا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ: أَتَى، فَقَبَّلَ قَدَمَيْهِ .

''وہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدموں کو چوم لیا۔''

(الرخصة في تقبيل اليد لابن المقرئ : 14، المعجم لأبي يعلى الموصلي : 89)

تجزیہ :

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① ام ہیثم بنتِ عبد الرحمٰن بن فضالہ، سعدیہ کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

②، ③ اسی طرح ابو عبد الرحمٰن بن فضالہ اور ابو فضالہ بن عبد اللہ وغیرہ کی بھی توثیق درکار ہے۔

روایت نمبر ⑤ : ابو برہ، یسار، مولیٰ عبد اللہ بن سائب مخزومی سے مروی ہے : دَخَلْتُ مَعَ مَوْلَايَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُمْتُ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَبَّلْتُ رَأْسَهٗ وَيَدَهٗ وَرِجْلَهٗ .

''میں اپنے مولیٰ عبد اللہ بن سائب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں آپ ﷺ کی طرف گیا اور آپ ﷺ کا سر، ہاتھ اور پاؤں مبارک چوم لیا۔''

(الرخصة في تقبيل اليد لابن المقري : 24)

تجزیہ : اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن قاسم ''ضعیف'' ہے۔

اس کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''منکر'' قرار دیتے ہوئے امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، وَلَسْتُ أُحَدِّثُ عَنْهُ .

''اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ میں اس سے حدیث روایت نہیں کرتا۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 71/2)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، يُوصِلُ الْأَحَادِيثَ .

''اس کی احادیث منکر ہیں۔ یہ احادیث میں وصل کرتا تھا۔''(الضعفاء الكبير : 71/2)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے :

مَا هٰذَا الْحَدِيثُ بِبَعِيدٍ مِنَ الْوَضْعِ .

''کوئی بعید نہیں کہ یہ حدیث گھڑنت ہی ہو۔''(تاريخ الإسلام : 1096/5، طبعة بشّار)

② احمد کے باپ محمد بن عبد اللہ بن قاسم کے حالات نہیں مل سکے۔

③ احمد کے دادا عبد اللہ بن قاسم کی توثیق نہیں ملی۔

روایت نمبر ⑥ : مشہور مفسر، امام، اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن ابو کریمہ، سدی، تابعی رحمہ اللہ (م: 127ھ) سورۂ مائدہ کی آیت 111 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں۔ اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور آپ کا پاؤں مبارک چوم لیا۔(تفسير الطبري: 17/9، طبعة هجر، 102/11، ح: 12801، طبعة شاكر)

تجزیہ : امام سدی رحمہ اللہ تابعی ہیں اور بلاواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہے ہیں، لہٰذا یہ روایت ''مرسل'' ہے، جو کہ ''ضعیف'' حدیث کی ایک قسم ہے۔

روایت نمبر ⑦ : صہیب مولی عباس کا بیان ہے:

رَأَيْتُ عَلِيًّا يُقَبِّلُ يَدَ الْعَبَّاسِ وَرِجْلَيْهِ، وَيَقُولُ: يَا عَمِّ! ارْضَ عَنِّي.

''میں نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور دونوں پاؤں کو چومتے ہوئے کہہ رہے تھے: چچا جان! مجھ سے راضی ہو جائیے۔''

(الأدب المفرد للبخاري: 976، الرخصة في تقبيل اليد لابن القري: 15، تاريخ دمشق لابن عساكر: 372/26)

تجزیہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ صہیب مولیٰ عباس کی سوائے ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 381/4) کے کسی نے توثیق نہیں کی، لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَصُهَيْبٌ لَّا أَعْرِفُهٗ.

''صہیب کو میں نہیں جانتا۔''(سير أعلام النبلاء: 94/2)

لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (تقريب التهذيب: 2955) کا اسے ''صدوق'' کہنا صحیح نہ ہوا۔

روایت نمبر ⑧ : بیان کیا جاتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: دَعْنِي حَتّٰى أُقَبِّلَ رِجْلَيْكَ .

''مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے دونوں پاؤں کو چوم لوں۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 68/52، التقیید لمعرفة رواة السنن والمسانید لابن نقطة : 331)

تجزیہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ ابونصر احمد بن حسن بن احمد بن حمویہ، ورّاق کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

اس کی ایک دوسری سند تاریخ بغداد (102/3، 103) اور تاریخ دمشق (68/52) میں آتی ہے۔ وہ بھی ''ضعیف'' ہے۔ اس کے راوی ابونصر احمد بن محمد، ورّاق کی توثیق نہیں مل سکی۔

اصولِ محدثین اور بریلوی مذہب

قدم بوسی کے متعلق روایات کا محدثین کرام کے اصولوں کے مطابق جائزہ لینے کے بعد معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ ثابت نہیں۔ سلف صالحین سے بھی باسندِ صحیح اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ لہٰذا اولیاء و صالحین کے پاؤں چومنا جائز نہیں۔

اس کے باوجود بریلوی مفتی، احمد یار خان نعیمی، گجراتی (1324-1391ھ) لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اس طرح ان کے بعد ان کے تبرکات بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے۔ احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے، لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔'' (''جاء الحق'': 368/1)

اولیاء اللہ کے ہاتھ چومنا جائز ہے اور اسے بھی عبادت نہیں بنانا چاہیے۔ رہا پاؤں چومنا، تو اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہو سکا، چہ جائیکہ مستحب ہو! باقی جہاں تک تبرکات کی بات ہے، تو وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے

راشدین جیسے کبار صحابہ کرام کی چھوڑی ہوئی چیزوں کو کسی صحابی یا تابعی نے تبرک نہیں بنایا۔ بعد کے بزرگوں کے خود ساختہ تبرکات کو چومنا کیسے جائز ہوا؟

جناب احمد یار خان، بریلوی مزید لکھتے ہیں :

''ان احادیث و محدثین وعلماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس، نعلین، بال غرضیکہ سارے تبرکات، اسی طرح کعبہ معظّمہ، قرآنِ مجید، کتبِ احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعثِ برکت ہے، بلکہ بزرگانِ دین کے بال ولباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا۔'' (''جاء الحق'': 399/1)

یہ سراسر غلوّ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے آثارِ مبارکہ کے علاوہ کسی بھی ولی و صالح شخص کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں، تو بوسہ دینا کیسے جائز ہوا؟ کعبہ معظّمہ، قرآنِ مجید اور کتبِ احادیث کے اوراق کو چومنے پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ یہ غیرمشروع عمل ہے۔ اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا، تو صحابہ وتابعین جیسے اسلافِ امت اس سے کیونکر غافل رہتے؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، تو فرمایا :

وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ، مَا قَبَّلْتُكَ .

''اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔'' (صحيح البخاري : 1597، صحيح مسلم : 1270)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا بوسہ شریعتِ اسلامیہ سے ثابت نہ ہو، اس کو بوسہ دینا ناجائز اور غیرمشروع ہے۔

اسی حدیث کی شرح میں شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قَالَ شَيْخُنَا فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ : فِيهِ كَرَاهِيَةُ تَقْبِيلِ مَا لَمْ يَرَهُ الشَّرْعُ بِتَقْبِيلِهِ .

''ہمارے شیخ (حافظ عراقی رحمہ اللہ) جامع ترمذی کی شرح میں فرماتے

ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو بوسہ دینے کی تعلیم شریعت نے نہ دی ہو، اس کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔''(فتح الباري : 463/3)

جناب احمد یار خان نعیمی مزید لکھتے ہیں : ''تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے : ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ یعنی اے بنی اسرائیل! تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو: ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس، جو انبیائے کرام کی آرامگاہ ہے، اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔''(''جاء الحق'':368/1)

یہ قرآنِ کریم کی معنوی تحریف اور قبروں کے بارے میں غلو پر مبنی تحریر ہے۔ یہ قبے اور آستانے ان لوگوں کی شکم پروری کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان پر بہت زور دیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں شریعت کی حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے۔

اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ جس جگہ سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہاں انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تم اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ کسی مسلمان مفسر نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔ اس کے برعکس مفسرین کرام نے اس سجدہ کو سجدۂ شکر قرار دیا ہے۔

مشہور سنی مفسر، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں :

أَيْ شُكْرًا لِّلّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا أَنْعَمَ بِهٖ عَلَيْهِمْ مِّنَ الْفَتْحِ وَالنَّصْرِ، وَرَدَّ بَلَدَهُمْ إِلَيْهِمْ، وَانْقَاذَهُمْ مِّنَ التِّيهِ وَالضَّلَالِ.

''یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ اللہ نے ان کو فتح و نصرت عطا فرمائی، ان کو ان کا علاقہ واپس دے دیا اور ان کو پستی و گمراہی سے نجات دی۔''

(تفسير ابن كثير :247/1، طبعة المهدي)

اہل علم نے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو بوسہ دینا اور اسے مس کرنا مکروہ اور بدعت خیال کیا ہے۔جب سے تقلید آئی ہے، بدعات کی بھرمار ہوگئی ہے۔مقلدین کو کوئی روک ٹوک نہیں، جسے چاہیں جواز کا درجہ دے دیں اور جسے چاہیں حرام قرار دے ڈالیں، کیونکہ انہیں دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

زمین بوسی : علما وعظما کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے:

وَكَذَا مَا يَفْعَلُونَهُ مِنْ تَقْبِيلِ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ، وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِي بِهِ آثِمَانِ، لِأَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثَنِ، وَهَلْ يُكَفَّرَانِ؟ عَلٰى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيمِ كُفْرٌ، وَإِنْ عَلٰى وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا، وَصَارَ آثِمًا مُّرْتَكِبًا لِّلْكَبِيرَةِ .

''اسی طرح جو علما وعظما کے سامنے زمین بوسی کا عمل کیا جاتا ہے، یہ بھی حرام ہے۔ اس کو کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا،دونوں گناہ گار ہیں،کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ عمل ہے۔کیا ایسا کرنے والے کو کافر کہا جائے گا؟[اس میں تفصیل ہے]۔اگر وہ عبادت اور تعظیم کی بنا پر ایسا کر رہا ہے،تو یہ عمل کفر ہے اور اگر بطورِ تحیہ ہے تو حرام نہیں،لیکن ایسا کرنے والا گناہ گار، بلکہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔''(ردّ المحتار على الدرّ المختار لابن عابدين : 383/6، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق للزيلعي : 25/6، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لشيخي زاده : 542/2، البناية شرح الهداية للعيني الحنفي : 198/12)

الحاصل : نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔صحابہ کرام،تابعین عظام اور تبع تابعین کے دور میں قدم بوسی کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ یوں قدم بوسی اور زمین بوسی ناجائز اعمال وافعال ہیں۔
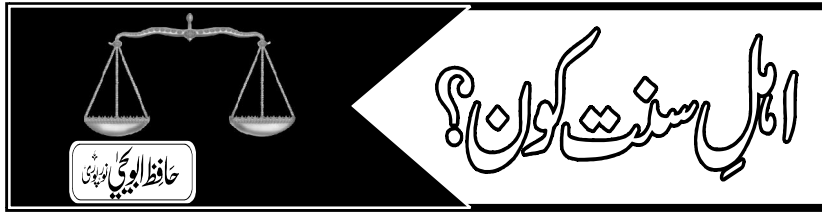
شیخ الاسلام، ابوالعباس، احمد بن عبدالحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں :

''صفاتِ باری تعالیٰ کے انکار کا نظریہ بنیادی طور پر یہود و نصاریٰ کے تلامذہ اور گمراہ بے دین لوگوں سے لیا گیا۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے جس شخص نے یہ نظریہ پیش کیا، وہ جعد بن درہم ہے۔ اس سے جہم بن صفوان نے یہ نظریہ لیا، اسی لیے اس نظریے کے ماننے والے جہمیہ کہلائے۔ ایک قول کے مطابق جعد بن درہم نے یہ نظریہ ابان بن سمعان سے، ابان نے طالوت سے اور طالوت نے اپنے ماموں لبید بن اعصم یہودی سے یہ نظریہ لیا تھا۔ یہ لبید بن اعصم یہودی وہی شخص تھا، جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جعد بن درہم حرّان کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس علاقے میں بے دین اور فلسفی لوگوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، جو نمرود کے باقی ماندہ پیروکاروں اور ان کنعانیوں پر مشتمل تھی، جن کے جادو کے قصوں پر بعد والے بعض مصنّفین نے پوری پوری کتابیں لکھیں۔۔۔ اس دور میں ان بے دین لوگوں کی اکثریت شرک پر کاربند تھی۔ ان کے علما فلسفے پر عبور رکھتے تھے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ان بے دین لوگوں کا مذہب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات یا تو سلبی ہیں یا اضافی، یا پھر ان دونوں سے مرکب۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت نہیں۔ نیز وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو انہی کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ جعد نے یہ نظریہ انہی بے دین فلاسفہ سے اخذ کیا ہو۔ اسی طرح ابونصر فارابی بھی حران میں آیا اور اپنا تمام فلسفہ یہاں کے بے دین فلاسفہ سے لیا۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے بقول جہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔۔۔ یہ جہم کے عقیدے کے سارے تانے بانے ہیں، جو یہودیوں، بے دین لوگوں، مشرکوں اور گمراہ فلسفیوں سے جا ملتے ہیں۔

پھر دوسری صدی میں جب رومی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، تو گمراہوں کے دلوں میں شیطان کی پیدا کی ہوئی بیماری مزید بڑھ گئی۔ دوسری صدی میں یہ نظریہ، جسے سلف صالحین جہمیہ

عقیدے کا نام دیتے تھے، بشر مریسی اور اس کے پیروکاروں نے پھیلایا۔ اکابر ائمہ دین، جیسے امام مالک، امام سفیان بن عیینہ، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام فضیل بن عیاض، امام بشر حافی رحمہم اللہ وغیرہ نے ان کا ردّ کیا اور انہیں گمراہ قرار دے کر ان کی خوب مذمت کی۔

موجودہ دور میں لوگوں کے پاس صفاتِ باری تعالیٰ کی جو تاویلیں ہیں، جیسا کہ ابو بکر بن فورک نے اپنی کتاب التاویلات میں، ابوعبداللہ محمد بن عمر رازی نے اپنی کتاب تاسیس التقدیس میں، ان کے علاوہ ابوعلی جبائی، عبد الجبار بن احمد ہمدانی، ابوالحسین بصری، ابوالوفا بن عقیل، ابو حامد غزالی وغیرہ نے جو اکثر تاویلات ذکر کی ہیں، یہ ساری کی ساری بالکل وہی تاویلات ہیں، جو بشر مریسی نے اپنی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض مصنّفین نے کسی جگہ تاویل کا ردّ بھی کیا ہے اور بعض اوقات اس سلسلے میں اچھی بات بھی کی ہے، لیکن میرا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی ذکر کردہ تاویلات مریسی ہی سے ماخوذ ہیں۔ اس کی ایک دلیل امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر مشہور امام، عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ ردّ عثمان بن سعید علی الكاذب العنيد فيما افترٰى على اللّٰه في التوحيد نامی کتاب ہے۔ اس کتاب میں امام دارمی رحمہ اللہ نے بشر مریسی سے بعینہٖ یہی تاویلات نقل کی ہیں۔۔۔ جو شخص دیکھے گا کہ ائمہ دین نے بالاتفاق مریسی اور اس کے گروہ کی مذمت کی، بلکہ اکثر ائمہ دین نے تو ان کو گمراہ کافر بھی قرار دے دیا، نیز متاخرین میں تاویل کا جو طریقہ رائج ہے، وہ بالکل مریسی کی نقل ہے، تو اس کے نصیب میں ہدایت ہونے کی صورت میں اس کے لیے راہِ ہدایت بالکل واضح ہو جائے گی۔۔۔ جب صفاتِ باری تعالیٰ میں تعطیل و تاویل کا نظریہ یہود، مشرکین اور بے دین لوگوں کے تلامذہ سے ماخوذ ہے، تو کسی بھی عقل مند شخص کی رُوح ان غضب یافتہ اور گمراہ لوگوں کی رائے اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، کا راستہ چھوڑنے پر کیسے خوش ہو سکتی ہے، چہ جائیکہ کسی مؤمن کا دل اس قبیح عمل پر مطمئن ہو جائے۔

(الفتوى الحموية الكبرٰى: 232-264، ملخّصًا)

Monthly Al-Sunnah Jhelum

ہمارا عزم

☆ سلف صالحین کے منہج کے مطابق قرآن وسنت کا فہم

☆ سلف صالحین کے طریق پر عقیدۂ توحید کا احیاء

☆ بدعات وخرافات کا علمی اور تحقیقی رد

☆ اصولِ محدثین کے مطابق دفاعِ حدیث

☆ روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل

☆ سلفی المنہج، غیور اور فکری اہل حدیث افراد کی تیاری

☆ اہل القرآن والسنہ والاجماع سے خیر خواہی

جیسا کہ امامِ اوزاعی رحمہ اللہ (۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:

اِصْبِرْ نَفْسَكَ عَلَى السُّنَّةِ ، وَقِفْ حَيْثُ وَقَفَ الْقَوْمُ ، وَقُلْ بِمَا قَالُوْا ، وَكُفَّ عَمَّا كَفُّوْا عَنْهُ ، وَاسْلُكْ سَبِيْلَ سَلَفِكَ الصَّالِحِ ، فَإِنَّهُ يَسَعُكَ مَا وَسِعَهُمْ

''سنت پر ڈٹ جا، وہیں ٹھہر، جہاں (سلف) لوگ ٹھہرے ہیں، وہی کہہ جو انہوں نے کہا، جس قول و فعل سے وہ رکے ہیں، اس سے تو بھی رک جا اور اپنے سلف صالحین کی راہ پر چلتا رہ، وہی چیز (قرآن وسنت) تجھے کافی ہو جائے گی، جو ان کو کافی ہوئی تھی۔''

(حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم الأصبہانی: ۱۴۳/۶، وسندہٗ صحیح)

قارئین کرام! ماہنامہ **السنۃ** آپ کا اپنا رسالہ ہے، خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھنے کی دعوت دیں، ہمیں آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا، اپنے گراں قدر مشوروں سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں

انٹرنیٹ پر **السنۃ** پڑھنے کے لئے
WWW. AL-SUNNAH.IRCPK.COM

Printed by: Javed 0333-4167966